شمس التواریخ

حصہ اوّل (جلد دوم)

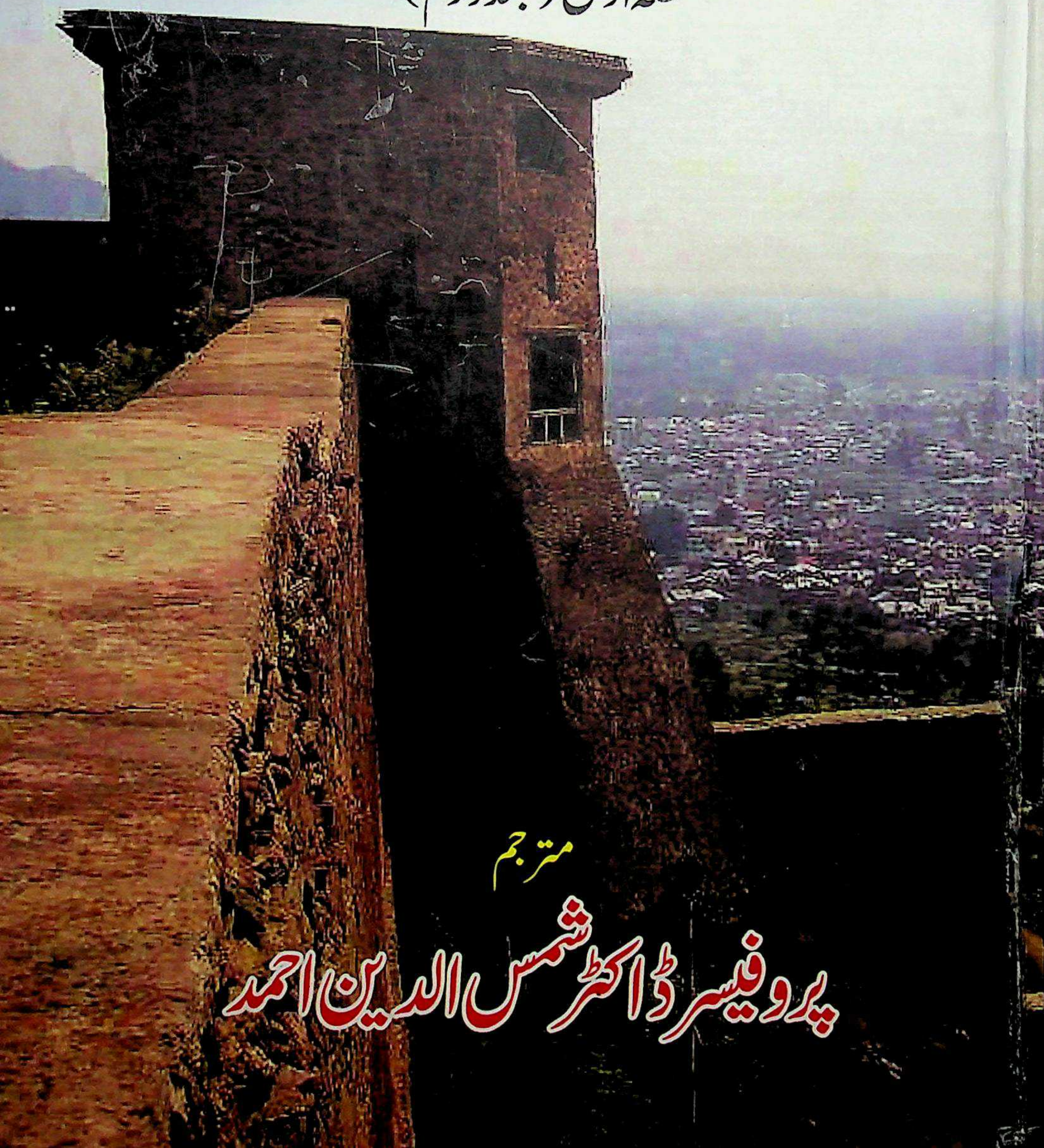

مترجم

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

Acc. No:- 76155

Vol = 2

3/10/24

شمس التواریخ

جلد اول (حصہ دوم)

مترجم

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب
مائسمہ بڈشاہ چوک، سرینگر کشمیر

922.97

ک 529 شں

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	شمس التواریخ (جلد اول) (حصہ دوم) (فارسی تاریخ حسن کا اُردو ترجمہ)
مصنف	:	حسن شاہ کھویہامی
مترجم	:	پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد
سن اشاعت	:	2019
صفحات	:	355
زیر اہتمام	:	شیخ محمد فیاض
I.S.B.N	:	978-93-84019-41-9

عرض ناشر

ریاست جموں وکشمیر کے کُتب فروشوں میں اوّلین نام مرحوم شیخ عبدالغفار کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مرحوم نے پہلی بار آزادی ملک سے پہلے اپنی فرم وادی کے علاقہ چھتہ بل سرینگر میں قائم کر کے تشنگانِ علم کیلئے چشمہ درصحرا کا کام انجام دیا۔ پہلی بار اوراد فتحیہ کو لاہور سے چھاپ کر ریاست کے مسلمانوں کیلئے راحت کا سامان بہم پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اُن کے فرزند مرحوم حاجی شیخ غلام محمد صاحب نے تجارتی مرکز مہاراج گنج میں میسرز **شیخ غلام محمد تاجران کُتب** کے نام سے اس فرم کی ازسرِ نو بنیاد ڈالی۔ مرحوم حاجی صاحب نے کئی نادر اور نایاب کتابوں کو حاصل کر کے تشنگانِ علوم کیلئے مہیا کر کے اور ہندوستان و پاکستان کے علاوہ عرب ممالک سے کتابیں لا کر ریاست کے لوگوں کو بہم پہنچائیں۔ مہاراج گنج میں کام کی وسعت اور جگہ کی تنگی کے باعث اُنہوں نے سرینگر کے مشہور مرکزی علاقہ مائیسمہ بازار بڈشاہ چوک میں اپنی دکان "**حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز**" کے نام سے شروع کی۔ جہاں اُنہوں نے تفسیر قرآن، حدیث شریف، تاریخ، سیرت رسولؐ وغیرہ کے علاوہ مروجہ تعلیمی نصاب کی کتابیں بیرون ریاست سے منگا کر مہیا رکھی۔ ریاست کے کئی ادبی، تعلیمی، ثقافتی مراکز کیلئے ان کتابوں کو ہمیشہ وافر اسٹاک کر کے اداروں سے وابستہ دانشوروں، محققوں اور طالب علموں کیلئے راحت جان کا سامان کیا۔

حاجی صاحب خود بھی علمی ذوق کے حامل انسان تھے۔ اُنہوں نے خود بھی کئی کتابیں مرتب کر کے شائع کیں۔ اور ریاست کے ادبی اور علمی شخصیتوں کو ایک پلیٹ فارم عطا کر کے اُن کی لکھی ہوئی کتابیں چھاپ کر ریاست اور بیرون ریاست اُن کو متعارف

کرایا۔ مرحوم نے ہمیشہ معیار کو پیش نظر رکھا۔

حاجی صاحب نے کئی اہم اور تاریخی کتابیں چھاپی ہیں۔ جن کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اُمید ہے کہ اس کتاب کو زیادہ پذیرائی حاصل ہوگی (انشاء اللہ) قارئین کو اگر کوئی خامی یا کمی نظر آئیں تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمائینگے۔

والسلام

شیخ محمد فیاض

مالک میسرز حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز

شمس التواریخ

(فارسی تاریخ حسن کا اُردو ترجمہ)

جلداول

مترجم

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

فہرست مطالب

صفحہ	عنوان	شمار
358	دوسرا باب صوبہ کشمیر کے نو پیدا آثار و علامات اور مصنوعی ایجاد و ابداع کی شرح و تفصیل	۱
359	شہر سرینگر	
366	کشمیر کے قصبہ جات	۲
366	قصبہ ویرناگ	
366	قصبہ ڈورہ	
367	قصبہ اننت ناگ یا اسلام آباد	
367	قصبہ بیج بارہ	
368	قصبہ پانپور	
369	قصبہ شوپیان	
369	قصبہ چرار	
369	قصبہ پٹن	

	قصبہ سوپور	370
	قصبہ بارہمولہ	372
	قصبہ بنڈہ پورہ	373
۳	چغتائی بادشاہوں کے زمانے میں کشمیر کے پرگنے	374
	پرگنہ شاہ آباد	374
	پرگنہ برنگ	374
	پرگنہ کوٹھار	375
	پرگنہ مارتنڈ	375
	پرگنہ کھاور پارہ	375
	پرگنہ دچھن پارہ	375
	پرگنہ اُولر	376
	پرگنہ وُھو	376
	پرگنہ مارتنڈ	376
	پرگنہ لار	377
	پرگنہ کویہامہ	377
	پرگنہ زینہ گیر	377
	پرگنہ دیوہ سر	378
	پرگنہ باڑھو	378

	پرگنہ سپرسمن	378
	پرگنہ شکروہ	378
	پرگنہ ناگام	379
	پرگنہ بیروہ	379
	پرگنہ بانگل	379
	پرگنہ کروہن	380
	پرگنہ کامراج	380
	پرگنہ دچھنہ وکھاورہ	381
	پرگنہ اسلام آباد	381
	پرگنہ آڈون	381
	پرگنہ زینہ پور	382
	پرگنہ شاورہ	382
	پرگنہ سایرالمواضع	382
	پرگنہ اَچھ	383
	پرگنہ دین سُو	383
	پرگنہ مانچھامون	383
	پرگنہ سایرالمواضع پائین	383
	پرگنہ تیگہ گام	384

384	پرگنہ پٹن	
384	پرگنہ کھوری	
384	پرگنہ میر بحری	
385	پرگنہ اچھن	
385	پرگنہ آروی	
385	پرگنہ بلدہ	
394	چغتائی بادشاہوں کے زمانے میں ملک کشمیر کی آمدنی	۴
395	آصف جاہ خان کے بندوبست کے بموجب چغتائی بادشاہوں کے عہد میں ملک کشمیر کی آمدنی کا نقشہ	۵
398	مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں کشمیر کی آمدنی	۶
403	اشخاص کے باج اور گزشتہ وحال کے معمول کے متفرقہ رسومات سے نقدی آمدنی سال ۱۹۳۰ بکرمی مطابق ۱۲۹۰ھ	۷
405	سال ۱۹۲۰ بکرمی = ۱۲۹۰ھ = ۱۸۷۳ء میں کشمیر کی مردم شماری کا نقشہ	۸
415	کشمیر کے باغات	۹
418	جروگہ شاہی	
419	دار المحل	

420	باغ فرح بخش	
423	باغ فیض بخش	
424	باغ عیش آباد	
424	باغ بحر آرا	
425	نُور باغ	
426	باغ صفا	
426	بیگم آباد	
426	دولت آباد	
427	الٰہی باغ	
427	باغ چنار	
427	باغ پانپور	
428	باغ ونتی پورہ	
428	باغ بیج بہاڑہ	
428	آصف آباد	
428	شاہ آباد	
429	باغ نسیم	
430	باغ نشاط	
432	شاہی فرمان کی نقل	

	باغ جہان آرا	437
	باغ شاہ آباد	437
	باغ پری محل	438
	باغ چار چنار	438
	باغ ملاشاہ	438
	اورنگ آباد	439
	ظفر آباد	439
	باغ گلشن	439
	باغ احسن آباد	440
	باغ عنایت	440
	حیدر آباد	440
	باغ علی آباد	441
	باغ ارادت خان	441
	باغ دلاور خان	441
	باغ لشکر خان	442
	باغ اقوام الدین خان	442
	باغ صدارت خان	443
	باغ صادق آباد	443

444	باغ افضل آباد	
444	باغات جعفر خان	
444	قاضی باغ	
445	چوہدری باغ	
445	باغ افراسیاب خان	
445	باغ کفایت خان	
446	باغ امرود	
446	باغ انگور	
447	باغ توت	
448	دولت آباد	
448	امیر آباد	
449	باغ آقا حسین	
449	باغ سوکھ رام	
449	باغ بھمان سنگھ	
449	رام باغ	
450	شیخ باغ	
450	باغ ہری سنگھ	
450	بسنت باغ	

	منشی باغ	450
	باغ گلاب سنگھ	451
	حضوری باغ	451
	سمندر باغ	451
	رُگناتھ باغ	451
	کوٹھی باغ	452
	خواجہ باغ	452
۱۰	کشمیر کے پُل	461
۱۱	کشمیر کی مسجدیں	470
	خانقاہ بلبل شاہؒ	470
	مسجد رنچن شاہ	471
	خانقاہ معلیٰ	471
	سلطان سکندر کے دستاویز کی نقل	474
	میر محمد ہمدانیؒ کے وقف نامہ کی نقل	476
	خانقاہ والا	481
	خانقاہ اعلیٰ	481
	خانقاہ کبروی	481
	مسجد جامع	482

	مسجد عالی	486
	مسجد ملا شاہ	487
	خانقاہ فیض پناہ	487
	خانقاہ سید برخوردار	489
	خانقاہ سید محمد مدنی	489
	نو مسجد	489
	خانقاہ بابا اسماعیل	491
	خانقاہ ملک جلال ٹھاکر	491
	خانقاہ شمسی	491
	خانقاہ درگجن	492
	خانقاہ چشتی	492
	جامع بارہمولہ	492
	خانقاہ سوپور	493
	جامع سوپور	493
	خانقاہ مخدومی	493
	جامع شوپیان	494
	جامع اسلام آباد	494
	بجبیشور خانقاہ	494

	جامع بیج بارہ	495
	خانقاہ شیخ العالم	495
	خانقاہ جیلانی	496
	خانقاہ خواجہ شاہ صاحب	496
	خانقاہ غوثیہ	496
	تھنگہ مسجد	497
	خانقاہ ڈانگر پورہ	497
	مسجد جامع بانڈی پورہ	497
۱۲	کشمیر کا پشمینہ	515
	داغ شال کی کیفیت	522
۱۳	کشمیر کی زبان	528
۱۴	کشمیر کی تواریخ	530
	سنسکرت تواریخ	530
	تاریخ رتنا کر	530
	رازہ ترنگنی	530
	زینہ ترنگنی	531
	تاریخ اودھ بٹ	531
	فارسی تواریخ	532

532	وقایع ملک کشمیر	
532	تاریخ ملا نادری	
532	تاریخ قاضی حمید	
532	تاریخ ملا حسین قاری	
533	منتخب التواریخ	
533	تاریخ سید علی	
533	تاریخ حیدر ملک	
533	بہارستان شاہی	
533	واقعات کشمیر	
534	تاریخ نافعی	
534	تاریخ مولوی ہدایت اللہ متو	
534	واقعات نظامیہ	
534	شاہنامہ کشمیر	
535	باغ سلیمان	
535	لُب التواریخ	
535	تحقیقات امیری	
536	منتخب التواریخ	
536	مجموعہ تواریخ	

	گلزار کشمیر	536
	خلاصۃ التواریخ	536
	وجیز التواریخ	537
	تاریخ کشمیر	537
	انگریزی تواریخ	537
	ناردرن باریا	537
	تاریخ انس صاحب	537
	اُردو تاریخ	538
	گلدستہ کشمیر	538
۱۵	کشمیر کا سنہ	544
۱۶	کشمیر کے مکانات	548
۱۷	کشمیر کی کشتیاں	549
	پہلی قسم: لَرِہ ناؤ	549
	دوسری قسم: پرندہ	549
	تیسری قسم: ڈونگہ	550
	چوتھی قسم: شکاری	550
	پانچویں قسم: چھوٹی شکاری	551
	چھٹی قسم: بھرٹی	551

552	ساتویں قسم: کھچو	
552	آٹھویں قسم: کمھ ناؤ	
552	نویں قسم ڈینبہ ناؤ	
552	دسویں قسم: بندوق شکاری	
554	کشمیر کے قلعے	۱۸
554	قلعہ سیر	
554	قلعہ آہنی پرسپور	
554	قلعہ ناگام	
555	قلعہ ہرش	
555	قلعہ ہانجک	
555	قلعہ گگنہ گیر	
555	قلعہ سر	
555	قلعہ سوپور	
556	قلعہ ناگرنگر	
557	قلعہ شیر گڈھی	
557	گڈھی کٹھائی	
558	گڈھی بیروہ	
558	گڈھی بیروہ	

	قلعہ کوہ ماران	558
	قلعہ بارہمولہ	558
	گڈھی اوڑی	559
	گڈھی مظفر آباد	559
۱۹	کشمیر کے بت خانے	562
	مارٹانڈ یشور	562
	وزیہ ایشری	564
	زلیش ٹیشور	565
	بجیشور	566
	بوٹیشور	566
	ایشیشور	566
	بھیما دیوی	566
	میگہ مٹ	567
	مہاشری	567
	سدرہ باوہ شری	567
	کالی شری	567
	لوکی شری	568
	پرور یشور	568

	ویشوشوریا	568
	درونس سوامی	568
	بوتیشور	569
	ماہشیور	569
	ہرتیشور	569
	بکرمیشور	570
	بمتیشور	570
	درلب سوامی	570
	نریندریشور	570
	تربھون سوامی	571
	تاراپیٹ	571
	سورج مکھی	571
	موکتا کیشو	571
	پرہا کیشو	572
	چتراتما کیشو۔شیشہ شای کیشو۔امرت کیشو	572
	اوتپل مندر	573
	شیرہ وامس سوامی	573
	مارگیشور	573

573	اونتی سوامی	
574	شیرہ مٹ	
574	پربھاکرسوامی	
574	جادہ برابری	
574	کلن مندر	
575	ہریشور۔بگیشور	
575	پروگیستیشور	
575	کچھامہ مندر	
575	بونیار کے مندر	
575	سہم پور مندر	
576	مین مٹ	
576	کلشیشور	
576	زیئشور	
576	ہرشیشور	
576	پرتیشور	
577	جدید مندر	
577	گدادھر مندر	
577	گنپت یار مندر	

577	بیج بہاڑی مندر	
577	رنبیر سوامی	
578	سمادھ مندر	
578	پرتاپ سوامی	
578	کرپارام مندر	
578	وزیر پنوں مندر	
578	امیرا کدل مندر	
579	گنیشور مندر	
579	صفا کدل مندر	
579	کرنیل مندر	
587	کشمیر کی تجارت کا درآمد اور برآمد	۲۰
587	کشمیر کا وہ مال تجارت جو ہندوستان اور خراسان کے ممالک کے اطراف میں جاتا ہے	
589	وہ مال تجارت جو ہندوستان اور خراسان وغیرہ سے کشمیر میں آتا ہے	
590	وہ تجارتی مال جو یارقند اور لداخ اور لاسہ سے کشمیر میں آتا ہے	
591	کشمیر کا وہ مال تجارت جو لداخ اور یارقند کو جاتا ہے	

	وہ تجارتی اشیا جو اسکردو سے کشمیر میں آتی ہیں	592
۲۱	کشمیر کے پشمینہ کی قسمیں	593
	کانی پشمینہ	593
	عملی کار پشمینہ	593
	پشمینہ چکنی	593
	پشمینہ داؤ کار	593
۲۲	کشمیر کے لوگوں کی قومیں	595
	مسلمان فرقے کے قبیلے	595
	سادات فرقے کے قبائل	598
	مغل فرقے کے قبائل	599
	شیخ قوم کے قبائل	602
	طائفہ داروں کی قومیں	607
۲۳	کشمیر کے مذاہب	613
	ہندوؤں کا مذہب	613
	دین اسلام کی اشاعت	617
	شیعہ مذہب کی اشاعت	618
	وہابی مذہب کی اشاعت	621
	سکھ مذہب کی اشاعت	627

۲۴	کشمیر کے لوگوں کا لباس	643
۲۵	کشمیر کے لوگوں کی خوراک	646
۲۶	کشمیر کے حادثات ومصائب	650
	کشمیر کی خشک سالیاں	650
	کشمیر میں وبا کے حادثے	660
	کشمیر کے بھونچال	663
	کشمیر کے سیلاب	669
	آگ کی وارداتیں	672
	شیعوں کا لوٹ	677
	متفرقہ حادثات	700
۲۷	فہرست مآخذ ومنابع	709

شمس التواریخ

یعنی

تاریخ حسن

(حصہ اول)

کا اُردو ترجمہ

از

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

بُرج بخت آور۔ آستان پور روڈ

راول پور سری نگر، کشمیر

دوسرا باب

صوبہ کشمیر کے نو پیدا آثار و علامات اور مصنوعی ایجاد و ابداع کی شرح و تفصیل

جب جلال الدین اکبر اعظم نے ہندوستان کے بڑے ملک کو اپنے قبضہ اقتدار میں لایا تو اس نے اپنے مقبوضہ ممالک کے انیس (۱) صوبے مقرر کر دیئے۔ (i) شاہ جہان آباد کا صوبہ (دہلی)۔ (ii) دار الخلافہ کا صوبہ اکبر آباد عرف آگرہ۔ (iii) الہ آباد کا صوبہ۔ (iv) اودھ کا صوبہ۔ (v) پٹنہ کا صوبہ جو عظیم آباد کے نام سے مشہور ہے۔ (vi) بنگالہ صوبہ۔ (vii) اوڑیسہ کا صوبہ (viii) اورنگ آباد کا صوبہ۔ (ix) برار کا صوبہ۔ (x) خاندیس کا صوبہ۔ (xi) مالوہ کا صوبہ۔ (xii) اجمیر کا صوبہ (xiii) گجرات کا صوبہ۔ (xiv)............(۲) کا صوبہ۔ (xv) ملتان کا صوبہ۔ (xvi) لاہور کا صوبہ۔ (xvii) کابل کا صوبہ۔ (xviii) قندھار کا صوبہ۔ (xix) کشمیر کا صوبہ۔ اس صوبے میں اٹھاون ضلعے ہیں جن میں سے چھ ضلعے مشرقی اور شمالی گوشے کی جانب واقع ہیں۔: لداخ، اسکردو، کنجو، نگری، حصورہ اور گلگت۔ اور آٹھ ضلعے ہیں شمال مغربی گوشے کی طرف: دومیاں، داردو، دمتور، پکھلی، کلاک، کاغان، دراوہ اور کرناہ۔ چھ ضلعے مغرب اور جنوب کے گوشے کی جانب ہیں: پونچھ، راجور، نوشہرہ، کھل، بانہال اور مرو واڑون۔ خاص کشمیر کے ملک کے ساتھ اڑتیس (۳) ضلعے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں ایک ہے سرینگر کا شہر، اور ۳۷ ضلعوں (۴) کے

پرگنوں کی آبادی، کہ ہر ضلع کو پرگنہ کا نام دیا گیا ہے۔

اکبر شاہ کے زمانے میں جو جمعبندی آصف خان (۵) نے دفتر اعلیٰ میں پیش کر دی اس میں ملک کشمیر کے اڑتیس (۶) پرگنے مقرر تھے اور جس جمعبندی کو قاضی علی کے انتظام کے تحت ترتیب دیا گیا اس میں کشمیر کی آبادی کے لئے اکتالیس (۷) پرگنے مشخص تھے۔ جو اصل میں وہی اڑتیس پرگنے تھے جن میں قاضی علی نے دراوہ اور کرناہ کے دو پرگنے شامل کر دیئے اور سایر المواضع پرگنہ کے دو حصے کر کے ان کو دو پرگنے شمار کر لیا اور مراج کی طرف کے چالیس مواضع (دیہات) کو حویلی کا نام دیا تھا۔ اسی مواضع کو جو کامراج کی طرف تھے بدستور سایر المواضع قرار دیا۔

اس موجودہ وقت میں قدیم طریقہ انتظام بدل گیا ہے اور کل ۳۴ر پرگنہ جات زمانے کے دفتر میں ثبت ہیں۔ اگلے وقت کے لوگوں نے کشمیر کے ملک کو دو ضلعوں میں منقسم کر دیا ہے مشرقی ضلع کو مراج اور مغربی ضلع کو کامراج کا نام دیا ہے اور ان دونوں ضلعوں کے بیچ میں شہر سرینگر کا ضلع واقع ہے۔

شہر سرینگر (۸)

کشمیر کے خطہ دلپذیر میں سرینگر نام کا شہر مشہور ہے جو عجیب زینت و آرایش سے معمور، خاصی وسعت وسیرابی سے آراستہ اور کمال تر و تازگی اور شادابی سے سنوارا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی نوشہرہ سے امیرا کدل تک ۴ر میل اور اس کی چوڑائی چھچھ بل سے نا ید یار تک ......میل (۹)؟ اور اس کے محیط کا (گھیرے کا) دور...........میل (۱۰)؟

شہر کے درمیان میں دریای بہت کے میٹھے پانی کی نہر کی شگفتگی، جو جنت کی سلسبیل کی یاد دلاتی ہے اور جس کی آبیاری سے اس جنت مثال گل زمین کو حور مانند آبادی سیراب و شاداب ہوتی رہتی ہے، جاری ہے۔ اس فرحت نشان دریا کے جاری رہنے سے مذکورہ شہر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے ایک شمالی اور دوسرا جنوبی۔ شمالی حصہ وسعت نزہت میں خوش نما ہے اور دلکشا۔ اکثر بڑی بڑی عبادتگاہیں اور قدیم عمارتیں اسی طرف میں پائی جاتی ہیں۔ فار نہر، جو سلطان زین العابدین (۱۱) کی یادگار ہے شمالی حصے میں گرمیوں کے موسم میں جاری رہتی ہے اور اس سے چار ندیاں نکلتی ہیں۔ ایک دولت کل، جو خواجگانِ نقشبندی کے دولت خانے میں سے گذرتی ہے۔ دوسری سید بزرگ شاہ کی ندی جو خانیار میں سے جاری ہوتی ہے۔ تیسری کاوڈارہ کی ندی اور چوتھی ندی تارہ بل اور لچھمہ کول نہر جو ملک جلال ٹھاکور کی بیوی سے یادگار ہے اور شمالی حصے کو طراوت بخشتی ہے اور جنوبی حصے میں کٹہ کول نہر جو یوسف شاہ چک کی یاد دلاتی ہے، شیر گڑھی کے مقام پر دریای بہت سے الگ ہو کر صرف گرمیوں کے موسم میں لوگوں کو سیراب کرتی ہے۔ اس سے دو ندیاں پھوٹ نکلتی ہیں ایک سونر کل اور دوسری گنز کول۔ دودھ گنگا کی ندی جنوبی حصے کے مضافات کو شاداب کرتے ہوئے دریاے بہت میں شامل ہو جاتی ہے۔

اس شہر کے اردگرد میں متعدد جھلیں اور وسیع تالاب ہیں جن کی طراوت و تروتازگی سے اس شہر کے خوبیوں کی رونق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور یہاں کے لوگوں اور عیاش طبقوں کیلئے سیر و سیاحت اور معیشت کے ذرائع مہیا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے مشرق میں جھیل ڈل، شمال میں آنچار سر اور خوشحال سر جنوب میں بمنہ نمبل اور شہر کے عین وسط میں برار نمبل واقع ہیں۔ نیز شمالی حصہ شہر میں کوہ ماران نامی دلکشا پہاڑی ہے اور مشرقی سرحد کے

گوشے میں کوہ سلیمان کی روح افزا پہاڑی۔ اس کے مغرب میں عید گاہ کا ایک میدان ہے، میر محمد ہمدانیؒ کا وقف کیا ہوا، جو سولہ سو قدم لمبا اور پانچ سو قدم چوڑا ہے اور اس کے بیچ میں عالی مسجد ہے (۱۲) جس کے صحن میں چنار کے درخت اور حوض واقع ہے۔ اس وقت عالی مسجد کے شمال میں عید گاہ کا حصہ زراعتی ہے اور جنوبی حصہ عید گاہ کیلئے ہموار۔ نیز شمالی شہر کے مشرق میں میل در میل وسیع ایک میدان ہے حضرت میر محمد ہمدانیؒ اور بابا اسماعیل زاہدؒ کا وقف کیا ہوا جسے ملہ کھاہ کہتے ہیں۔ شہر کے لوگوں کا مزار اور زمانے کے اولیاء کبار کا مدفن یہی جگہ ہے۔

رازہ ترنگنی کا مترجم لکھتا ہے کہ اس شہر کی بنیاد راجہ پرورسین (۱۳) نے ڈالی ہے۔ ۱۴۵ بکرمی مطابق ۸۸ عیسوی میں مذکورہ راجہ نے سلطنت کو انتظام دینے کے بعد (۱۴) چاہا کہ زمانے کی گذرگاہ میں ایک پائیدار شہر یادگار کے طور پر بنائے اور اس خیال سے اس نے کشمیر کے اطراف و جوانب میں مناسب جگہ کی جستجو کی لیکن شہر کی آبادی کے لئے اسے کوئی جگہ پسند نہیں آئی۔

قصہ:

اندھیری راتوں میں سے ایک رات کو تنہا اپنے خاص دولت خانے سے اس ارادے کے ساتھ باہر نکلا کہ اس نئے شہر کی بنیاد گذاری کے اور لوگوں کے سعادت ونحوست کے بارے میں بیانات کے پس منظر میں فال وشگون لے کر عمل کرے گا۔ خراماں خراماں دریائے بہت کے کنارے پر پہنچا۔ دریا کے کنارے کے اس طرف ایک آگ جل رہی تھی جسے ہندو اپنے مردوں کو جلا کر چھوڑ چکے تھے۔ راجہ دریا کے ساحل پر شمشان کے آگ کی روشنی اور اس طرف کے درختوں کا ملاحظہ کر رہا تھا۔ اچانک اُس نے طویل قامت اور ضخیم

ہیئت آدمی کو دیکھا جس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور یہ مشتعل شعلے بجلی کی مانند راجہ کے بدن کی طرف لپکنے لگے۔ اس ہیبت ناک آدمی نے اپنے دونوں بازو پھیلا کر سخت وہولنا کی کے ساتھ کڑکتی ہوئی آواز میں راجہ کو اپنی طرف کھینچا۔ راجہ اُس کے خوف و ہراس سے مطلق نہیں گھبرایا بلکہ اس کی ہیئت وصورت کو دیکھ کر ہنس پڑا۔ راجہ کی بلند حوصلگی کو دیکھ کر وہ آدمی مسکرایا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”اے راجہ پرورسین! میں نے اس سے پہلے خود کو دو آدمیوں پر ظاہر کیا تھا ایک بکرماجیت پر اور دوسرے شدرک پر جس کی تفصیل برھست کتھا (۱۵) میں درج ہے۔ اب میں نے خود کو تجھے دکھا دیا ہے۔ تم تینوں آدمیوں میں ایسی بلند ہمت پائی کہ مجھے دیکھ کر آپ کے دلوں میں کوئی رعب اور خوف حاوی نہیں ہوا۔ اب میں تم سے مسرور اور خوش ہو گیا ہوں۔ اگر تم اس وقت میرے پاس آنا چاہو گے تو میں، جو بھی تمہارا مقصد ہو اور تیری مراد ہو، اس کی حقیقت اور اس کے اسرار سے تجھے واقف اور باخبر کروں گا۔ اگر تم اس دریا کے پانی کے حائل ہونے کے بارے میں سوچ رہے ہو تو میں آسانی کے ساتھ تجھے اپنے پاس لے آؤں گا“۔ اس کے بعد اس نے اپنی ٹانگ پھیلا دی اور اسے دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا اور کہا: ”آجاؤ! اس مضبوط پل کی راہ پر چل کر، کہ میرے پاس آکر کامیابی سے ہمکنار ہو جاؤ گے“، راجہ نے اس عظیم پل کی راہ پر سے چل کر دریا کو پار کیا اور اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا: ”میں بوڑھا وتالنی ہوں اور سدا شو کا خدمت گذار۔ تمہاری عالی ہمتی کو دیکھ کر میں خوش ہوا۔ تمہاری مراد یہی ہے نا کہ تم ایک شہر آباد کرنا چاہتے ہو جو دور زمان میں پائیدار رہے؟ تو جاؤ کل تم شمال کی سرحد کی طرف ایک زمین کا مشاہدہ کرلو گے جس کی سطح پر سرخ رنگ کی مٹی ڈالی ہوئی ہوگی۔ پس تم اس سرزمین پر فلاں وقت ایک شہر کی تعمیر کرو گے جو البتہ ہمیشہ کے لئے، جب تک زمانہ جاری ہے، قائم

رہیگا۔"

راجہ اس بشارت کو پا کر بہت خوش ہوا اور شمال کی حدود کی طرف عجلت کے ساتھ روانہ ہوکر ہر ہر مقام کا حال پوچھ پاچھ کر اس نے کوہ ہاری پربت کے اردگرد غیبی منصوبے کے مطابق سرخ رنگ کی مٹی چہار کروہ کے فاصلے پر چھڑکی ہوئی دیکھی اور خوش ہوگیا۔ کہتے ہیں اس سرزمین پر آب چگہ (۱۶) نام کا ایک قوی ھیکل اور بلند قامت دیو قدیم زمانے سے سکونت پذیر تھا۔ راجہ مذکور نے اس دیو سیاہ کو وہاں سے بھگا دیا اور اس سرزمین پر شہر کی بنیاد ڈال کر اسے سرینگر کا نام دیا۔ اس کی ہمسائیگی میں چبہ (۱۷) نام ایک صاحب ریاضت عابد رہتا تھا جس کے راجہ نیک نام کے ساتھ کامل روابط تھے۔ اس نے سبقت سے کام لیتے ہوئے سب سے پہلے وہاں اپنی جگہ بنانے کی غرض سے عبادت خانہ تعمیر کیا۔ چونکہ نیک سیرت راجہ نے اس شہر کو آباد کرنے کیلئے دلی خواہش کے ساتھ کوشش کی اس نے زبردست معماروں کو مہیا کرا کے محلوں اور گھروں کو بنانے میں انہیں مشغول رکھا۔ چیو نام ایک (۱۸) بڑھئی کو جو فن تعمیر میں استاد بے نظیر تھا (۱۹) اس سرزمین کی عمارتوں کی منصوبہ بندی اور اہتمام کرنے کیلئے معماروں کا سرگروہ مقرر کیا۔

بنیاد کی یمن و برکت کیلئے پہلے وہاں پر بھاری پتھر کا رتھ پر سوار ایک بت لایا گیا۔ اچانک بیچ راستے میں رتھ کا ایک پایہ اُلٹ کر ٹوٹ گیا۔ اسی وقت، جیسے کہ ملہم غیب نے کہا تھا ،ساعت نیک، آگے آئی اور اسے غیبی اشارہ جان کر شیوناتھ جی کے مندر کی بنیاد ڈالی گئی اور بہت اُونچے اور عظیم پانچ (۲۰) استوار بتخانے یعنی سدھ باوشری، کالی شری، لوکی شری، مہاشری اور پروری شری تعمیر ہوئے اور پھر مکانوں کو بنانے اور عمارتوں کو بلند کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔

قصہ:

کہتے ہیں چند سال کے عرصے میں قریب چھتیس لاکھ (۲۱) اُونچے گھر بنائے گئے۔ ان میں شاہی عمارات، بلند و عالی قصر، امیروں اور وزیروں کے محل دریائے بہت کے مشرقی کنارے پر بہت بلندی کے ساتھ تعمیر کئے گئے۔ جہاں سے پہاڑوں کے مناظر دکھائی دیتے تھے۔ ناوہ پورہ کے مقام پر دریای بہت کو اس کے اصلی راستے میں مسدود کر کے کوہ ماران کے دامن کے نیچے سے جاری کر دیا گیا اور دریای بہت کی گذرگاہ (یعنی جاری ہونے کی جگہ) کو، جو بہت گہری تھی، سنگ وخاک سے پر کشتیوں کے ساتھ پانی کی گہرائیوں میں ڈبو کر ایک مضبوط بند بنایا گیا۔ اسی لئے اس جگہ کا نام ناوہ پور رکھا گیا اور لوگوں کے عبور و مرور کیلئے اس جگہ کے متصل ایک مضبوط پل تعمیر کیا گیا۔

جھیل ڈل اس زمانے میں پانی سے خالی ایک وسیع میدان کی صورت میں تھا اور وتالنی مرگ کہلاتا تھا۔ سرینگر شہر کے آباد ہونے کے بعد سیلاب کے حادثے کی وجہ سے یہ وسیع میدان پانی میں ڈوب گیا اور جھیل میں تبدیل ہوا۔ اس زمانے میں کوہ ماران شہر کے درمیان میں دائرے کے مرکز کی طرح نمایاں تھا یعنی ہر طرف خوبصورت عمارتیں اور بے مثال ایوان اس کے اردگرد میں بن گئے تھے اور اس کی چوٹی سے اس گلستان کے نظارے، اس کی کیفیتیں، پہاڑوں کے مناظر اور بیابانوں کے حال واحوال نمایاں ہو کر نظارہ کرنے والوں کی مسرتوں میں اضافہ کرتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے ملک میں تعمیر و آرائش کے لحاظ سے ایسا اور کوئی شہر بننے کا امکان تھا ہی نہیں۔

رعایا پروری اور انصاف وعدل گستری میں جب نیک نام راجہ کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیل گئی تو عام لوگ ہر مقام سے ازدہام کی صورت میں اس جنت نظیر ملک میں اُمڈ کر

سکونت پذیر ہوئے۔ راجہ نیک نام نے دو عالی نثراد عابدوں کو اس ملک کی آبادی کی محافظت کیلئے شہر کے دو طرفوں میں متعین کر دیا۔ ان میں ایک کا نام تھا ورد مان سوامی (۲۲) جسے کوہ سلیمان پر مقرر کر دیا گیا اور دوسرا تھا سوگرم سوامی جسے پھاک پرگنہ میں ہارون کے پاس متعین کیا گیا اور شہر کے شمال میں راجہ کے مشورک نامی وزیر نے اُونچے اُونچے گھر اور بلند و بالا بتخانے بڑی مضبوطی کے ساتھ تعمیر کروائے۔ چنانچہ ان کی نشانیاں آروی پرگنہ کے شور گاؤں میں، جو اس زمانے میں شہر میں شامل تھا، موجود ہیں۔ نیز اس کے ایک خالو نے، جس کا نام چندر تھا، اس شہر میں دو اُونچے صنم خانے بنوائے۔ کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد قہر الٰہی کی آگ نے اس علاقے کے دو حصوں کے رقبہ کی عمارتوں کو جلا کر خاک کر ڈالا۔ چنانچہ موجودہ زمانے میں کوہ ماران کے شمالی حدود میں لوگ نیچے تک چار پانچ گز زمین کھود کر سرخ رنگ کی مٹی کو، جو اسی آگ کے حادثہ کی وجہ سے زمین کی گہرائی میں باقی ہے، نکال لیتے ہیں۔

محققین میں سے ایک محقق نے کہا: ''میں نے خود اپنی آنکھوں سے بارہ گز تک ایک کنواں کھود دیئے جانے کے بعد ایک دیگدان اور ایک برتن کا مشاہدہ کیا جس میں ایک مینڈک تھا۔''

ایک اور فاضل علامہ تھا جس نے کہا کہ: ''بچپن میں میں نے دیکھا کہ میرے گھر کے صحن میں جامع مسجد کے قریب ایک کنواں ۲۲ رگز گہرا کھودا گیا تو تراشے ہوئے پتھروں کا چونے سے جڑے ہوئے پایوں کا ایک زینہ گھاٹ کی سیڑھیوں کی مانند نکل آیا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ یہ جگہ دریائے بہت کا گھاٹ رہی ہوگی۔''

ایک اور شخص نے بیس گز کی گہرائی سے ایک مرغ کی صورت کو جسے چینی کی مٹی سے

بنایا گیا تھا باہر نکالا۔

کشمیر کے قصبہ جات

قصبہ ویرناگ

سرینگر سے مراج کی طرف شاہ آباد پرگنہ میں پچاس میل کے فاصلے پر بانہال پہاڑ کے دامن میں کشمیر کی سرحد کی ابتداء میں واقع ہے۔ عمارتوں کی تعمیر، بازاروں کی ترتیب، شاہی باغات اور بادشاہوں کے مستقر ہونے کی وجہ سے سابقہ زمانے میں ایک خوبصورت قصبہ تھا۔ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اور وقت کے حوادث کی وجہ سے وہ صورت باقی نہیں رہ سکی۔ اب مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اس کی تجدید کر دی ہے۔

قصبہ ڈورہ

ویرناگ سے نیچے شاہ آباد کے وسط میں ایک خوشنما قصبہ ہے جسے وہاں کے مَلِکوں نے اپنی حکومت واقتدار کے زمانے میں بازاروں کے ترتیب دینے، عمارتوں کی زینت افزائی کرنے اور تجارت کو فروغ دینے سے آباد کیا ہے۔ دیوہ سر، شاہ آباد اور برنگ کی تجارتی چیزیں یہاں فروخت ہوتی ہیں۔

قصبہ اننت ناگ یا اسلام آباد (۲۳)

سرینگر سے ۳۴ میل کی دوری پر مراج کے حصے میں مٹن کریوہ کے دامن کے نیچے چشموں کی فراوانی، خوشگوار پانی، عمارتوں کی کثرت، باغوں کی وسعت، بازاروں کی فراخی، دیہات کی تروتازگی، تجارتی مراکز اور فرحت وشادمانی کے جذبات کو زندہ رکھنے میں مشہور آفاق مقام ہے۔ یہاں کے لوگ اکثر شالباف، بقال اور کسان ہیں۔ برنگ پرگنہ، مارتنڈ اور انچ کا تجارتی مال یہاں خریدا اور بیچا جاتا ہے۔ یہاں کے بڑھئی عجیب وغیرب چیزیں بناتے ہیں، جنہیں لوگ تحفے کے طور پر اطراف میں اور دوسرے علاقوں میں لے جاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ خوش طبع، زیرک، ہزل گو، بے وفا اور فراخ چشم (طمع کار) پائے گئے ہیں۔

قدیم زمانے میں یہاں انچ نام کا ایک گاؤں تھا۔ عالمگیر بادشاہ کے دل کو یہ پسند آیا اور اسلیئے اسلام خان (۲۴) نے جو صوبہ دار تھا، اسے آباد کرنے اور ترقی دینے میں کوشش کر کے ایک دلکشا باغ کی بنیاد رکھی (۲۵) اور اننت ناگ نامی چشمے کی مرمت کر کے اسے سنوارا۔ بادشاہ نے اس باغ کا نام اسلام آباد رکھا۔ موجودہ وقت میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس کا نام قصبہ اننت ناگ میں بدل دیا۔ مراج کا دارالحکومت یہی ہے۔

قصبہ بیج بارہ

قدیم شہر ہے قصبہ اننت ناگ سے نیچے چار میل کی دوری اور دریای بہت کے مغربی

کنارے پر۔ عمارتوں کی بہتات، تجارت کی رونق اور بازاروں کی زینت و ترتیب سے معمور جگہ ہے۔ یہاں کے رہنے والے لوگ اکثر شالباف ہیں اور کم ہی لوگ بقال اور کسان ہیں۔ پرگنہ دچھن پارہ، کھاور پارہ اور دیوہ سر کے تجارتی مال کی یہاں خرید و فروخت ہوتی ہے۔ بیج بارہ کی زمین ہندوؤں کی ایک بڑی عبادت گاہ ہے۔ ان کے گمان میں ژکہ در کی بلندی مقام سے سداشو کی جگہ چندریار تک خیر و برکت میں کاشی سے ایک دانہ جو سے بڑھ کر ہے۔ قدیم زمانے میں راجہ وزیا نند (۲۶) نے یہاں وزیہ برار نام کا ایک پرزیب و زینت شہر بنوایا تھا (وزیہ نام سے سداشو کا۔ برارُ سنسکرت زبان میں فرشتے کو کہتے ہیں)۔ زمانہ گذرنے کے ساتھ حادثات کی وجہ سے روز بروز خراب ہوتا گیا اور اب اس وقت یہ قصبوں میں شمار ہوتا ہے۔ وزیہ برار کو بیج برارہ کہا جاتا ہے۔

قصبہ پانپور

راجہ اجتاپیڈ کے زمانے میں (۸۶۹ بکرمی) اس کے وزیر پدم نے سرینگر سے مشرق کی جانب دس میل کی دوری پر دریائے بہت کے مشرقی کنارے پر پدمان پور نام (۲۷) کا ایک گاؤں آباد کیا۔ زعفران کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے یہاں تجارت کی ترقی، لوگوں کی کثرت اور بازاروں میں رونق آ گئی اور مغل بادشاہوں نے عمارات اور باغوں کی تعمیر سے یہاں کی آبادی میں برابر اضافہ کیا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے پدمان پورہ کا نام پانپور کر دیا۔

قصبہ شوپیان

سرینگر سے جنوب میں تیس میل کے فاصلے پر باٹھور پرگنہ میں ایک پرانا قصبہ ہے۔ عمارات کی تعمیر اور بازاروں کی وسعت کے لحاظ سے فی الحقیقت ہندوستان کے ساتھ تجارت کی ایک بندرگاہ ہے۔ دوسرے قصبہ جات کے مقابلے میں تجارت کی رونق یہاں زیادہ ہے۔ یہاں کے لوگ بقال، تاجر پیشہ اور کسان ہیں۔ یہاں کے رہنے والے تیز طبیعت کے، دھوکے باز اور پست ہمت پائے گئے ہیں۔

قصبہ چرار

گیارہ میل کے فاصلے پر جنوب کی جانب کوہ میان کے نیچے ناگام پرگنہ میں واقع ہے۔ حضرت شیخ نُورالدّین نورانی قدس سرہ کی برکت سے بازاروں کی رونق، مکانوں کی بھیڑ اور شہر و دیہات کے لوگوں کا عبور و مرور اور لین دین و خرید و فروخت کی یہاں بہتات ہے۔ یہاں کے باشندے اکثر مجاور اور کسان ہیں۔ تحفے کے طور پر یہاں کی کانگڑیاں اور نجاری کے اوزار اطراف میں لے جاتے ہیں۔

قصبہ پٹن

سرینگر سے مغرب کی جانب ۱۷ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ۹۴۹ بکرمی میں

راجہ شنکر ورما (۲۸) نے شنکر پٹن (۲۹) نامی ایک شہر آباد کیا تھا۔ اب چند دکانیں باقی رہ گئی ہیں۔

قصبہ سوپور

سرینگر سے تیس میل کے فاصلے پر کامراج کی جانب واقع ہے۔ اس کے درمیان سے دریائے بہت گذرتا ہے جس پر ایک مضبوط پل اور سنگین حصار بنا ہے۔ اس کے اطراف میں عمارتیں اور دل نشین بازار ہیں۔ کامراج، زینہ گیر اور کروہن وغیرہ علاقوں سے تجارت کی اشیاء یہاں جمع رہتی ہیں۔

یہاں کا پٹو مشہور ہے اور یہاں کے میوے معروف۔ پرانے زمانے سے یہ جگہ کامراج کی دارالحکومت ہے۔ حضرت میر محمد ہمدانی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ فیوض خداوند رحمٰن کی نزول گاہ ہے اور موجودہ وقت میں عالمگیری جامع مسجد بھنگ اور افیون کا کھیت بنی ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ یہاں کے باشندے ثروتمند ہونے کے باوجود کنجوس طبعی، پست ہمتی، خباثت اور پست فطرتی کے باعث اس کی تجدید و ترمیم کیلئے کوئی کوشش نہیں کرتے۔

تواریخ نویس لکھتے ہیں کہ راجہ ونتی ورما (۳۰) کے زمانہ حکومت میں ایک عظیم بھونچال کے حادثے کے واقع ہو جانے کے نتیجے میں کھادنیار پہاڑ سے، جو بارہ مولہ کے قریب ہے، پہاڑ کا ایک ٹکڑا لڑھک کر پانی کی راہ میں رکاوٹ بن گیا اور کشمیر کی اوسط سطح میں سیلاب آ گیا اور کھیتوں کی کمی ہو جانے سے غلے کی تنگی واقع ہوئی۔ غلے کی ایک خروار چھ روپے (۳۱) کی قیمت پر بھی نہیں ملتی تھی۔ لوگ غلے کی تنگی سے تنگ آ گئے اور مذکورہ راجہ غم و اندوہ میں ڈوب گیا۔

بیان کیا گیا ہے اس سے پہلے چنڈال قوم کی ایک عورت نے صبح سویرے راستے میں ایک سربستہ دیگ پڑی ہوئی پائی جس کے اندر بے حد حسین اور خوبصورت بچہ موجود تھا جو اپنی انگلیوں کو چوس رہا تھا۔ اس بچے کو وہ اپنے گھر لے گئی اور اسے دودھ (۳۲) دینے کیلئے ایک برہمن عورت رکھی اور اس بچے کا نام سو (۳۳) رکھا یعنی خود آیا ہوا۔ بچہ سن تمیز کو پہنچا اور عجیب وغریب علوم وفنون میں یکتائے روزگار اور ایک منفرد عاقل آدمی بن گیا۔ ایک روز اس کے مکتب میں چند آدمی غلے کی کمی، سیلاب کی غلبگی اور راجہ کی پریشانی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ عقلمند سو نے یہ باتیں سننے کے بعد کہا: ''اس عظیم مسئلے کی تدبیر کرنا اگرچہ مشکل معاملہ ہے لیکن زر اور نقد رقم سے اسے آسان بنایا جا سکتا ہے''۔ سننے والوں نے اس لڑکے کی بات پر کوئی اعتبار نہیں کیا۔ لیکن ان میں سے ایک آدمی نے راجہ کے دربار میں اس شیریں کلام لڑکے کی بات سنا دی۔ راجہ نے فوراً ہی اسے بلوایا اور معاملہ کے بارے میں استفسار کیا۔ راجہ نے جو بات سنی تھی اس کی زبان سے بھی وہی سن لیا۔ فرمایا: ''اس لڑکے کو لعل وزر کے خزانے دیئے جائیں۔'' عقلمند سو نے سونے اور اشرفیوں سے مٹی کے برتن بھر دیئے اور کشتی پر سوار ہو کر بارہمولہ کی طرف جلدی کے ساتھ روانہ ہوا اور مان سر کے پانی کے خارج ہونے کی جگہ پر اشرفیوں سے بھرا ہوا ایک برتن دریا میں ڈال دیا۔ ساتھیوں نے اس کی اس حرکت کو دیوانگی جان کر اشرفیوں کے اس طرح ضائع کر دئے جانے کی خبر بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دی۔ راجہ نے جواب لکھ کر بھیجا: ''وہ عقلمند آدمی ہے۔ جو چاہے کرے''۔

اس کے بعد بارہمولہ کے مقام پر اس جگہ پر گیا جہاں پانی بند تھا اور جو دیارہ گلہ کے نام سے مشہور ہے اور وہاں اشرفیوں سے پر تمام برتنوں کو پانی بند ہونے کی جگہ پر دریا میں پھینک دیا اور منادی کرادی کہ ''ان اشرفیوں اور سونے کو جو بھی کوئی دریا میں سے نکال لائے

گا وہ اسی کی ملکیت ہوگی''۔

شہر کے لوگ غلے کی تنگی کی وجہ سے تنگدست اور پریشان حال تھے ہی، انہوں نے اعلان کو سنتے ہی جوق در جوق اشرفیوں اور سونے کے لالچ میں پانی کی گہرائیوں سے پتھر اُٹھا اُٹھا کر اشرفی و درہم جو بھی ہاتھ آیا سمیٹ لئے اور تھوڑے ہی عرصے میں پانی کی سطح اُتر گئی اور جھیل کا پانی نیچے چلا گیا اور زمین کا چہرہ دکھائی دیا۔

اس زمانے میں دریائے بہت نے شاردا پور کے نالے میں سے اپنی گذرگاہ بنالی تھی۔ عقلمند سونے شاردا پور کے مقام پر بہت کے پانی کو دونوں طرف کے ساحلوں کے ذریعہ سے بند کرا کے جھیل اولر کی طرف جاری کیا اور جگہ جگہ اس کے اطراف میں سد بندی کرا کے وسیع زمینیں آمادہ کرائیں اور برہمنوں کو پیش کر دیں۔ اپنی یادگار کے طور پر دریائے بہت کے کنارے پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام سُو پور رکھا (۳۴)''۔

قصبہ بارہمولہ

سرینگر سے مغرب میں تیس میل کی دوری پر دریائے بہت کے کنارے پر عمارتوں اور بازاروں سے مزین ایک قدیم قصبہ ہے، راجہ بھیم سین کا آباد کیا ہوا۔ یہ ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کی ایک تجارتی بندرگاہ ہے۔

عطا محمد خان نے دریائے بہت کے پل کے ایک پائے کے اُوپر ایک حصار تعمیر کیا ہے۔ یہاں کے لوگ بیشتر بقال ہیں اور بعض جولاہے اور چھینٹ ساز اور کسان۔ عام طور پر لوگ صاحب مروت ہیں اور نیک سیرت۔ یہاں کے رئیس حضرات گھکھڑ قوم کے نیک

محضر لوگ ہیں۔ جنہیں آج ککرو کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

کامراج اور کروہن وغیرہ اور دچھنہ وکھاورہ کا تجارتی مال یہیں سے گذرتا ہے۔

قصبہ بنڈہ پورہ

اگلے زمانے میں دیہات کا مجموعہ تھا اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں گلگت کی سرحد کی طرف عبور رومرور اور شالی (۳۵) کے آسیاب (۳۶) کے کارخانوں کی وجہ سے چالیس پچاس دکانیں آباد ہو چکی ہیں۔

اُوپر ذکر ہوئے قصبہ جات کے علاوہ قصبہ لار، قصبہ بیروہ، قصبہ کریری اور قصبہ ترال اگلے وقتوں میں عمارتوں اور بازاروں کی کثرت کی وجہ سے خاصے مشہور و معروف تھے۔ لیکن اب خرابی کے سبب گاؤں شمار ہوتے ہیں۔

چغتائی بادشاہوں کے زمانے میں کشمیر کے پرگنے (۳۷)

پرگنہ شاہ آباد (۳۸)

کشمیر کی مشرقی اور جنوبی سرحد پر ایک حسین وادی ہے جس کے تین اطراف میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ ویری ناگ کے سرچشمے اور بے شمار چشموں کا پانی ساندرن اور وتھ وترو کے دریاؤں کی راہ سے اس کے درمیان سے گذرتا ہے۔ ویری ناگ اور ڈورو کے قصبے اس میں مشہور قصبے ہیں۔ اگلے وقتوں میں اسے ویرناگ پرگنہ کہتے (۳۹) تھے۔ شاہ جہان نے اسے شاہ آباد کا نام دیا اور چغتائی عہد میں اس کا مالیہ یہاں کے مَلِکوں کی جاگیر میں جاتا تھا۔ اس کے دیہات کی تعداد اکیس ہے (۴۰)۔

پرگنہ برنگ (۴۱)

شاہ آباد کے متصل دو لمبی وادیوں ایک لوہرنی اور دوسری نوبگ نے کے درمیان۔ برنگی ندی اور کوکرناگ سرچشمے کا پانی اس کے درمیان میں سے بہتا ہے۔ دیہات کی تعداد اُناسی۔

پرگنہ کوٹھار (۴۲)

برنگ پرگنہ کے کندھے سے کندھا ملائے ہوئے ایک وسیع وادی میں آباد ہے۔ آرہ پتی ندی اور سرچشمہ اچھہ بل کا پانی اس کے بیچ میں سے گذرتا ہے۔ دیہات کی تعداد (۴۳) اکتالیس۔

پرگنہ مارتنڈ (۴۴)

مٹن کریوہ کے شمال وجنوب میں دامن میں واقع ہے۔ گیارہ دیہات (۴۵)

پرگنہ کھاور پارہ (۴۶)

مشرقی پہاڑوں کے دامن میں ایک وسیع وادی ہے۔ لمبودری ندی کے پانی سے اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ جنوبی حصے کو کھاور پارہ اور شمالی حصے کو دچھن پارہ کہتے ہیں۔ ایک سو دو دیہات (۴۷)

پرگنہ دچھن پارہ (۴۸)

کھاور پارہ کے ساتھ۔ اس کے شمال میں بیج بہاڑہ کا قصبہ ہے۔ اسّی دیہات

(۴۹) اس میں شامل ہیں۔

پرگنہ اُولر (۵۰)

دچھن پارہ کے کندھے سے کندھا ملایا ہوا۔ پہاڑ کے دامن میں دریائے بہت تک۔۱۲۶/دیہات (۵۱)

پرگنہ وُھو (۵۲)

اُولر پرگنہ کے نزدیک پہاڑ کے دامن میں دریا کے کنارے تک۔ پانپور کا قصبہ، زعفران زار، مقامات اور ہندوؤں کے مندر اس میں واقع ہیں۔۳۹/دیہات (۵۳)

پرگنہ مارتنڈ (۵۴)

سرینگر شہر سے قریب جھیل ڈل کے مشرقی کناروں اور پہاڑوں کے دامن میں۔ وقت کے بادشاہوں کا پسندیدہ مقام۔اس ملک کے بہترین مقامات میں سے ہے۔ دل فریب باغات اور عجیب و غریب مکانات کی وجہ سے مشہور۔آب و ہوا میں دل کشا۔ چونسٹھ (۵۵) دیہات۔

پرگنہ لار (۵۶)

پھاک پرگنہ کے کندھے سے کندھا ملایا ہوا۔ کشمیر کے بہترین اطراف میں ایک طویل وادی میں پچاس میل کی مسافت پر واقع ہے۔ سندھ دریا اس کے بیچ میں سے بہتا ہے۔ ہر طرف دودھیالی نہریں بہتی ہیں۔ آب وہوا کے لحاظ سے اگلے بادشاہوں اور یورپی سیاحوں کا پسندیدہ مقام۔ دیہات کی تعداد ستاسی۔

پرگنہ کو یہامہ (۵۷)

جھیل اُولر کے مشرقی اور شمالی کناروں پر تین وادیوں میں واقع ہے۔ مدمتی ندی اور ارن دریا اس کے درمیان میں سے گذرتے ہیں۔ پچپن (۵۸) دیہات۔

پرگنہ زینہ گیر (۵۹)

کو یہامہ کے نزدیک شمال و مغرب میں ایک ہموار سطح پر واقع ہے اور اسکے مغرب کی طرف پہرو ندی بہتی ہے۔ اس کے جنوب میں جھیل اُولر ہے۔ پانی کی عدم موجودگی سے خراب حال۔ اٹھانوے (۶۰) دیہات۔

یہ تیرہ پرگنے مشرقی پہاڑوں کے دامن میں جنوب سے شمال تک واقع ہیں۔

پرگنہ دیوہ سر (۶۱)

جنوبی پہاڑوں کے دامن میں شاہ آباد کی سرحد سے شوپیان تک پہاڑوں کے درّوں اور تھوتھنیوں کے درمیان واقع ہے۔اس کے بیچ میں سے ویشو دریا گذرتا ہے۔ایک سو باسٹھ (۶۲) دیہات۔

پرگنہ باٹھو (۶۳)

ہیرہ پور پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔شوپیان کا قصبہ اس میں مشہور ہے۔رنبی آرہ کا نالہ اسکے درمیان میں سے گذرتا ہے۔اس کے دیہات تریسٹھ ہیں (۶۴)۔

پرگنہ سپر سمن (۶۵)

شوپیان کے ساتھ واقع ہے۔دیہات کی تعداد اکیس۔

پرگنہ شکروہ (۶۶)

سپرہ سمن کے نزدیک مغربی پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ستانوے دیہات۔

پرگنہ ناگام (۶۷)

ایک وسیع مقام سے کشادہ درّوں، ٹیلوں اور مضبوط و محکم پہاڑوں کے دامن کے درمیان۔ اس کی آبادی تین ٹیلوں کی ہے۔ ایک چھرلٹ ٹیلہ جونونگری اور خام پور ٹیلے کے درمیان واقع ہے۔ رامشی نالہ اسکے بیچ میں سے بہتا ہے۔ دوسرا ٹیلہ ہے ناگام ٹیلہ جو ایک وسیع درّہ ہے اور اس میں چرار کا قصبہ اور ٹیلوں کی آبادی شامل ہے۔ تیسرا ٹیلہ آری گام جو ایک لمبا درّہ ہے۔ دودھ گنگا نہر دونوں ٹیلوں میں سے گذرتی ہے۔ اسکے دیہات ہیں دو سو (۶۸)۔

پرگنہ بیروہ (۶۹)

ناگام کے برابر، پہاڑ کے دامن میں ایک وسیع وادی میں آباد۔ مکھامہ نہر اور سوکھ ناگ کا پانی اس کے درمیان میں سے بہتا ہے۔ ایک سو بیاسی (۷۰) دیہات۔

پرگنہ بانگل (۷۱)

ایک وسیع علاقہ ہے ٹیلوں پر، درّوں میں اور پستیوں میں توسہ میدان پہاڑ کے نیچے

Acc. No:- 76155

اور گل مرغ کے مرغزار میں دوسو تئیس (۷۲) دیہات۔

پرگنہ کروہن (۷۳)

بانگل کے نزدیک ایک خوبصورت لمبی وادی ہے گل مرغ پہاڑ سے جھیل اولر کے کنارے تک۔ ننگل نہر اس میں سے گذرتی ہے۔ اڑسٹھ (۷۴) دیہات۔

پرگنہ کامراج (۷۵)

ایک وسیع علاقہ ہے درّوں اور ٹیلوں میں۔ اس کے مشرق میں پہرو نالہ بہتا ہے۔ شمال اور جنوب میں کرناہ کے پہاڑ ہیں اور جنوب میں دریائے بہت۔ اس کی آبادی چھ ٹیلوں میں واقع ہے۔ اول حمل ٹیلہ پہاڑوں کے درّوں اور ہموار و ناہموار سطح پر۔ سوپور اور بارہمولہ کے قصبے اس کے حدود میں واقع ہیں۔ حمل اور وجی نہریں اس کے درمیان میں سے گذرتی ہیں۔ دوم مچھی پورہ ٹیلہ، حمل سے ذرا اُوپر، پہاڑوں کے درّوں میں۔ اس میں سے ماور نہر گذرتی ہے۔ تیسرا رام محال ٹیلہ مچھی پورہ سے ذرا اُوپر، پہاڑوں کے نشیب و فراز اور دامن میں واقع ہے۔ چوتھا ہے ہری ٹیلہ ناہموار سطح پر رام محال سے اُوپر۔ پانچواں اوتر ٹیلہ شمالی سرحد کے پہاڑوں کے نیچے۔ کھمل نہر دونوں درّوں کے بیچ میں سے گذرتی ہے۔ چھٹا ٹیلہ لولاب۔ شمالی کشمیر کی سرحد میں ایک وادی ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ راجہ لو نے آباد کیا تھا۔ کل چار سو نہتر (۷۶) دیہات۔

پرگنہ دچھنہ وکھاورہ (۷۷)

ایک تنگ وادی ہے بارہمولہ سے مظفر آباد تک ۱۱۵ میل کی مسافت پر۔ دریائے بہت اس میں سے گذرتا ہے اور اس کے شمالی کنارے پر پرگنہ دچھنہ اور جنوبی کنارے پر کھاورہ آباد ہیں۔ بعض مورخ ان کو کشمیر کے مضافات میں جانتے ہیں کیونکہ کشمیر کی ہموار سطح پر شامل نہیں ہیں لیکن اکثر اوقات ان کا مالیہ کشمیر کے خزانے میں جاتا تھا۔ یہ دونوں علاقے مغربی اور جنوبی پہاڑوں کے دامن میں واقع ہیں۔

پرگنہ اسلام آباد (۷۸)

مشرق میں جڑا ہوا ہے شاہ آباد کی ابتداء کے ساتھ اور برنگ اور دچھن پارہ کے ساتھ، اور جنوب میں دیوہ سر کے ساتھ اور اسلام آباد کا قصبہ اس میں شامل ہے۔ قدیم عہد میں انچ پرگنہ کہلاتا تھا اور چغتائی عہد میں پرگنہ اسلام آباد کہلایا۔ اور حال کے زمانے کے دفتروں میں اسے اننت نام سے لکھا جاتا ہے۔ ایک سو چھ (۷۹) دیہات۔

پرگنہ آڈون (۸۰)

دیوہ سر پرگنہ کے نیچے درّوں اور ٹیلوں کے درمیان واقع ہے۔ ٹیلوں اور وگن

آڈون کی آبادی۔ نچلے دیہات کو سن آڈون کہتے ہیں ۔اسکے دیہات دوسو (۸۱) آٹھ ہیں۔

پرگنہ زینہ پور (۸۲)

وادی کے درمیان کے متصل واقع ہے۔تیس دیہات (۸۳) ہیں اس کے۔

پرگنہ شاورہ (۸۴)

آڈون پرگنہ کے نیچے۔اسکے مغرب میں شکروہ واقع ہے۔رنبی آرہ نالہ اسکے بیچ سے بہتا۔انہتر دیہات (۸۵) ہیں اس کے۔

پرگنہ سایرالمواضع (۸۶)

دریائے بہت کے مغربی کنارے پر شیر گڈھ سے بارہ مولہ تک مسطح اور ہموار وسعتوں میں واقع ہے۔ چغتائی عہد میں پرگنہ حویلی کہلاتا تھا۔پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے وافر شالی پیدانہیں ہوتی ہے۔اس کے دیہات اٹھاسی ہیں۔

پرگنہ اَچھ (۸۷)

شہر کے متصل جنوب میں داموودر ٹیلے کے اردگرد اندرون کی ہموار سطح پر واقع ہے۔ دودھ گنگا ندی اس کے درمیان سے گذرتی ہے۔ ایک سو چار دیہات (۸۸)۔

پرگنہ دین سُو (۸۹)

شہر کے قریب مغرب میں پستیوں اور ٹیلوں کے اُوپر واقع ہے۔ بہت زیادہ نمودار نہیں ہے۔ ۸۹/ دیہات (۹۰)۔

پرگنہ مانچھامون (۹۱)

دین سو پرگنہ کے دیہات کے ساتھ ملا ہوا ایک ناہموار سطح پر واقع ہے۔ ہوکرسر اور وکورہ جھیلیں اس میں آتی ہیں۔ کوئی زیادہ حسن وخوبصورتی کا حامل نہیں۔ ایک سو انیس دیہات (۹۲)۔

پرگنہ سایر المواضع پائین

سرینگر شہر کے مغرب میں دریائے بہت کے کناروں پر جھیل اولر کے ساحل تک

واقع ہے۔اس کے اطراف میں اکثر سیلاب کی وجہ سے طغیانی آتی ہے۔اکیس دیہات۔

پرگنہ تیگہ گام (۹۳)

کرری ٹیلے اور بانگل ٹیلے کے درمیان میں ایک چھوٹی سی وادی میں واقع ہے۔ ۴۶/دیہات (۹۴)۔

پرگنہ پٹن (۹۵)

سایرالمواضع پائین کے بغل میں اور بانگل پرگنہ کے دامن میں ہموار سطح پر ایک گاؤں (۹۶)۔

پرگنہ کھوری

کروہن پرگنہ کے نیچے سایرالمواضع پائین کے نزدیک آباد ہے۔ چودہ دیہات (۹۷)۔

پرگنہ میر بحری

سرینگر سے مشرق میں جھیل ڈل اور اس کے کنارے پر آباد ہے۔

پرگنہ اچھن (۹۸)

شہر کے متصل مغرب میں عیدگاہ کے اردگرد واقع ہے۔

پرگنہ آروی (۹۹)

سرینگر سے شمال میں پھاک کے متصل واقع ہے۔

پرگنہ بلدہ (۱۰۰)

سرینگر کے قریب مغرب میں دریائے بہت کے کنارے پر واقع ہے۔ ۱۵ر دیہات۔

یہ پندرہ پرگنے کشمیر کی اندرونی سطح پر اعلیٰ قسم کی زمین پر واقع ہیں۔ دوسرے پرگنوں کے مقابلے میں پیداواران کی زیادہ ہے۔

یادداشتیں

(۱) جلال الدین اکبر کے عہد میں ابوالفضل نے مقبوضہ ممالک کی تقسیم پندرہ صوبہ میں کی ہے: الہ آباد، آگرہ، اودھ، اجمیر، احمد آباد، بہار، بنگال، دہلی، کابل، لاہور، ملتان، مالوہ، برار، خاندیش، احمد نگر (آئین اکبری جلد۲ ر ترجمہ جیرٹ ص ۱۱۵)۔

(۲) اصل نسخے میں ایسا ہی ہے۔

(۳) آئین اکبری جلد۲ ر مترجمہ جیرٹ صاحب ص ۳۹۸ ر دربیان سرکار کشمیر۔

(۴) واقعات کشمیر، ص ۲۷۳۔

(۵) آصف خان میرزا قوام الدین جعفر بیگ فرزند تھا میرزا بدیع الزمان ولد آقای ملای دوات دار قزوینی کا۔ بائیسویں اکبری سال (۹۸۵ھ) میں جوانی کے آغاز میں عراق سے ہندوستان آکر اپنے چچا مرزا غیاث الدین علی آصف خان کی ہمراہی میں پادشاہی ملازمت پائی۔ عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) نے داخلی دوسو سواروں کا منصب آصف خان کو عطا کیا۔ اس نے اس منصب کو چھوٹا جان کر دربار میں آنا جانا چھوڑ دیا۔ اس کی یہ بے نیازی بادشاہ کی طبیعت پر گران گذری اور تباہ حالی کے ساتھ اس کا بنگال میں تعین کر دیا۔ بیالیسویں سال میں (۱۰۰۵ھ) جب کشمیر کی مملکت مختلف جاگیرداروں کی وجہ سے ویران ہوگئی تو آصف خان کو یہاں کی حکومت کرنے کیلئے مخصوص کر دیا گیا اور وہ ۱۰۱۳ھ تک یہاں رہا۔ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) میں دکن میں اس کی فطری موت واقع ہوئی۔ صد حیط ز آصف خان سے تاریخ نکلتی ہے۔ (مآثر الامراء جلد ۱ ر مولفہ میر عبدالرزاق المعروف نواب صمصام الدولہ شاہنواز خان شہید خوافی اورنگ آبادی۔ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۱۸۸۸ء ص ۱۰۷ ر سے ۱۱۱ تک)۔

(۶) آئین اکبری جلد۲ ر مترجمہ جیرٹ صاحب ص ۳۶۷۔

(۷) ایضاً۔

(۸) موسیو ڈریو کے نزدیک سرینگر کا نام اس شہر کا قدیم موجود نام ہے۔ اسلامی سلاطین کے عہد میں سرینگر جو اس شہر کا ہندو نام ہے سینکڑوں سال تک متروک رہا اور کشمیر کے نام سے معروف تھا یہاں تک کہ سکھوں کے غلبہ پانے کے زمانے میں یہ شہر پھر سے سرینگر کہلایا جانے لگا۔ مذکورہ موسیو اپنے بیان کی تائید میں کہتا ہے کہ موسیو برنیر اور موسیو فارسٹر نے، جو اورنگ زیب کے زمانے میں کشمیر کے سیاح تھے، کشمیر کا لفظ استعمال کیا ہے نہ کہ سرینگر کا لفظ۔ لیکن اس

خیال کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ ابوالفضل نے آئین اکبری کی دوسری جلد میں اسی شہر کو سرینگر کا عنوان دے کر بیان کیا ہے۔موجودہ زمانے میں بھی سرینگر غلط العام میں کشمیر کے نام سے زبان زدعوام ہے۔

(۹) اصل نسخے میں ایسے ہی ہے۔

(۱۰) ایضاً۔

(۱۱) بقول آنند کول ۱۴۲۰ء اور ۱۴۷۰ء کے درمیان کھودی گئی تھی۔

(۱۲) عالی مسجد سلطان زین العابدین پادشاہ کشمیر کے بھائی علی شاہ کی بنائی ہوئی ہے۔سال ۱۳۹۷ء میں یہ مسجد تعمیر ہوئی اور آج تک زمانے کے صفحات پر بطور یادگار باقی ہے۔سال ۱۸۰۰ء میں آگ سے جل گئی لیکن گل محمد خان کی حسن سعی سے، جوان دنوں میں ایک عظیم عہدے پر فائز تھا، پھر سے تعمیر ہوئی (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۱۲۶)۔

(۱۳) راجہ پرورسین دوم (۷۹ء سے ۱۳۹ء)۔ایک روایت کی رو سے جو راج ترنگنی میں درج ہے سرینگر کی بنیاد مہاراجہ اشوک (۲۶۶۔۲۶۳ ق م) کے ہاتھوں رکھی گئی۔ چنانچہ ''اس ذی شان بادشاہ نے سرینگر کا شہر بنایا جس کی ۹۶ لاکھ مکانوں کی تعمیر اور فراوان ثروت کی وجہ سے بڑی اہمیت تھی۔'' (راج ترنگنی کتاب اول مصرعہ ۱۰۴ مترجمہ سٹاین ص ۱۹)۔

(۱۴) راج ترنگنی کتاب سوم مصرعہ ۳۳۶ ص ۹۹ مترجمہ سٹاین۔

(۱۵) برہت کتھا تصنیف تھی گناڈیہ کی جو اودیانہ کے بیٹے کی اپنی بیوی مدن منجوکا کے ساتھ محبت کی داستان پر مشتمل ہے جسے عین شادی کی محفل میں مان سویگا کے ذریعے سے اس کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا۔اس کے وزیر کمو کھانے اس معاملے میں اس کی بے انتہا مدد کی اور اسے پھر سے اپنے مقصد تک پہنچادیا۔پروفیسر کینتھ کے بیان کے مطابق مذکورہ برہت کتھا سال ۵۰۰ء کی تصنیف ہے۔افسوس ہے کہ گناڈیہ کی برہت کتھا زمانے کی طول کی نذر ہوگئی اور یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو پایا کہ اس کا مضمون کیا تھا۔تاریخی لحاظ سے اس کتاب کے حوالے ساتویں صدی کی تصنیفات میں ملتے ہیں مثلاً سنبدھو بان وڈانڈین۔پروفیسر کینتھ کے بقول برہت کتھا پشاچی زبان میں لکھی گئی تھی۔ پروفیسر گریرسن کی تحقیق ہے کہ پشاچی زبان میں سوات، چترال اور گلگت کے نواحی علاقوں میں گفتگو ہوتی تھی کیونکہ سنسکرت زبان میں پشاچی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کچا گوشت کھانے والا ہو اور تحقیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ ان مذکورہ علاقوں کے لوگ قرون وسطیٰ میں آدم خور تھے۔ابھی تک چار برہت کتھا کی نشاندہی کی گئی ہے۔جن میں سے تین کی تصنیف گناڈیہ کی نقل کرنے سے ہوئی ہے۔ایک کا مصنف ہے بدھ سوامن، دوسرے کا کھیمندر کشمیری اور تیسرے کا سوم دیو کشمیری اور باقی تینوں ۱۰۰۰ء میں لکھی گئی ہیں (خلاصہ از اے ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر مصنفہ پروفیسر کینتھ ص ۲۶۶۔۲۸۱)۔

(۱۶) راج ترنگنی میں اس دیو کی تقریر یوں درج ہے: ''اور شہر کو ایسی جگہ پر بنایا جانا چاہئے جہاں تم کل میری نشان دہی پاؤ گے'' (راج ترنگنی کتاب ۳ ر مصرعہ ۳۴۸)۔

(۱۷) راج ترنگنی میں یہ نام یکش درج ہوا ہے۔

(۱۸) اس عابد کا نام کلہن پنڈت نے جے سوامی لکھا ہے۔ قیاس ہے کہ چبہ سوامی بگڑی ہوئی شکل ہوگی جے سوامی کی (راج ترنگنی کتاب ۳ ر مصرعہ ۳۵۰ ر ص ۱۰۲)۔

(۱۹) کلہن نے اس معمار کا نام جے لکھا ہے۔

(۲۰) ان پانچ بتخانوں کی تعمیر کے اسباب کے بارے میں کلہن پنڈت کہتا ہے کہ ''چونکہ راجہ پرورسین پانچ قوموں پر حکمرانی کرتا تھا، اس لئے اس نے پانچ دیوں کے نام پانچ بتخانے بنوائے۔ کلہن نے ان پانچ ناموں میں سے صرف ایک کا نام لیا ہے۔ یعنی سد بھاوشری (راج ترنگنی کتاب ۳ ر مصرعہ ۳۵۳)۔

(۲۱) راج ترنگنی کتاب ۳ ر مصرعہ ۳۵۷ ر مترجمہ سٹاین۔

(۲۲) اور راج ترنگنی میں کلہن کا بیان ہے: ''وہ شہر جس کی سرحدوں پر وردھن سوامی اور شوکرمن کے مندر تھے ایک زمانے میں اس کے چھتیس لاکھ گھروں کی وجہ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا'' (مصرعہ ۳۵۷ ر کتاب ۳)۔

(۲۳) اننت ناگ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں پنڈت آنند کول بامزئی کہتا ہے'' کیونکہ یہ جگہ اننت ناگ چشمے کی منبع ہے، اس وجہ سے اسے اننت ناگ کہتے ہیں (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۱۱)۔

(۲۴) اسلام خان میر ضیاء الدین بدخشی حضرت محی الدین اورنگ زیب پادشاہ غازیؒ کا قدیم خادم تھا۔ جسونت کے ساتھ جنگ کرنے کے بعد اسلام خان کے خطاب سے مشہور ہوگیا۔ داراشکوہ کے خلاف جنگ میں بھی ہمت مردانہ کا مظاہرہ کر کے داراشکوہ کی شکست کا سبب بنا۔ جلوس کے چوتھے سال میں (۱۰۷۲ھ = ۱۶۶۱ء) ابراہیم خان کے تبدیل ہو جانے سے کشمیر کا صوبہ دار بنا دیا گیا۔ سال ۱۰۷۴ھ (۱۶۶۳ء) میں وفات پائی۔ غنی کشمیریؒ نے اس کی تاریخ وفات کہی ہے: مُرد اسلام خان والا جاہ (۱۰۷۴ھ)۔ (آثر الامراء جلد ا ر ص ۲۱۹)۔

(۲۵) سال ۱۰۷۲ھ میں (۱۶۶۱ء)۔

(۲۶) راج ترنگنی کتاب ۴ ر مصرعہ ۶۲ میں اس راجہ کا نام وجے (۱۱۴۔۱۰۶ ق م) آیا ہے۔

(۲۷) پدما پور (راج ترنگنی کتاب ۴ ر مصرعہ ۶۹۵ ر مترجمہ سٹائن)۔

(۲۸) ۸۸۳ء ...... ۹۰۲ء (راج ترنگنی کتاب ۵)۔

(۲۹) راج ترنگنی کتاب ۵ ر مصرعے ۵۶ اور ۲۱۳۔

(۳۰) راج ترنگنی کے بقول اونتی ورمن (۸۸۳ء-۸۵۵/۶ء)۔

(۳۱) اس ضمن میں کلھن کی روایت یہ ہے کہ: ''قحط سالی کے وقت میں چاول کی ایک کھار (خروار) ایک سو پچاس اشرفیوں کی قیمت میں بکتی تھی۔'' (کتاب ۵/مصرعہ ۷۱)۔

(۳۲) لیکن راج ترنگنی کا بیان ہے کہ: ''ایک چنڈال عورت جس کا نام سویہ تھا جب جھاڑو دے رہی تھی تو اس نے مٹی کا ایک سربستہ برتن پایا اور اس کے اندر'' جیسے کہ حسن نے کہا ہے'' ''اُس نے ایک حسین اور خوب رو بچے کو دیکھا ...... اور اس بچے کو آلودہ نہ کرتے ہوئے تربیت کرنے کیلئے ایک شودر عورت کے سپرد کر دیا۔'' چنڈال سے مراد ہے ہندوؤں کی ایک رذیل اور کمینہ قوم جو مردار کھانے والی ہے۔ معاشی بٹوارے میں شودر ہندوؤں میں پست ترین قوم ہے۔

(۳۳) سویہ (راج ترنگنی کتاب ۵ ص ۱۹۷) صحیح یہ ہے کہ سویہ ایک عورت کا نام ہے جس نے اس بچے کی پرورش کی ۔لیکن بعد میں اسی عورت کے نام سے لوگوں نے بچے کو پکارا۔

(۳۴) سوپور دراصل سویہ پور تھا جو لوگوں کے استعمال کرنے سے سوپور میں بدل گیا (راج ترنگنی کتاب ۵/ص ۱۹۷/مترجمہ سٹاین)۔

(۳۵) شالی سنسکرت لفظ ہے اور اس چیز کو کہتے ہیں جس کی نشوونما اور بالیدگی پانی سے ہوتی ہو۔ اور یہاں مراد ہے چاول پوست اُتارے بغیر یعنی دھان۔

(۳۶) متن میں جندرہ (ض پر زبری پر اور د پر سکون ر پر زبر اور ہ پر سکون) کشمیری اور پنجابی زبانوں میں سنسکرت لفظ پنترہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی ہیں آلہ اور اوزار اور یہاں پر مراد ہے پن چکی جس میں شالی سے پوست الگ کر دیا جاتا ہے۔

(۳۷) پرگنہ کشمیر کی سیاسی تقسیم ہے جو اگلوں نے سابقہ زمانے میں ملکی انتظامات کی سہولت کے لئے کی تھی۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں جیسے کہ ابوالفضل لکھا ہے پرگنوں کی تعداد اڑتیس تھی۔ بقول سٹاین ابوالفضل پہلا شخص ہے جس نے ترتیب کے ساتھ پرگنوں کے نام درج کئے ہیں۔ پرگنوں کی تعداد ہر عہد میں مختلف تھی۔ کشمیر پر افغانوں اور سکھوں کے قبضے کے دوران یہ تعداد ۳۶/پر گنے تھی اور آنجہانی مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانے میں ۴۳/ پرگنوں تک پہنچی۔ بعد میں یہ تقسم انگریزوں کی ہندوستان میں پیروی کرتے ہوئے تحصیلوں میں بدل گئی اور کل گیارہ تحصیل مقرر کئے گئے (نقشہ ویلی آف کشمیر تصنیف لارنس صاحب)۔

(۳۸) موسیو سٹاین کے بقول پرگنے کا قدیم نام وشے بھا۔

(۳۹) مور کرافٹ، هیوبل اور وائن کی فہرستوں میں اس پرگنے کا نام ویر آیا ہے (این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۰)۔

(۴۰) واقعات کشمیر ص ۲۷۳۔

(۴۱) خواجہ محمد اعظم نے پرگنہ جات کی فہرست میں اس پرگنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے وقت میں برنگ کے پرگنہ منسوخ ہو چکا تھا۔ راج ترنگنی میں اس کا نام بھرنگا آیا ہے (این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۰)۔

(۴۲) راج ترنگنی کے بموجب اس کا نام کپ لس وار تھا (ایضاً)۔

(۴۳) واقعات کشمیر ص ۲۷۳۔

(۴۴) مارتنڈا۔ جون راج، اب مٹن (حوالہ این شنٹ جیوگرافی ص ۲۱۹)۔

(۴۵) واقعات کشمیر ص ۲۷۳۔

(۴۶) جون راج کے بقول وام پرسوا (حوالہ این شنٹ جیوگرافی ص ۲۲۰)۔

(۴۷) اور واقعات کشمیر کے بقول دونوں ۵۶/گاؤں۔

(۴۸) بقول شری ور، دکشن پارا۔

(۴۹) واقعات کشمیر ص ۱۷۳۔

(۵۰) ہولر۔ راج ترنگنی۔

(۵۱) بقول واقعات کشمیر ۱۲۱/گاؤں۔

(۵۲) کھرودی۔ راج ترنگنی۔

(۵۳) بقول خواجہ محمد اعظم تیس گاؤں۔

(۵۴) پھاکوا۔ شری ور۔

(۵۵) واقعات کشمیر ص ۱۷۳۔

(۵۶) لاہرا۔ راج ترنگنی کوالہ این شنٹ جیوگرافی ص ۲۲۱۔ خواجہ محمد اعظم نے اس پرگنے کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن ٹریولز نامی اپنی کتاب میں مور کرافٹ نے (ص ۱۱۳/جلد دوم) اور ہوجل نے کاچمیر میں (جلد ۲/ص ۲۰۶) اور گزیٹر میں (ص ۲) بیٹس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۵۷) کھوئی آشرم۔ راج ترنگنی بحوالہ این شنٹ جیوگرافی ص ۲۲۱۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں (جلد ۲/ص ۳۶۸ تا ۳۷۱) مور کرافٹ نے ٹریولز میں (جلد ۲/ص ۱۱۳) هیوجل نے کاچمیر میں (جلد ۲/ص ۲۰۶) وائن نے ٹریولز

میں (ص ۲۷۲) اور بیٹس نے گزیٹیر میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(۵۸) تاریخ اعظمی ص ۲۸۳۔

(۵۹) جینہ گیر۔ جون راج (بحوالہ اینشنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۱) اس پر گنے کا نام آئین اکبری (جلد ۲ رصفحات بالا) واقعات کشمیر (ص ۲۷۳) مور کرافٹ، ھیوجل اور بیٹس کی فہرستوں میں آیا ہے۔

(۶۰) بقول خواجہ محمد اعظم پچپن گاؤں۔

(۶۱) دیوہ سزسا (راج ترنگنی بحوالہ کتاب مذکور) اس کا ذکر ابوالفضل، خواجہ محمد اعظم، مور کرافٹ، وائین، ھیو جل اور بیٹس کی فہرستوں میں مذکورہ صفحات میں آیا ہے۔

(۶۲) واقعات کشمیر ص ۲۷۳۔

(۶۳) آئین اکبری (جلد ۲ رص ۳۶۸ تا ۳۷۱) واقعات کشمیر (ص ۲۷۳) ٹریولز (جلد ۲ ص ۱۱۳) مصنفہ مور کرافٹ، کاچمیر (جلد ۲ رص ۲۰۶) ٹریولز (ص ۲۷۲) اور گزیٹیر (ص ۲)۔

(۶۴) واقعات کشمیر ص ۲۷۳۔

(۶۵) ابوالفضل، مور کرافٹ، فان ھیوجل، وائٹ اور بیٹس۔

(۶۶) ابوالفضل، مور کرافٹ، فان ھیوجل، وائٹ اور بیٹس۔

(۶۷) ناگرام۔ جون راج۔ اس پر گنے کا ذکر ابوالفضل، واقعات کشمیر، مور کرافٹ، فان ھیوجل، وائین اور بیٹس کی فہرستوں میں موجود ہے (بحوالہ اینشنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۰)۔

(۶۸) بقول خواجہ اعظم دیدہ مری دوسودو گاؤں۔

(۶۹) بہروپا۔ جون راج۔ ان مصنفین نے اپنی فہرستوں میں اس پر گنے کا ذکر کیا ہے۔ ابوالفضل، خواجہ محمد اعظم، مور کرافٹ، ھیوجل اور بیٹس (اینشنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۱)۔

(۷۰) واقعات کشمیر ص ۲۷۳۔

(۷۱) بھانگیلا (راج ترنگنی) علاوہ اس کے اس کا ذکر ابوالفضل، خواجہ محمد اعظم، مور کرافٹ، ھیوجل، واین اور بیٹس کی فہرستوں میں بھی آیا ہے (اینشنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۱)۔

(۷۲) واجہ محمد اعظم کے بقول ۲۳ رگاؤں۔

(۷۳) کرودھنا (لوکا پرکاش مصنفہ کھیمندر کشمیری) نیز دیکھئے ابوالفضل، خواجہ محمد اعظم دیدہ میری، مور کرافٹ، ھیوجل اور بیٹس کی فہرستیں۔

(۷۴) واقعات کشمیر ص ۲۷۳۔

(۷۵) اس پرگنے کا نام صرف واقعات کشمیر میں مذکور ہے۔

(۷۶) ایضاً ص ۲۷۳۔

(۷۷) قدیم زمانوں میں بالترتیب دکشن پارا اور وام پارشود کے نام سے مشہور تھے (شری ور اور جوان راج ......این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۱۹)۔ابوالفضل،خواجہ محمد اعظم، پنڈت بیربل کاچرو (تاریخ کشمیر ص ۹) مور کرافٹ، ھیوجل، وائن اور بیٹس کی فہرستوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔خواجہ محمد اعظم اور بیربل کاچرو نے ان کے متعلقات میں ایک سو دو گاؤں لکھے ہیں (واقعات کشمیر ص ۲۷۳ اور تاریخ کشمیر ص ۹)۔

(۷۸) ابوالفضل نے اس پرگنے کا نام اے اچھ (اننت ناگ کی بگڑی ہوئی صورت) لکھا ہے (آئین اکبری جلد ۲ ص ۳۶۹ مترجمہ جیرٹ) واقعات کشمیر (ص ۲۷۳) اور پنڈت بیربل کاچرو نے تاریخ کشمیر (قلمی نسخہ ص ۹) میں حسن کے لکھنے کے مطابق اس کا نام اسلام آباد لکھا ہے لیکن مور کرافٹ اور ھیوجل نے اننت ناگ لکھا ہے۔اور یہ پرگنہ آج کے دنوں میں بھی ان دونوں ناموں سے موسوم ہے۔

(۷۹) واقعات کشمیر ص ۲۷۳/اور تاریخ کشمیر قلمی نسخہ، ص ۹۔

(۸۰) کرالا (راج ترنگنی بحوالہ این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۱۹) نیز یہ نام ابوالفضل، خواجہ محمد اعظم، بیربل کاچرو، مور کرافٹ، ھیوجل، وائن اور بیٹس کی فہرستوں میں بھی درج ہے۔

(۸۱) اور بقول بیربل کاچرو (تاریخ کشمیر ص ۹) دو سو نو گاؤں۔

(۸۲) جینہ پور (جون راج)......(این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۰) نیز ابوالفضل، بیربل کاچرو، مور کراٹ، ھیوجل، وائن اور بیٹس کی فہرستوں میں بھی اس کا نام آیا ہے۔

(۸۳) تاریخ کشمیر (بیربل کاچرو ص ۹)۔

(۸۴) ابوالفضل نے اس پرگنے کا نام شاہدرہ لکھا ہے لیکن ملک حیدر چاڈورہ نے (تاریخ کشمیر ص ۱۰۷) نیز خواجہ محمد اعظم اور بیربل کاچرو نے شاورہ لکھا ہے۔معلوم نہیں ہو سکا ان دو میں سے کون سا نام صحیح ہے۔

(۸۵) اس پرگنہ کے متعلقات میں بہت اختلاف ہے۔خواجہ محمد اعظم نے اس پرگنے کے توابع کی تعداد باون گاؤں اور بیربل کاچرو نے انسٹھ لکھے ہیں۔

(۸۶) سایر المواضع پرگنے کی تقسیم دو بالا و پائین حصوں میں بقول ابوالفضل (آئین اکبری جلد ۲ ص ۳۷۱ مترجمہ جیرٹ) اکبر بادشاہ کے عہد میں کشمیر کے صوبہ دار قاضی علی کے وقت میں واقع ہوئی۔

(۸۷) اک شیکا......شری ور (این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۰) نیز آئین اکبری (جلد ۲ ص ۳۶۸) تاریخ کشمیر ملک حیدر (ص ۱۰۷) واقعات کشمیر خواجہ محمد اعظم (مطبوعہ ص ۲۷۳) اور تاریخ بیر بل کاچرو (ص ۹) کی فہرستوں میں بھی آیا ہے۔

(۸۸) واقعات کشمیر (ص ۲۷۳) اور تاریخ کشمیر قلمی نسخہ مصنفہ پنڈت بیر بل کاچرو ص ۹۔

(۸۹) ابوالفضل (آئین اکبری جلد ۲/ مذکورہ بالا صفحات) تاریخ کشمیر قلمی نسخہ مصنفہ ملک حیدر چاڈورہ (ص ۱۰۶) واقعات کشمیر (ص ۲۷۳) اور تاریخ بیر بل کاچرو (ص ۹) میں درج فہرستوں میں بھی اس کا نام آیا ہے۔

(۹۰) بقول خواجہ اعظم اور بیر بل کاچرو ایک سو آٹھ گاؤں۔

(۹۱) ماکش آشرم......شری ور (این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۰۔ نیز ملک حیدر چاڈورہ کی تاریخ (ص ۱۰۵) تاریخ اعظمی (ص ۲۷۳) اور تاریخ بیر بل کاچرو (ص ۹) میں درج ہے۔

(۹۲) بقول خواجہ اعظم اور بیر بل کاچرو ۸۹/ گاؤں۔

(۹۳) آئین اکبری (جلد ۲/ ص ۳۶۸) تاریخ کشمیر ملک حیدر چاڈورہ (ص ۱۰۶) تاریخ کشمیر خواجہ محمد اعظم (ص ۲۷۳) اور تاریخ بیر بل کاچرو (ص ۹)۔

(۹۴) واقعات کشمیر (ص ۲۷۳) اور تاریخ بیر بل کاچرو (ص ۹)۔

(۹۵) پٹانا (راج ترنگنی بحوالہ این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۱) نیز آئین اکبری جلد ۲ (ص ۳۶۸) واقعات کشمیر (ص ۲۷۳) اور تاریخ کشمیر بیر بل کاچرو (ص ۹) کی فہرستوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔

(۹۶) تاریخ بیر بل کاچرو قلمی نسخہ (ص ۹)۔

(۹۷) تاریخ بیر بل کاچرو اور واقعات کشمیر (صفحات مذکورہ بالا)۔

(۹۸) اِت شن (مور کرافٹ، ھیوجل، اور بیٹس بحوالہ این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر صفحہ مذکورہ بالا)۔

(۹۹) بیٹس کا گزیٹیر (ص ۲)۔

(۱۰۰) یہ تینوں آخری پرگنہ جات سکھوں کے عہد میں تشکیل پائے۔ ان کا محل وقوع سرینگر کے انتہائی اتصال میں جنوب مغرب اور شمال مغرب تھا (این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۱۹)۔

چغتائی بادشاہوں کے زمانے میں ملک کشمیر کی آمدنی

کشمیر ایک بے انتہا سیراب و شاداب ملک ہے جس کی اندرونی سطح ساری کی ساری قابل زراعت ہے۔ خشکی زمین اس میں کم اور آبی زیادہ ہے۔ سو (۱) کمانوں زمین میں سے ایک کمانوں بھی غیر زرعی نہیں ہوگی۔ اگرچہ وسعت میں ایک تنگ وادی ہے جس کا کل رقبہ مساحت کے لحاظ سے پانچ ہزار ایک سو دو (۲) (سے تھوڑا سا اُوپر) مربع میل لکھتے ہیں لیکن ایسی زرخیز جگہ دوسری اقالیم میں مطلق ہی کہیں نہیں ہوگی۔

یہاں کے لوگ سب کے سب باجگذار، فرمان بردار، بے جرأت اور کمزور لوگ ہیں۔ نہ فساد جانتے ہیں نہ سرکشی۔ ان میں نہ غیرت ہے نہ ہی اتفاق۔ اگلے راجاؤں کے دور میں بہت آباد تھے۔ اس زمانے میں یہاں کی آمدنی ایک کروڑ روپے سے زیادہ لکھی گئی ہے۔ سلطان زین العابدین کے عہد میں ایک کروڑ تیرہ لاکھ خزانے میں داخل ہوتے تھے۔ چغتائی بادشاہوں کے زمانے میں چالیس لاکھ خروار مع جاگیرات اور مقامی سپاہیوں کی تنخواہ کے، عام اور معمول کی آمدنی تھی جس میں سے تیس لاکھ اناسی ہزار اور تینتالیس خروار اور گیارہ ترک کل خراج زمین جو خالصہ میں جمع ہوتا تھا خزانہ عامرہ (۳) میں داخل کیا جاتا تھا۔ اس میں اخراجات وخرچہ، صوبہ داروں کی، سرکاری کارکنوں کی، شاہی لشکر کی تنخواہ اور تعمیروں پر خرچہ اور اعیان وارکان اور امراء کے خاص مصارف اور شہزادوں وغیرہ کے وظائف کو حساب سے خارج کرنے کے بعد کل ساٹھ ہزار روپے خزانے میں سرمایہ کی رقم کے طور پر باقی رہتی تھی۔ اس سے پشمینہ، زعفران، لکڑی کے ڈبے، عصا کی چھڑیاں، بیریاں

،خمیر بنفشہ، کاہ زبان، شیشے کے گلاس اور پست قد گھوڑے (۴) وغیرہ کشمیر کے نفائس خرید کر بھیجتے تھے۔

آصف جاہ خان کے بندوبست کے بموجب
چغتائی بادشاہوں کے عہد میں ملک کشمیر کی آمدنی کا نقشہ

نمبر شمار	جگہ کا نام	آمدنی کل مالیہ بحساب خروار	اس میں نقدی عمل میں
۱	بلدۂ سرینگر	۳۴۲۰۰۰/خروار	۱۶۹۸/خروار (۵)
۲	انچ (یعنی انت ناگ)	۱۴۰۲۰۲/خروار	۲۶۳۴/خروار (۶)
۳	برنگ	۸۳۳۴۷/خروار	۸۰۶۹/خروار (۷)
۴	اولر	۲۰۶۳۲/خروار	۱۶۱۹۶۸/خروار (۸)
۵	لار (۹)	۱۲۸۶۵۰/خروار	۲۲۶۵۰/خروار
۶	پھاک	۱۱۵۵۷/خروار	۶۵۰/خروار (۱۰)
۷	دچھن پارہ	۵۱۵۳۷/خروار	۶۹۰۳/خروار (۱۱)
۸	کھاہور پارہ	۴۵۳۶/خروار	۳۵۷۰/خروار (۱۲)
۹	کوٹھار	......	......(۱۳)
۱۰	مرووا ڑون	۵۰۴۱/خروار	۵۰۴۱/خروار (۱۴)

۱۱	مارتنڈ	۹۰۰۴۳/خروار	۱۸۰۲/خروار (۱۵)
۱۲	آڈون	۱۱۴۳۲/خروار	۱۴۸۱۵/خروار (۱۶)
۱۳	اِچھ	۹۳۶۶۹/خروار	۱۴۳۷۷/خروار (۱۷)
۱۴	بانہال	۶۰۴۰۳۵/خروار	۶۴۳۵/خروار (۱۸)
۱۵	باٹھو	۳۵۰۵۲۱/خروار	۴۲۰۹/خروار (۱۹)
۱۶	دیوہ سر	۸۵۶۴۴/خروار	۸۲۲۹/خروار (۲۰)
۱۷	زینہ پور	۱۵۸۰۵/خروار	۱۰۷۹۰/خروار (۲۱)
۱۸	وہو	۲۲۷۰/خروار	۳۳۰/خروار (۲۲)
۱۹	سپرہ سمن	۶۱۳۳/خروار	۲۰۰۳/خروار (۲۳)
۲۰	شاورہ	۳۹۶۷/خروار	۸۰۵۵۰/خروار (۲۴)
۲۱	شکروہ	۵۰۲۰۴/خروار	۱۲۰۵۸/خروار (۲۵)
۲۲	ناگام	۱۸۹۷۷/خروار	۲۲۵۸۷/خروار (۲۶)
۲۳	زینہ گیر	۱۳۲۵۰/خروار	۳۲۵۵/خروار (۲۷)
۲۴	کویہامہ	۸۰۶۶۷/خروار	۱۵۵۲۲/خروار (۲۸)
۲۵	سایر مواضع پائین	۹۵۵۳/خروار	۲۳۰۷/خروار (۲۹)
۲۶	پرسیور	۱۸۸۵۰/خروار	۳۳۵۰/خروار (۳۰)
۲۷	پٹن	۳۷۹۹/خروار	۵۲۳/خروار (۳۱)
۲۸	بانگل	۱۱۵۲۳۰/خروار	۱۳۸۳/خروار (۳۲)
۲۹	بیروہ	۱۵۳۱۵/خروار	۱۸۳۳۵/خروار (۳۳)
۳۰	تیلہ گام	۵۳۲۱۹/خروار	۱۷۳۸/خروار (۳۴)

۳۱	دین سو	۳۶۲۲۰/خروار	۸۳۰۱/خروار (۳۵)
۳۲	مانچھامون	۱۹۲۶۳۱/خروار	۳۷۰/خروار (۳۶)
۳۳	سایر مواضع بالا	۱۲۹۳۵/خروار	۳۷۰/خروار (۳۷)
۳۴	دچھنہ وکھاورہ	۳۶۲۰۸/خروار	۲۰۶۸۳/خروار (۳۸)
۳۵	کھوی	۱۳۶۳۲۵/خروار (۳۹)	۱۶۷۰/خروار
۳۶	کروہن (۴۰)	۳۳۷۲۸/خروار	۱۳۷۲۵/خروار
۳۷	کامراج	۱۱۸۷۴/خروار (۴۱)	کل جمع = پینتیس لاکھ اناسی ہزار تتنالیس خروار (۴۲)

اکبر بادشاہ کے عہد میں جو کل جمع قاضی علی نے اعلیٰ دفتر کے سپرد کر دیا وہ تیس لاکھ تریسٹھ ہزار پچاس خروار اور گیارہ ترک تھا۔ دام کے حساب سے یہ ۷/کروڑ ۴۶/لاکھ ۷۰/ ہزار اور چار سو گیارہ دام کے برابر ہے (۴۳)۔ اس میں سے نقدی عمل میں نو لاکھ ایک ہزار ایک سو اور تریاسی دام (۴۴) رہ جاتے ہیں۔ فی خروار ۲۰/دام کے حساب (۴۵) سے شمار ہوتی ہے۔

جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں آصف خان نے کل جمع جو پیداوار کے طور پر پیش کی وہ تیس لاکھ اناسی ہزار تتنالیس خروار اور گیارہ ترک تھا۔ کشمیر کی مردم شماری جو آصف خان کے اہتمام سے ہوئی اس کے مطابق لوگوں کی آبادی انیس لاکھ تتنالیس ہزار اور تینتیس آدمیوں پر مشتمل تھی۔ اس تعداد میں مقامی سپاہی نوے ہزار اور پیادہ چار سو اور سوار سپاہی چار ہزار آٹھ سو بیانوے تھے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں خطہ کشمیر کی آمدنی

چغتائی بادشاہوں کی حکومت کے بعد ملک کشمیر زمانے کے انقلابات وحوادث کی وجہ سے ویران ہوگیا اوراس کی آبادی میں روز بروز کمی واقع ہوئی۔

موجودہ زمانے (۴۶) میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے پرگنہ بندی کا سلسلہ توڑ کر وزارتیں اور تحصیل مقرر کیئے۔ چنانچہ شہر خاص کی وزارت ضلع جات کے بغیر پانچ تحصیلوں پر مشتمل ہے۔ اننت ناگ کی وزارت چار تحصیلوں پر، شوپیان کی وزارت پانچ تحصیلوں پر، پٹن کی وزارت چار تحصیلوں پر، کامراج کی وزارت پانچ تحصیلوں پر اور مظفر آباد کی وزارت چار تحصیلوں پر مشتمل ہے۔ ان کی آمدنی زمین کے خراج، باج، چنگی اور متفرقہ نئے نئے قسم کے مالیات عائد کرنے کی راہ سے سال ۱۲۹۰ھ (۴۷) (مطابق ۱۹۳۰ء بکرمی) میں نقد وجنس میں کشمیر کے دفتر خانے میں سنتالیس لاکھ تریسٹھ ہزار ایک سو اکتیں روپے چلکی سکے کی رقم جمع کی گئی جو انتیس لاکھ چھہتر ہزار نو سو ستاون (۴۸) روپے چہرۂ شاہی کے ضرب کے برابر ہے۔

وزارت شہر خاص شرینگر

نمبر شمار	نام تحصیل	جمع کل مالیہ	اس میں سے جو نقد لیتے تھے	جو بطور جنس لیتے تھے	کیفیت
۱	اچھ	۱۰۰۷۲۷	۱۰۰۷۲۷	غیر معمول جنس	جنس کی قیمت دو روپے فی خروار کے حساب سے

۲	اُولر	۱۷۹۹۲۲	۸۶۸۶۷	۴۵۰۳۳خروار	
۳	ناگام	۱۷۳۹۷۳	۹۲۶۳۷	۴۶۷۵ خروار	
۴	پھاک	۴۶۲۶۹	۴۲۶۶۹	......	
۵	وہو	۶۱۹۵۹	۵۶۶۴۱	۲۶۵۹ خروار	
۶	خود کاشت	۹۳۶۳	۹۳۶۳	......	تحصیل سے خارج
۷	اچھن	۳۸۱۸	۳۸۱۸	......	
۸	بلدہ	۷۳۹۷	۷۳۹۷	......	
۹	دیہات تحصیل سے خارج	۱۱۸۹۵	۷۴۴۷	۲۲۲۴خروار	وزارت شہر خاص کی جمع ۵۴۵۳۲۵

وزارت اننت ناگ

نمبر شمار	نام تحصیل	جمع کل مالیہ	اس میں سے جو نقد لیتے تھے	جو بطور جنس لیتے تھے	کیفیت
۱۰	رنبیر سنگھ پورہ	۱۸۱۳۱۱	۶۳۳۳۹	۴۳۲۵۴خروار	جنس کی قیمت دو روپے فی خروار کے حساب سے
۱۱	دچھن پارہ	۱۴۹۸۳۸	۶۳۳۳۹	۴۳۲۵۴خروار	
۱۲	کھاہور پارہ	۱۷۱۶۳۸	۵۲۵۳۱	۵۹۵۵۳خروار	

۱۳	اننت ناگ	۱۲۰۷۸۰	۳۸۸۹۰	۴۰۹۹۵خروار	
۱۴	شوپیان	۱۲۰۳۵۶	۵۶۸۲۸	۳۲۱۱۹خروار	
۱۵	چھراٹ	۱۳۳۲۹۵	۶۲۱۰۵	۳۵۵۹۵خروار	
۱۶	رام پتری	۹۳۰۰۶	۲۶۸۳۱	۳۳۰۸۵ خروار	
۱۷	آڈون	۱۳۸۹۹	۲۱۰۵۱	۴۱۴۲۴ خروار	
۱۸	دین سُو	۱۲۲۱۱۷	۱۲۲۱۷		جمع وزارت اننت ناگ ۶۳۳۶۶۷

وزارت پٹن

نمبر شمار	نام تحصیل	جمع کل مالیہ	اس میں سے جو نقد لیتے تھے	جو بطور جنس لیتے تھے	کیفیت
۱۹	بانگل	۱۶۱۷۳	۵۲۳۴۱	۵۴۰۶۶ خروار	
۲۰	لعل اور سایر المواضع	۱۷۷۶۱۶	۸۵۱۸۰	۴۱۲۶۸ خروار	
					جمع وزارت پٹن ۶ لاکھ ۲۴ ہزار ایک سو بارہ

وزارت کامراج

نمبر شمار	نام تحصیل	جمع کل مالیہ	اس میں سے جو نقد لیتے تھے	جو بطور جنس لیتے تھے	کیفیت
۲۱	بیروہ	۱۸۸۰۶	۷۹۰۱۶	۴۴۵۹۵	
۲۲	کروہن	۲۳۴۸۷	۸۱۱۱۵	۶۱۱۸۶	
۲۳	حمل	۷۱۸۲۹	۳۲۴۱۳	۱۹۷۰۸	
۲۴	اوتر مچھی پورہ	۱۱۱۸۴۶	۴۲۰۳۸	۳۹۹۰۹	
۲۵	کویہامہ اور لولاب، زینہ گیر	۱۸۱۳۵۸	۹۰۴۷۶	۴۵۴۴۲	جمع وزارت کامراج ۶۱۲۰۰۴

وزارت مظفر آباد

نمبر شمار	نام تحصیل	جمع کل مالیہ	اس میں سے جو نقد لیتے تھے	جو بطور جنس لیتے تھے	کیفیت
۲۶	محال سنگاڑہ	۳۳۴۷۲	۳۷۵۴	۱۴۸۶۴	(۴۹)
۲۷	تحصیل مظفر آباد	۲۷۳۵	۲۷۳۵	غیر معمول جنس	
۲۸	علاقہ جات	۲۶۱۲۶	۲۶۱۲۶	---	
۲۹	دچھنہ اور کھاورہ	۶۱۱۶۰	۶۱۱۶۰	---	
۳۰	دراوہ اور کرنا	۳۳۶۴۳	۳۳۶۴۳	---	جمع وزارت مظفر آباد ۱۲۳۶۶۴

سرحدات

نمبر شمار	نام تحصیل	جمع کل مالیہ	اس میں سے جو نقد لیتے تھے	جو بطور جنس لیتے تھے	کیفیت
۳۱	گلگت اور پونیال	۶۲۵۷	۱۹۴۸	---	
۳۲	حصورہ	۲۲۸۸	۲۷۸	۱۰۰۵	
۳۳	گوریج	۲۱۳۹	۲۱۳۹	---	جمع سرحدات ۱۰۶۶۵ چلکی

جاگیر رام سنگھ اور امر سنگھ

نمبر شمار	نام تحصیل	جمع کل مالیہ	اس میں سے جو نقد لیتے تھے	جو بطور جنس لیتے تھے	کیفیت
۳۴	مراج اور کامراج میں	۲۶۵۷۱۵	۵۹۹۲۳	۲۰۲۸۹۶	(۵۰)

وزارتوں کی کل مجموعی آمدنی، نقدی اور جنسی، چونتیس لاکھ بارہ ہزار اور چونتیس روپے (۵۱)۔ اس میں سے اشخاص کا باج اور متفرقہ رسومات کی رقم اٹھارہ ہزار پانچ سو سات روپے ہے۔ باقی زرعی زمین اور اسکے رسومات کا خراج ہے۔

اشخاص کے باج اور گزشتہ و حال کے معمول کے متفرقہ رسومات سے نقدی آمدنی سال ۱۹۳۰ء بکرمی مطابق ۱۲۹۰ھ میں (۵۲)

نمبر شمار	نام محال	نقدی آمدنی
۱	شہر خاص	۱۳۷۰۹
۲	وزارت کامراج	۱۸۲۰۶
۳	وزارت پٹن	۶۶۰۷
۴	وزارت شوپیان	۷۶۱۸
۵	وزارت اننت ناگ	۲۱
۶	محال نوارہ	۱۲۴۲۸۳
۷	محال داغشال (۵۳)	۷۴۳۰۹۵(۵۴)
۸	داغشال سے مربوط طائفہ دار	۷۷۴۰۲
۹	محال زعفران	۱۷۷۸۵(۵۵)
۱۰	گھڑ دوڑ والوں کا باج	۱۲۴۸۴(۵۶)
۱۱	نجاروں اور گلگاروں کا باج	۶۴۹۸
۱۲	عدالتوں کا جرمانہ	۴۲۶۶۲

۱۳	نقشبندی خواجہ حضرات کا نذرانہ	۱۶۱۴
۱۴	کاغذسازوں کا باج	۴۴۰
۱۵	کلغی کے پروں کا باج	۴۱۹
۱۶	مہاراج گنج کی دکانوں کا کرایہ	۱۲۳۱
۱۷	تمباکو کا باج	۱۳۴۹۴
۱۸	بنگ	۶۹۳۰
۱۹	میر بحری کے ہانجیوں کا باج	۳۱۹۳۰
۲۰	مقدموں کی رقم	۱۶۵۷۹(۵۷)
۲۱	گڈریوں کی رقم	۸۷۲۷۶(۵۸)
۲۲	رعایا پر جرمانے کی رقم	۲۶۴۰۰
۲۳	محال نوارہ سے شکر	۱۳۱۱۰۰۰
۲۴	پانپور سے زعفران	۶۳ سیر
۲۵	گڈریوں کی رقم سے بھیڑ کی اُون	۳۶/خروار
۲۶	گڈریوں سے معمولی بھیڑ	۳۴۸۲/عدد
۲۷	ناگام سے مجیٹھ	تین خروار
۲۸	باغوں سے بادام	آٹھ خروار
۲۹	کانوں سے لوہا	۹۴۲
۳۰	بونیار سے سُرمہ	۳۵/خروار
۳۱	کلغی کے پر	۹۵/پر
۳۲	اطراف سے بکری کے بچے	۱۱۲/عدد

۳۳	حصورہ سے رسی	۱۲/عدد
۳۴	سیاہ زیرہ	پانچ خروار
۳۵	روغن زرد	پانچ خروار
۳۶	فرنگی آلو	دس خروار
۳۷	زرد آلو کے بیج	۶۶ سیر
۳۸	مسگروں سے بگل	نو عدد
۳۹	ریشم اور پرمٹ	جموں کے دفتر خانے میں جمع

سال ۱۹۲۰ بکرمی = ۱۲۹۰ھ = ۱۸۷۳ء میں کشمیر کی مردم شماری کا نقشہ

ہندو

نام قصبہ	مرد	عورت	میزان
شہر سرینگر	۲۱۷۲۷	۴۲۵۶۵	۶۴۲۹۲
قصبہ پانپور	۴۹	۵۲	۱۰۱
قصبہ بیج بہاڑہ	۱۷۸	۱۱۸	۲۹۶
قصبہ اننت ناگ	۳۴۱	۲۹۲	۶۳۳
قصبہ شوپیان	۱۲۳	۹۷	۲۲۰
قصبہ سوپور	۲۸۸	۲۳۴	۵۲۲
قصبہ بارہمولہ	۲۴۰	۱۹۶	۴۳۶

وزارت شہر خاص	۸۵۲(۵۹)	۶۷۶	۱۵۲۸
وزارت اننت ناگ	۸۲۱۷	۱۵۷۲	۹۷۸۹
وزارت شوپیان	۱۶۹۶	۱۴۹۰	۳۱۸۶
وزارت پٹن	۶۸۳	۶۳۵	۱۳۱۸
وزارت کامراج	۸۸۳	۳۷۹	۱۲۶۲
وزارت مظفر آباد	۴۴۳۲	۴۱۰۷	۸۵۳۹
میزان	۱۰۷۶۳	۴۹۳۸	۲۱۴۲۶

مسلمان

نام قصبہ	مرد	عورت	میزان
شہر سرینگر	۴۸۳۵۶	۴۴۴۱۰	۹۲۷۶۶
قصبہ پانپور	۱۰۵۲	۹۳۹	۱۹۹۱
قصبہ بیج بہاڑہ	۱۰۲۰	۹۰۴	۱۹۲۴
قصبہ اننت ناگ	۲۵۰۴	۲۴۵۰	۴۹۵۴
قصبہ شوپیان	۲۱۱۸	۱۰۰۵	۳۱۲۳
قصبہ سوپور	۱۷۵۸	۱۶۹۰	۳۴۴۸
قصبہ بارہمولہ	۱۸۵۹	۱۸۵۷	۳۷۱۶
وزارت شہر خاص	۲۲۹۳۲	۲۱۶۵۷	۴۴۵۸۹
وزارت اننت ناگ	۲۲۴۸۸	۲۲۲۲۳	۴۴۷۱۱
وزارت شوپیان	۲۴۹۷۹	۲۳۷۲۶	۴۸۹۴۱

وزارت پٹن	۲۴۵۵۴	۲۳۶۲۵	۴۸۱۷۹
وزارت کامراج	۳۵۲۳۱	۳۲۸۷۱	۶۸۳۰۲
وزارت مظفرآباد	۳۱۳۵۷	۳۰۴۴۱	۶۱۷۹۸
میزان	۲۱۹۴۵۴	۱۵۴۵۷۹	۳۱۶۵۲۰

جنسی سکھ

نام قصبہ	مرد	عورت	میزان
شہر سرینگر	۹۰	۸۸	۱۷۸
قصبہ پانپور	---	---	---
قصبہ بیج بہاڑہ	۲۶	۱۶	۴۲
قصبہ اننت ناگ	۱۹	۱۲	۳۱
قصبہ شوپیان	---	---	---
قصبہ سوپور	۲	۱	۳
قصبہ بارہمولہ	۱۴۹	۱۴۳	۲۹۲
وزارت شہر خاص	۶۵۳	۲۶۱	۹۱۴
وزارت اننت ناگ	۵۰	۹۰	۱۶۰
وزارت شوپیان	۲۵	۱۷	۴۲
وزارت پٹن	۶۲۴	۲۶۳	۸۸۷
وزارت کامراج	۷۱۶	۵۷۹	۱۲۹۵
وزارت مظفرآباد	---	---	---

میزان	۲۰۶۸	۱۳۶۳	۲۱۹۸

کل میزان ہندو۔ مسلمان۔ سکھ				کیفیت
نام قصبہ	مرد	عورت	میزان	مع سرکاری فوج
شہر سرینگر	۷۰۰۸۳	۸۶۹۶۵	۱۵۷۲۲۶	(۶۰)
قصبہ پانپور	۱۱۰۱	۹۹۱	۲۰۹۲	(۶۱)
قصبہ بیج بہاڑہ	۱۲۲۴	۱۰۳۸	۲۶۶۲	(۶۲)
قصبہ اننت ناگ	۲۸۶۴	۲۷۵۴	۵۶۱۸	(۶۳)
قصبہ شوپیان	۲۲۴۱	۱۱۰۲	۳۳۴۳	(۶۴)
قصبہ سوپور	۲۰۲۸	۱۹۲۵	۳۹۵۱	(۶۵)
قصبہ بارہمولہ	۲۲۴۸	۲۱۹۶	۴۴۴۴	(۶۶)
وزارت شہر خاص	۲۴۴۳۷	۲۲۵۹۴	۴۷۰۳۱	
وزارت اننت ناگ	۳۰۷۵۵	۲۳۸۸۵	۵۴۶۴۰	
وزارت شوپیان	۲۶۷۰۰	۲۵۲۶۹	۵۱۹۶۹	
وزارت پٹن	۲۵۸۶۱	۲۴۵۲۳	۵۰۳۸۴	
وزارت کامراج	۳۷۱۳۰	۳۳۸۲۹	۷۰۸۵۹	
وزارت مظفر آباد	۳۵۷۸۹	۳۴۵۴۸	۷۰۳۳۷	(۶۷)
میزان	۸۰۵۷۲	۶۴۶۴۸	۳۴۵۲۲۰	(۶۸)

یادداشتیں

(۱) کمانوں (گھماؤں) ہندوستان میں ایک پیمانہ ہے دو بیگھ کے برابر یا زمین کے آٹھ کنالوں کے برابر۔

(۲) موسیو ڈریو نے کشمیر کی زمین کا رقبہ اٹھارہ سو اور انیس سو مربع میل کے درمیان کہا ہے اور یہی رائے معتبر ہے رام چند کاک این شینٹ مانومنٹس آف کشمیر کے مصنف کے نزدیک بھی۔

(۳) اس بارے میں ابوالفضل کی آئین اکبری میں (جلد ۲ ''مترجمہ جیرٹ، ص ۶۷ ا اور ۳۶۸) تفصیل یوں درج ہے۔ ''کشمیر کی پیداوار ۳۰۱۱۰۶۱۸ خروار بارہ ترک مساوی ۲/۱-۳۵۷۹۶۱۱۲ دام (مساوی ۸۹۴۹۰۳/ روپے)۔ اس میں سے ۶۷۰۵۵۱ خروار بارہ ترک مساوی ۲۵۰۱۸۸۰ دام (۳۱۲۵۴۷ روپے) نقدی کی صورت میں خزانہ عامرہ داخل ہوتے تھے۔'' خروار ایک پیمانہ ہے جو سولہ ترک کشمیری کے برابر ہے اور جلال الدین اکبر بادشاہ کے زمانے میں ترک آٹھ سیر اکبری کے برابر تھے۔ (آئین اکبری جلد ۲ می، ص ۳۶۶)، موجودہ وقت میں پانچ سیر اور تین چھٹانگ انگریزی کو ایک ترک کہتے ہیں۔ (چھٹانگ =۱۶/۱ یعنی سیر کا سولھواں حصہ۔ اور ایک چھٹانگ پانچ تولے کے برابر ہے۔) چغتائی بادشاہوں کے عہد میں خالصہ وہ زمین تھی جو حکومت کے حق میں محفوظ تھی۔ اس میں جاگیر اور انعام دینا قطعاً ممنوع تھا۔ اس کا انتظام جیسے نہریں کھودنا اور پیداوار کی وصول یابی حکومت کے ذمہ تھی۔

(۴) مراد ہے طاقتور فربہ ٹٹو جو زمین کے نزدیک ہوتے ہیں۔ چھوٹے قد کی وجہ سے (توازک جہانگری جلد ۲/ص ۳۰۶ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو)۔

(۵) صحیح ہے۔ نقدی کی صورت میں ۳۴۲۹۹۶ خروار ۸/ترک اور جنس کی صورت میں ۱۶۹۸/خروار۔ ۴/ترک (آئین اکبری جلد ۲/مترجمہ جیرٹ ص ۳۶۸)۔

(۶) بقول ابوالفضل: ''نقد صورت میں ۷۷ ۱۴۳۳/خروار ۴/ترک اور جنس کی صورت میں ۹۸۳۶۹/خروار (ایضاً ص ۳۰۱۹)۔

(۷) آئین اکبری جلد ۲/ص ۳۶۸ میں یوں آیا ہے!'' ۸/ترک ۸۷۶۹ خروار بصورت نقدی اور ۴/ترک ۸۸۳۴/۷ خروار بصورت جنس''۔

(۸) بصورت نقد ۱۲۶۰۵ رخروار ۸ رترک اور بصورت جنس ۱۲۸۶۵۶ رخروار ۴ رترک (ایضاً ۳۶۹)۔

(۹) ابوالفضل نے لار پرگنہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱۰) بصورت نقد ۲۴۰۲۷ خروار ۸ رترک اور بصورت جنس ۱۱۱۱۷ خروار ۱۲ رترک (آئین اکبری جلد ۲ رص مذکورہ)۔

(۱۱) بقول ابوالفضل ''نقد میں ۶۹۰۲ رخروار ۱۲ رترک اور جنس میں ۵۱۵۳ ۷ خروار (ایضاً)۔

(۱۲) بقول ابوالفضل ''نقد میں ۳۵۷۵ رخروار ۸ رترک اور جنس میں ۴۵۲۲۶ رخروار ۸ رترک (ایضاً)۔

(۱۳) کُھٹار (ابوالفضل) اس کے بقول نقد میں ۳۲۲۱ رخروار ۱۲ رترک اور جنس میں ۳۷۴۷۹ خروام ۴ر ترک (ایضاً)۔

(۱۴) مروآدون۔ نقد ۵۰۴۱ رخروار فقط (ایضاً)۔

(۱۵) مٹن۔ نقد ۲ ر۱۔ ۸۶۲ ا خروار۔ جنس ۲ ر۱۔ ۹۰۴۳ رخروار (ایضاً)۔

(۱۶) نقد ۱۴۸۱۵ رخروار ۱۲ رترک۔ جنس ۱۰۴۱۳۲ خروار ۴ رترک۔

(۱۷) نقد ۶۲۰۳۴ رخروار ۴ ترک۔ جنس ۱۴۴۱۰۲ خروار (ایضاً)۔

(۱۸) ۶۴۳۵ رخروار جنس (ایضاً)۔

(۱۹) بصورت نقد ۴۲۳۵ رخروار ۸ رترک اور بصورت جنس ۳۵۱۵ رخروار (ایضاً)۔

(۲۰) بصورت نقد ۸۲۲ خروار ۸ رترک اور بصورت جنس ۸۵۶۴۴ خروار ۸ ترک (ایضاً)۔

(۲۱) نقد ۱۷۹۰ رخروار ایک ترک، جنس ۱۵۸۷۵ رخروار ۴ رترک (ایضاً)۔

(۲۲) وہی (ابوالفضل) بصورت نقد ۱۶۱۹۶۸ رخروار ۸ رترک اور بصورت جنس ۲۰۹۶۳۲ رخروار ۸ رترک (ایضاً)۔

(۲۳) نقد ۲۰۰۳ رخروار ۴ رترک اور جنس ۶۱۳۳ رخروار علاوہ ایندھن کی ادائیگی کے (ایضاً)۔

(۲۴) نقد ۸۵۵۰ رخروار ۱۲ رترک اور جنس ۳۹۱۶۷ رخروار (ایضاً)۔

(۲۵) نقد ۱۲۷۵۷ رخروار ۸ ترک۔ بصورت جنس ۴۵۲۲۴ رخروار (ایضاً)۔

(۲۶) نقد ۲۲۵۷۶ رخروار ۴ رترک۔ جنس ۱۸۹۷۰ رخروار ۱۲ رترک (ایضاً)۔

(۲۷) نقدی صورت میں ۲ ر۱۔ ۳۲۵۵ رخروار اور جنس کی شکل میں ۱۳۲۵۳ رخروار (ایضاً)۔

(۲۸) ۱۵۵۲۲ رخروار نقد اور ۸۳۶۷۰ رخروار ۱۲ رترک جنس (ایضاً)۔

(۲۹) اس پرگنہ کی پیداوار ابوالفضل نے بالا اور پائین کے نام لئے بغیر یوں لکھی ہے نقدی کی صورت میں ۱۸۵۵۳/۱ خروار ۱۲/ ترک اور جنس کی صورت میں ۱۹۲۶۴۱/ خروار ۴/ ترک (ایضاً)۔

(۳۰) نقد کی صورت میں ۳۳۵۲/ خروار ۸ ترک اور جنسی کی صورت میں ۱۸۸۳۰/ خروار ۱۲/ ترک (ایضاً)۔

(۳۱) نقد کی صورت میں ۵۲۰/ خروار اور جنس کی صورت میں ۴۷۹۹/ خروار ۴/ ترک (ایضاً)۔

(۳۲) نقد کی صورت میں ۲۰۲۸۰/ خروار ۴/ ترک اور جنس کی صورت میں ۱۱۵۲۳۳/ خروار ۱۲/ ترک (ایضاً)۔

(۳۴) بروی (ابوالفضل) مالیہ بصورت نقد ۱۳۳۸۳/ خروار اور بصورت جنس ۵۷۰۹۸/ خروار ۱۲/ ترک (ایضاً)۔

(۳۵) تیل گام (ابوالفضل) مالیہ نقدی صورت میں ۴۴۳۵/ خروار ۴/ ترک اور بصورت جنس ۱۵۴۱۵/ خروار ۱۲/ ترک (ایضاً)۔

(۳۶) مالیہ بصورت نقد ۲/۱۔۱۷۰۳۸/ خروار اور بصورت جنس ۲/۱۔۵۳۲۱۹/ خروار (ایضاً)۔

(۳۷) ابوالفضل کی فہرست میں اس پرگنے کا نام نہیں آیا ہے۔

(۳۸) پرگنہ سایر المواضع کے ضمن میں اس کا مالیہ بیان ہو چکا۔

(۳۹) مالیہ بصورت نقد ۲۰۶۵۳/ خروار اور بصورت جنس ۳۶۲۲۲/ خروار ۴/ ترک / (ایضاً)۔

(۴۰) مالیہ بصورت نقد ۳۷۰/ خروار اور بصورت جنس ۱۲۹۴۵/ خروار (ایضاً)۔

(۴۱) مالیہ بصورت نقد ۲۹۷۷/ خروار ۱۲/ ترک اور بصورت جنس ۱۱۵۴۷۴/ خروار (ایضاً)۔

(۴۲) مالیہ بصورت نقد ۱۰۳۷۲۵/ خروار ۴/ ترک اور بصورت جنس ۳۴۲۸۴۴/ خروار ۴/ ترک (ایضاً)۔

(۴۳) اور ابوالفضل کے بقول کل جمع "تیس لاکھ گیارہ ہزار چھ سو اٹھارہ خروار بارہ ترک" (ایضاً)۔

(۴۴) ۱۸۶۶۷۶۰/ روپے ۴/ آنے ۵/ پائی (حاشیہ جیرٹ کا آئین اکبری پر جلد ۲)۔

(۴۵) بقول ابوالفضل ۱۲۰۲۲۱۸۳/ دام (مساوی = ۳۰۰۵۵۴/ روپے ۹/ آنے ۲/ پائی)۔

(۴۶) ابوالفضل نے ایک خروار کی قیمت ۸/۲۵۔۱۳/ دام لکھی ہے (آئین اکبری جلد ی ۲)۔

(۴۷) لارنس کے بقول پانچ ضلعوں یعنی سرینگر، پٹن، اننت ناگ، کامراج اور شوپیان میں وادی کشمیر کی تقسیم سال ۱۸۷۱ء (۱۲۸۸ھ) میں موجود تھی۔ سال ۱۸۸۷ء میں ساری وادی کشمیر چار ضلعوں میں بٹی ہوئی تھی لیکن

بعد میں یہ بھی منسوخ ہو گیا اور کل تین اضلاع رہ گئے وزارت خاص، وزارت اننت ناگ (یا جنوبی وزارت) اور وزارت بارہ مولہ (یا شمالی وزارت)۔ ضلع کو وزارت بھی کہتے تھے اور اب یہ پرانا نظام نہیں رہا۔ ابتدائی بیساکھ سال ۲۰۰۸ بکرمی سے (۱۳/اپریل ۱۹۵۱ء) سے کشمیر کی وادی کا علاقہ ایک حاکم اعلیٰ (کمشنر) اور اس کے تین نائبوں (ڈپٹی کمشنرس) کے تحت ایک مرکز (سرینگر) کیلئے دوسرا جنوبی اور تیسرا شمالی کشمیر کیلئے کام کررہے ہیں۔

(۴۸) مطابق ۱۸۷۳ء۔

(۴۹) مسٹر لارنس نے سال ۱۸۷۱ء میں وادی کشمیر کی زمین کے مالیہ کا اندازہ ۴۴۳۸۵۸۴ر چلکی روپے (مساوی = ۲۷۷۵۹۹۰ /روپے انگریزی) لگایا ہے۔ کشمیر میں انگریزی سکہ رائج ہونے سے پہلے تین قسم کے روپے چلتے تھے۔ ایک چلکی جو انگریزی دس آنوں کے برابر تھا۔ دوسرا خام جو آٹھ آنے کے برابر تھا اور تیسرا نانک شاہی جو انگریزی بارہ آنوں سے سولہ آنوں تک کے قیمت کا ہوتا تھا (ویلی آف کشمیر ص ۲۳۸)۔

(۵۰) ویلی آف کشمیر (ص ۲۳۷) میں لارنس صاحب نے مظفر آباد تحصیل کا مالیہ ۸۴۰۰۰/روپے لکھا ہے۔

(۵۱) بقول لارنس صاحب کشمیر کی کل پیداوار (رام سنگھ اور راجہ امر سنگھ کی جاگیر کی آمدنی کے بغیر) مظفر آباد کے علاقہ اور سرحدات کو شامل کر کے سال ۱۸۷۱ء۔۱۸۷۲ء میں ۲۷۷۵۹۹۰ /روپے تھی۔

(۵۲) ۲۹۴۴۸۴۴/روپے (ویلی آف کشمیر ص ۲۳۶)۔

(۵۷) مطابق ۱۸۷۲ء۔

(۵۸) سابقہ زمانے میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ (وفات ۱۹۲۶ء) کے زمانے تک کشمیر میں ایک محکمہ تھا جسے داغ شال کہتے تھے۔ اس میں جو بھی شال حکومت کی نگرانی میں بنتا تھا اور اس میں حکومت کی مہر لگادی جاتی تھی۔

(۵۹) بقول لارنس ۶۰۰۰۰/روپے (ویلی آف کشمیر ص ۲۳۶)۔

(۶۰) ۳۴۶۵۰/روپے (لارنس صاحب۔ ویلی آف کشمیر ص ایضاً)۔

(۶۱) لارنس کے بقول ۱۱۹۶۵/روپے (ایضاً۔ ایضاً)۔

(۶۲) لارنس کے بقول ۱۷۲۵۰/روپے (ایضاً۔ ایضاً)۔

(۶۳) بقول لارنس ۴۸۰۰/روپے (ایضاً)۔

(۶۴) اب (سال ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی فہرست کے مطابق) سرینگر شہر میں لوگوں کی تعداد ۲۰۷۷۸۷ رہے۔ جس کی تفصیل یوں ہے۔ مسلمان مرد = ۸۷۴۳۹ ☆ مسلمان عورتیں = ۷۵۵۳۱ ☆ ہندو مرد = ۲۳۸۷۰ ☆ ہندو عورتیں = ۱۹۱۳۰ ☆ سکھ مرد = ۹۴۳ ☆ سکھ عورتیں = ۴۶۹ ☆ منبوذین مرد = ۱۷ ☆ منبوذین

عورتیں =۹ ☆ ہندوستانی نصرانی مرد =۵۰ ☆ ہندوستانی نصرانی عورتیں =۵۵ ☆ جین مرد =۸ ☆ جین عورتیں =۱ ☆ باقی مرد =۱۳۳ ☆ باقی عورتیں =۱۳۲۔

(۶۵) اب کل ۲۴۵۱/آدمی۔ تفصیل یہ ہے: مسلمان مرد =۲۴۰۰ ☆ مسلمان عورتیں =۱۹۳۹ ☆ ہندو مرد =۲۳۰ ☆ ہندو عورتیں =۴۱۔

(۶۶) اب ۴۵۳۲/ آدمی چنانچہ مسلمان مرد =۲۲۴۷ ☆ مسلمان عورتیں =۱۸۷۰ ☆ ہندو مرد =۲۳۰ ☆ ہندو عورتیں =۱۷۸ ☆ سکھ مرد =۲ ☆ سکھ عورتیں =۳ ☆ باقی =۲۔

(۶۷) اب ۱۱۹۸۷/آدمی۔ جن میں مسلمان مرد ہیں =۵۶۵۸ ☆ مسلمان عورتیں =۴۴۶۳ ☆ ہندو مرد =۱۰۲۵ ☆ ہندو عورتیں =۷۹۳ ☆ سکھ مرد =۳۸ ☆ سکھ عورتیں =۶ ☆ ہندوستانی عیسائی =۲ ☆ باقی =۲۔

(۶۸) اب ۴۳۵۹ آدمی ☆ مسلمان مرد =۱۹۹۰ ☆ مسلمان عورتیں =۱۸۱۱ ☆ ہندو مرد =۳۴۱ ☆ ہندو عورتیں =۱۹۷ ☆ سکھ مرد =۱۵ ☆ سکھ عورتیں =۵۔

(۶۹) اب ۱۱۹۷۶/آدمی ☆ مسلمان مرد =۵۹۰۵ ☆ مسلمان عورتیں =۴۷۹۱ ☆ ہندو مرد =۶۲۸ ☆ ہندو عورتیں =۴۳۹ ☆ سکھ مرد =۱۸۲ ☆ سکھ عورتیں =۳۰ ☆ منبوذین =۱۔

(۷۰) اب ۱۲۶۵۱/آدمی ☆ مسلمان مرد =۵۶۲۷ ☆ مسلمان عورتیں =۴۵۷۶ ☆ ہندو مرد =۱۲۹۳ ☆ ہندو عورتیں =۸۷۹ ☆ سکھ مرد =۱۷۸ = سکھ عورتیں =۹۲ ☆ باقی مرد =۳ ☆ باقی عورتیں =۳۔

(۷۱) یہ ملکی تقسیم ۱۹۴۱ء کی ملکی تقسیم اور موجودہ (۱۹۵۲ء) کی تقسیم کے مطابق نہیں ہے کیونکہ سال ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی فہرست کے بموجب مظفر آباد کے علاقہ کے بغیر سارا کشمیر دو وزارتوں (اضلاع) یعنی (۱) بارہمولہ (اوتر مچھی پور (ہندوارہ) بارہ مولہ، سری پرتاپ سنگھ پورہ (بڈگام) کے تحصیلات پر مشتمل) اور (۲) اننت ناگ (تحصیل خاص مع شہر سرینگر، اونتی پور (پلوامہ) کلگام اور اننت ناگ کے تحصیلات) پر مشتمل تھا۔ چنانچہ مذکورہ فہرست میں اندراج کے مطابق دونوں وزارتوں میں مظفر آباد کی وزارت کو شامل کر کے لوگوں کی آبادی یوں ہے۔ وزارت بارہ مولہ = تعداد کل لوگ =۳۹۲۲۳۶ ☆ افراد کی تفصیل = تحصیل ہندوارہ =۲۹۳۰۸۷ ☆ تحصیل بارہمولہ =۱۸۱۲۵۵ ☆ تحصیل بڈگام =۱۶۴۸۶۴ ☆ ان تینوں تحصیلوں میں مسلمانوں اور نا مسلمانوں کا تناسب یوں ہے: ہندوارہ تحصیل: مسلمان ۲۷۴۹۴۲ ☆ ہندو ۵۴۹۷ ☆ سکھ ۳۴۷۳ ☆ (۲) تحصیل بارہ مولہ مسلمان: ۱۶۲۹۰۳ ☆ ہندو ۱۵۰۵۱ ☆ سکھ ۲۶۳۰ (۳) تحصل بڈگام = مسلمان ۱۷۴۵۸۳ ☆ ہندو =۲۳۷۱ ☆ سکھ =۲۳۵۵ ☆ (۲) وزارت اننت ناگ: مجموعی تعداد ۸۳۴۹۶۳/افراد۔ ان میں ۲۰۷۷۸۷/آدمی سرینگر شہر میں ۱۲۱۸۲۷/آدمی تحصیل

خاص میں، پلوامہ تحصیل میں ۱۵۰۲۰۹/آدمی اور کولہ گام تحصیل میں ۱۵۹۵۲۲/آدمی آباد ہیں۔ان میں ۹۱۰۶۴۹/آدمی مسلمان،۷۰۶۸۴ ہندو اور ۶۶۶/سکھ ہیں (۳) وزارت مظفر آباد: کل لوگوں کی تعداد ۲۵۳۰۸ ۔ان میں اوڑی تحصیل میں ۸۰۲۲۳،تحصیل کرناہ میں ۵۸۸۶۳، اور مظفر آباد تحصیل میں ۱۲۵۵۸۵/آدمی تھے۔تینوں تحصیلوں میں مسلمان کا تناسب ۲۴۵۶۵۸/افراد، ہندو ۵۸۴۶/افراد اور سکھ ۱۲۹۲۲/افراد ہیں۔

بقول ڈاکٹر صوفی (کشیر جلد ۲/ص ۶۷۷) حکومت جموں وکشمیر کے مجموعی شمار کے مطابق (سال ۱۹۴۱ء) ۴۰۲۱۶۱۶/افراد تھے۔ ان میں صوبہ کشمیر میں ۱۷۲۸۷۰۵/افراد، صوبہ جموں میں ۱۳۳۷۲افراد ،لداخ میں ۱۳۳۷۲افراد، اسکردو میں ۲۵۳۷/افراد اور گلگت میں ۴۶۷۱/افراد رہتے تھے۔ان میں مردوں کی تعداد ۲۱۲۹۸۷۲/ تھی اور عورتوں کی ۱۸۵۹۷۴۴/افراد۔

کشمیر کے باغات

قدیم زمانے میں وقت وقت کے راجاؤں نے دلکشا باغات اور رُوح افزا درخت جا بہ جا لگوا کر کشمیر کو آباد کیا تھا۔ جن کا نام ونشان تک طُولِ زمان اور حوادثِ بے پایان کے ہاتھوں صفحہ جہان سے مٹ گیا۔ اس کی حقیقت کا بیان کرنا باعث طوالت ہوگا۔

مسلمان سلاطین کے عہد میں ہر کوئی باغوں کو ترتیب دینے اور عمارتوں کو تعمیر کرنے کی طرف راغب تھا۔ لیکن دُوری ایّام اور دوران انقلاب نے ان کی بھی شکست و ریخت کر کے ان آثار کو محو کر ڈالا۔ ان میں سے سلطان زین العابدین (۱) کو اس زمین کے اطراف میں جہاں کہیں بھی کوئی دل کشا مقام دل کو بھاتا وہیں پر عمارتوں اور چمن زاروں کی بنیاد ڈال دیتا تھا۔ خاص کر زینہ گیر میں اس نے چار میل مربع وسیع رقبے پر ایک کشادہ باغ بنوایا جس کے ایک طرف بلند و بالا عمارتیں تعمیر کروائیں اور دوسری طرف دشت دشت گلستانوں کے ہجوم اور خیابان درخت زاروں کے جھند کے جھنڈ لگائے جن کے درمیان میں سے جگہ جگہ پہنچنے والی نہریں اور دلکشا و غم رُبا آبشاریں جاری کروائیں۔ اکثر اوقات کو وہ اس جگہ کا تماشا دیکھنے میں اور مناظر کی خوبصورتی کا ملاحظہ کرنے میں صرف کرتا تھا۔ ان باغات کے اردگرد کے ماحول نے امراء اور بادشاہ کے اقربا کے دلوں کو موہ لیا تھا اور اس طرح سے زینہ گیر کا میدان قلب و جان کی مسرتوں میں اضافہ کرنے والا ایک خوبصورت گلستان بن گیا تھا۔

اسی دوران میں ترہ گام (۲) کے چکوں (۳) کے سرغنہ پانڈو چک نے رات کے

وقت ان باغوں اور عمارتوں کو نذر آتش کر کے خاکستر کر دیا۔

بادشاہ نے مزید نوشہرہ (۴) کے قریب نالہ بل کے مقام پر عجیب و غریب ترتیب کے ساتھ ایک وسیع باغ کو آراستہ کیا جس میں بارہ طبقوں کی ایک بلند عمارت تعمیر کی۔ اس عمارت کے ہر طبقے میں پچاس کمرے تھے اور ہر کمرے میں پانچ سو آدمی بیٹھتے تھے۔ یہ شاہی عمارت اس نے زین ڈب کے نام سے خود اپنے لئے بنوائی اور لوگ اسے راز دان کے نام سے پکارتے تھے۔ سندلار سے ایک شاہی نہر لے آیا اور اس باغ کے بیچوں بیچ اسے جاری کروادیا جو سکھوں کے زمانے تک سامان عبرت تھی۔

اسی طرح زینہ پور میں بلند و بالا عمارتوں پر مشتمل ایک دلکشا باغ لگوایا جو وقت کے عجائبات میں سے تھا۔ اس ہی کی مانند زینہ کوٹ کے ٹیلے پر اُونچی عمارتیں بنوائیں جو چغتائی دور تک اس کی یادگار کے طور پر باقی تھیں۔

حسین شاہ چک (۵) نے حضرت خواجہ معین الدین نقشبندیؒ (۶) کی زیارت کے پاس محلّہ نوہٹہ میں ایک وسیع باغ آباد کیا تھا اور لچھمہ کول نامی نہر اس میں جاری کروا کے فوارے اور ایک آبشار سے اسے آراستہ کیا۔ چغتائی عہد میں حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندیؒ (۷) کے تصرف میں آکر انہوں نے اس میں خانقاہ نقشبندیہ کو تعمیر کروایا۔

یوسف شاہ چک نے فتح کدل سے ڈل حسن یار کے گھاٹ تک دریائے بہت کے کنارے پر کٹہ کول کے کنارے تک قسم قسم کے پھولوں اور درختوں کا ایک کشادہ باغ بنوایا تھا۔ اس باغ کے تیرہ درجے تھے اور افغان دور تک اس کے آثار موجود تھے۔ اب لوگوں کے مکانوں کے نیچے معدوم ہو چکا ہے۔

یوسف شاہ چک نے مزید گل مرغ (۸) کے مرغزار میں ایک عجیب عمارت بنوائی

تھی جسکے آثار ابھی موجود ہیں۔

پھر مغل بادشاہوں نے اپنی حکومت کے زمانے میں کشمیر کی ساری گل زمین پر خاص کر جھیل ڈل کے ارد گرد دریائے بہت کے کناروں پر، چشموں اور نہروں کے سواحل پر، اور کوہساروں کے دامن میں باغ و بوستان اور قصر و ایوان تعمیر کروا کے کشمیر کو جنت نظیر کے خطاب سے موصوف کیا۔

نہی چوں پای برتخت سلیمان　　　به بینی کا شمر یکسر گلستان
سوداش را چو چشم زاغ بینی　　　ہزاران باغ را یک باغ بینی
کنار ڈال بسی باغات شاہی　　　بفردوس برین گشته مباہی
به بام خانه ہا در صحن و ایوان　　　شده گلزار ہا ہر سو نمایان
درون خانه یک پیره زن نیست　　　که باغ پر گل و پر یاسمن نیست

(جب تم تختِ سلیمان پر قدم رکھو گے تو آپ کو کشمیر کا ملک سراسر گلستان نظر آئے گا۔ اس کے اطراف آپ کو ایک شربتی آنکھ کی مانند نظر آئیں گے۔ ہزاروں باغ بس ایک ہی باغ کی صورت میں دکھائی دیں گے۔ جھیل ڈل کے کنارے پر کئی شاہی باغات فردوس برین کے مقابلے میں خود پر اتراتے ہیں۔ گھروں کی چھتوں پر، صحنوں اور ایوانوں میں ہر سو گلزار ہی گلزار نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک خستہ حال بوڑھی عورت کا اندرون خانہ تک گل و یاسمن کے پھولوں سے معمور و شاداب ہے۔)

اس عہد کے شاعروں جیسے قدسی، کلیم، سلیم، ظفر خان، خصالی، میر الٰہی اور بہشتی نے کشمیر کے باغوں، عمارتوں، درختوں، پھلوں اور پھولوں کی توصیف و تعریف میں مثنویاں لکھی ہیں اور داد سخن دیا ہے۔ ان میں سے ہم بعض مشہور باغوں کا حال بتانا چاہیں گے۔

جروگہ شاہی (۹)

اکبر بادشاہ کو سن ۹۹۶ھ میں کوہ ماران کے دامن میں مشرق کی طرف ایک خوش نما اور دل کشا آب و ہوا کی پُر فضا جگہ پسند آئی جہاں پر خواجہ حسین کابلی (۱۰) کے اہتمام سے شاہی دولت خانے کی بنیاد ڈال کر سنگ مرمر اور سنگ اسود کی اُونچی عمارتیں اور ایوان و قصر برپا کیئے اور چھجوں کے ستونوں کو جواہرات اور نگینوں سے مرصع کر کے اور بلند و مدور چھتوں میں منقش نظاروں کو کمال عمدگی اور استواری کے ساتھ تیار کروا کے ان کے سامنے ڈل جھیل کے کنارے تک مختلف اقسام کے درختوں، پھولوں اور سنگ مرمر کے دالانوں، حوضوں اور آبشاروں سے آراستہ درشنی باغ بھی بنوایا جس کے اردگرد تین اطراف سفیدار درختوں کی قطاروں سے سجا دیئے گئے تھے ۔تاریخ

شاہ گلگشتِ باغ بنمودہ   باغ تاریخ(۱۱) باغ فرمودہ

(بادشاہ نے باغ کے پھولوں کی سیر کی۔ باغ کی تاریخ باغ سے نکالی)

نیز کوہ ماران کے اردگرد میں شہزادوں کیلیئے مکانات، امیروں، وزیروں اور فوجی افسروں کیلیئے قیام گاہیں اور سوداگروں کیلیئے خوشنما بازار، سنگین دکانات اور منقش (۱۲) کوٹھیاں تعمیر کرنے کی تجویز کر کے عمارتوں اور بازاروں کے ہجوم سے معمور ایک شہر ناگرنگر کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس شہر کے گرداگرد قلعہ کی فصیل تعمیر کروائی جو اب تک (۱۳) موجود ہے۔ سال ۱۱۸۷ھ میں امیر خان جوان شیر نے شاہی قصر کو منہدم کر کے اس کی بیش قیمت اشیاء اٹھالیں اور اس کے پتھروں کو ڈل کے درمیان واقع سونہ لنک اور امیر آباد (۱۴)

میں پہنچا کر اپنے تعمیرات میں لگا دیا۔شاہی عمارات کے آثار سکھ دور تک موجود تھے۔

۱۲۲۷ھ میں عطا محمد خان نے کوہ ماران کی چوٹی پر قلعہ بنوایا۔قلعہ کے اندر رہنے والے، جو اکثر منصب دار اور خوانین تھے، ظالموں کے جنگ وجدل کے سبب وہاں سے بھاگ کر نکل گئے اور شہر کی عمارتیں برباد ہوگئیں۔

گشت یک رنگ کشور و وادی　　بوم در شہر کرد آبادی

(میدان اور ملک ایک ہی رنگ کے ہوگئے۔شہر میں الو بولنے لگے)

دارا محل

داراشکوہ نے کوہ ماران کے جنوبی دامن میں سنگین عمارتیں ، دلنشین خلوت و قیام گاہیں، منقش اور رنگین طاق اور چھجے دار ایوان برپا کیے۔ان کے تہہ خانے میں بکثرت حجرے عجائب روزگار بنوائے جن کی نشانیاں ابھی بھی موجود ہیں اور ان کے صحن میں ایک دل خوش کن باغ لگوایا جسے روح افزا درختوں اور پھولوں سے آراستہ کر کے اس میں رہٹ سے ایک بڑا حوض پانی سے آمادہ کروا کے سارے باغ میں نہریں اور آبشار جاری کیے۔نیز اس کے مغرب میں ایک سنگین مسجد اپنے استاد ملا شاہ (۱۵) (بدخشی) کیلئے اور مشرق میں ایک عام حمام چونے اور گچ سے بڑی استواری کے ساتھ تعمیر کروائے۔حمام اور مسجد دارا شکوہ کی تاریخ ؎

حمام تو و مسجدت ای دیدۂ بار　　گرم است یکی یکی جماعت پرداز

تاریخ بنای ہر دو را گوید شاہ　　یک جای وضوی آمد و یک جای نماز (۱۶)

(اے کھلی آنکھ! تیرا حمام اور تیری مسجد، ایک گرم ہے اور ایک جماعت کیلئے حاضر۔ شاہ نے دونوں کی تاریخ یوں کہی کہ: ایک جای وضو بن گئی اور ایک نماز کی جگہ)

باغِ فرح بخش

شالمار کے نام سے مشہور ہے۔ راجہ پرورسین کے زمانے میں سوگرام سوامی نام کا ایک ریاضت کش عبادت گذار آدمی ہارون کے مضافات میں گوشہ نشین ہوا تھا اور پرورسین اکثر اس سے ملنے کو وہاں جایا کرتا تھا۔ ضرورت کے پیش نظر اس نے اپنے قیام اور لوگوں کی آمدورفت کیلئے وہاں دیوی دیوتاؤں، عالم بالا کے کارکنوں اور اگلے راجاؤں کی صورتوں اور شکلوں کے ساتھ منقش نگار خانۂ چین کی مانند ایک استوار اور مضبوط شاہی محل بنوایا جس کا نام شالمار رکھا تھا (شال شاستر زبان میں مکان کو کہتے ہیں جیسے دھرم شال اور مار لقب ہے کام دیو کا (۱۷) یعنی ایک معنی میں خوبصورت)۔ شالمار کے معنی تصویروں کے مطابق یا ایک خوبصورت گھر ہے یا کام دیو کا مکان۔ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ مذکورہ شاہی قصر ویران ہو گیا اور وہاں ایک گاؤں وجود میں آگیا جسے لوگ شالمار کہنے لگے (۱۸)۔

سال ۱۰۲۹ھ میں بادشاہ جہانگیر کو یہ گاؤں دل کو بھایا اور وہاں ایک باغ کی بنیاد ڈالی۔ سلیم ؎

شنیدم شاہِ روشن دل جہانگیر زعشرت شد چو رونق بخش کشمیر
چوشد دامانِ دریا جلوہ گاہش بسوی شالمار افتاد راہش

فضائی دید چون رُوی عروسان سزاوارِ عمارات و گلستان
بطبعش رُوح روح افزا اثر کرد گران خوابی دماغش را خبر کرد
بگفت: این دشت رنگین رُوی حوراست زما سر منزلی اینجاضروراست
دران ایام شاہِ ہفت اقلیم کہ بر سر دارد از خورشید دیہیم
سرو سر گردہٗ شاہزادگان بود دران شاہزادگی شاہِ جہان بود
پی اتمام این منزل قد افراخت برای خوالیش کاری پیش انداخت
ازین چندین صفا در کارِ اُوشد کہ شاہ این چنین معمار اوشد
زنہر و آبشار و حوض و فوّار ز دیوار عمارت نخل و گلزار
بہشتی درجہان شد آفریدہ چنین باغی فلک ہر گز نہ دیدہ
کنون آمد زفیض خاک و آبش فرح بخش از شہ عالم خطابش

تاریخ

چوشد آراستہ باغِ فرح بخش بہ حکم حضرت ظلّ الٰہی
شہنشاہِ شہان شاہ جہانگیر کہ مشہور است از مہ تابہ ماہی
پی تاریخ این گلزارِ ریّان خرد فرمود: فرحت گاہ شاہی (۱۹)

(میں نے سنا ہے بادشاہِ روشن دل جہانگیر نے جب عشرت کیلئے کشمیر کو رونق بخشی تو جھیل (ڈل) کے دامن سے نظارہ کرتے ہوئے اس کا گذر شالمار سے ہوا اور ایک ایسی فضا کا تماشا کیا جو دلہن کے چہرے کی مانند تھا اور عمارتوں اور گلستان کی تعمیر کے لائق اور شایان شان۔ اس رُوح افزا منظر نے اُس کی روح تک کو متاثر کیا اور بے خبری کی کیفیت کو اُس کے دماغ نے خبر دار کرتے ہوئے کہا کہ یہ دشت رنگین واقعی حور کے چہرے کی طرح (خوش

نما) ہے اور یہاں پر لازماً ایک منزل گاہ کو برپا کرنا ہی ہوگا۔ ان دنوں پر شاہ ہفت اقلیم، جس کے سر پر آفتاب کا تاج رکھا ہے، شاہزادوں کا رئیس اور سردار تھا اور شاہزادگی کے عالم میں بھی پادشاہ جہان تھا۔ اس قیام گاہ کی تکمیل کی بابت ارادہ کر کے اپنے اُوپر اس کام کو اختیار کر لیا۔ اس کام میں چار چاند لگ گئے کہ خود ایسا (عالی شان) بادشاہ اس کا تعمیر کرانے والا تھا۔ نہرو، آبشاروں، حوضوں اور فواروں کے جاری ہونے اور دلواروں، درختوں اور چمن زاروں کے بن جانے سے دنیا میں ایک بہشت کی تخلیق ہوئی اور ایک ایسا باغ وجود میں آ گیا جسے آسمان کی آنکھ نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اب اس کے آب و خاک کی برکت سے بادشاہِ عالم نے اسے فرح بخش کا خطاب دیا ہے۔)

تاریخ

(جب حضرتِ ظل الٰہی، بادشاہوں کے بادشاہ شہنشاہ جہانگیر، جو آسمان کے ماہ سے لے کر زمین کی ماہی تک مشہور ہے، کے حکم سے باغ فرح بخش آراستہ ہو گیا، تو اس تازہ وشاداب چمن زار کی تاریخ کیلئے عقل نے کہا کہو: ''فرحت گاہ شاہی'')

عظیم خان نے اپنی حکومت کے ایام میں اس کے بیرونی اور اندرونی چھتوں اور دیواروں کی سرسری مرمت کی تھی لیکن راجہ رنبیر سنگھ نے اس کو صاف و پاک کرنے میں ایک بڑی رقم خرچ کی۔ لیکن وزیر پنون نے (۲۰) اس میں سے تانبے کے پرنالے نکلوا کر لے گیا اور ان کی جگہ پر مٹی کے پرنالے رکھوائے اور ایک خرواروزن کے عقیق وغیرہ جمع کرا کے اُڑا لے گیا۔

باغ فیض بخش

شالمار کا دوسرا درجہ۔ سال ۱۰۴۰ھ میں ظفر خان نے شاہجہان کے حکم سے باغ فرح بخش (۲۱) میں درجہ بالا کی آرائش کے مطابق دوگنی خوبصورتی کے ساتھ ایک حسین باغ اور روضہ دل کشا کا اضافہ کیا۔ اس کے درمیان میں ایک سنگین حوض جس میں ایک سو بتیس فوارے ترتیب سے لگوائے، کمال استواری کے ساتھ بنوایا اور اس میں ایک عالی شان منظر گاہ بھی تعمیر کی جو سنگ موسیٰ کی بنوائی اور اس عمارت کو صیقل کئے ہوئے اور مصفا سنگین کھمبوں اور دل کو لبھانے والے ایوانوں سے آراستہ کر کے عجوبہ روزگار بنا دیا۔ دونوں درجوں کی وسعت پانچ سو نوے گز کی لمبائی اور تین سو سات گز کی چوڑائی پر مشتمل (۲۲) تھی اور دیوار تین گز اُونچی تھی۔ خصالی کی طبع زاد تاریخ ؎

چو باغ فیض بخش از حکم شاہی — ابر باغِ ارم گشتہ مباہی
فرح بخش از کمال افتخارش — چوگل بر فرق خود دادہ قرارش
ازین رو کاشمر فخر جہان است — کہ دروی گلشن شاہ جہان است
پی تاریخ سالش صبحگاہی — خرد گفتا: ''مسرتگاہِ شاہی'' (۲۳)

(حکم بادشاہی سے جب باغِ فیض بخش، باغ اِرم کے مقابلے میں خود پر اترانے لگا تو کمال افتخار کی وجہ سے فرح بخش نے اسے پھول کی طرح اپنے سر کی چوٹی پر جگہ دی۔ کشمیر اس لئے فخر جہان بن گیا کہ اس میں شاہجہان کا باغ آباد ہے۔ اس کی سال تعمیر کی تاریخ صبح صبح عقل نے یہ نکالی: مسرّت گاہ شاہی'')

اس کے نیچے ایک لمبی ندی دس بارہ گز چوڑی جھیل ڈل کے دہانے تک جو سنگ فرش سے آراستہ کی گئی بنوائی اور ڈل کے کنارے پر ایک اُونچی عمارت تعمیر کی جس میں ایک دل کو موہ لینے والا باغ بھی آراستہ کیا۔

باغ عیش آباد

سودرہ کھون کے کنارے پر مشرق کی جانب حضرت بل جانے والی راہ میں پل کے ساتھ جہانگیر بادشاہ نے اس باغ کو بنایا تھا اور زکورہ کی ندی سے، جو سندلار سے آتی ہے، اس میں فوارے اور آبشار جاری کیئے ۔ تاریخ

عیش آباد روضہ شاہی — از جہانگیر شہ چو یافت نظام
بہر تاریخ آن سروش بگفت — عیش آباد گلشن آرام (۲۴)

(شاہی باغ عیش آباد جس بادشاہ جہانگیر سے پایہ تکمیل کو پہنچا تو فرشتہ بشارت نے اس کی تاریخ کے بارے میں کہا: عیش آباد گلشن آرام۔)

اب صرف چند چنار کے درخت وہاں موجود ہیں۔

باغِ بحر آرا

سودرہ کھون کے کنارے پر مغرب میں عیش آباد کے مقابل میں باغبان پور کے ساتھ نور جہان بیگم کی تجویز سے ایک وسیع باغ عجیب وغریب آرائش کے ساتھ لگوایا گیا تھا۔

الٰہی باغ کی شاہی ندی سے قالبی پُل کے اُوپر سے، جو ابھی تک موجود ہے، ایک نہر اس باغ میں آتی تھی۔

کہتے ہیں بادشاہ جہانگیر ایک چھوٹی سی کشتی میں کرسی پر بیٹھ جاتا اور کنیزیں اس کشتی کو چاند کی روشنی میں رات کے وقت چلاتے ہوئے الٰہی باغ تک لے جاتی تھیں۔

اس باغ کی اُونچی جگہ پر سات طبقوں کی ایک بلند و بالا عمارت چاند کی روشنی سے معمور جھیل ڈل کا تماشا اور مناظر کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے تعمیر ہوئی تھی اور اسی لئے اس شاہی قصر کو بحر آرا کا نام دیا گیا تھا۔ تاریخ۔

چون بہ کشمیر باغِ بحر آرا گلشنی تازہ گشت شہر آرا

ہفت منزل نشیمن شاہی بر جبینش شداست دہر آرا

بحر تاریخ این نشیمن خاص

ہاتفی گفت : ''کاخ بحر آرا''(۲۵)

(کشمیر میں جب باغ بحر آرا ایک شہر آرا شاداب گلشن کی صورت میں بن گیا اور قصر شاہی سات منزلوں کا تیار ہو کر اس کی (کشمیر کی) پیشانی پر دہر آرا نشان بن کر چمکنے لگا تو ہاتفی نے اس خاص شاہی نشیمن کی تاریخ میں کہا ''کاخِ بحر آرا'')

اب اس باغ کی عمارتیں معدوم ہو چکی ہیں۔

نُور باغ

عیدگاہ کے ساتھ مغرب میں نور جہان کا بسایا ہوا باغ تھا اور شاہی ندی سے زونی مر

کی راہ سے پتھروں کے بنے ہوئے پل اور محکم پشتے کے اُوپر سے اس باغ میں ایک نہر آتی تھی۔

باغ صفا

صفا پور گاؤں میں مان سر جھیل کے شمالی کنارے پر نور جہان کی مساعی سے بلند عمارتوں کے ہمراہ ایک دل کو لبھانے والا باغ بنوایا گیا تھا۔اس کے آثار ابھی باقی ہیں۔

بیگم آباد

صاحب آباد کے نام سے مشہور ہے۔کوٹھار پرگنہ میں چشمہ اچھہ بل میں نور جہان کے حکم پر ایک دل خوش کن باغ مضبوط و محکم عمارات اور پتھروں سے بنے ہوئے حمام کے ہمراہ لگوایا گیا تھا۔

اب اس کی عمارتیں منہدم ہو چکی ہیں۔راجہ رنبیر سنگھ نے معمولی سی مرمت کروائی۔

دولت آباد

حضرت بل کے قریب جنوب میں ڈل کے کنارے پر جہانگیر بادشاہ کی تجویز پر ایک عجیب قسم کا گلستان بنوایا گیا تھا۔اب اس میں زراعت کی کاشت ہوتی ہے۔

الٰہی باغ

بچھ پورہ گاؤں کے قریب آروی علاقے میں شاہجہان بادشاہ کے تعمیرات میں مشہور ہے۔اس کے چار درجے تھے اور شاہی نہر اس کے بیچ میں سے گذرتی تھی۔ بوٹہ کدل نالے کی راہ سے کشتی میں سوار ہو کر لوگ الٰہی باغ تک جاتے تھے۔

تاریخ۔

فلک آشفتہ بود از بہر سالش ملک گفتا بگو: "باغ الٰہی"(۲۶)

(فلک اس باغ کی تاریخ نکالنے میں فکر مند تھا۔ملک نے کہا کہو: "باغ الٰہی")

قدیم زمانے سے چنار کا ایک درخت وہاں موجود تھا جس کی موٹائی سولہ گز تھی۔

باغ چنار

شادی پور گاؤں میں دریای بہت کے مشرقی کنارے پر شاہجہان بادشاہ کی تجویز پر بنایا گیا تقریباً پانچ سو چنار کے درخت اس میں لگوائے گئے تھے۔

باغ پانپور

دریای بہت کے کنارے پر مشرق کی جانب شاہجہان بادشاہ کی تعمیرات میں سے

یادگار تھا۔

باغِ ونتی پورہ

دریا کے مشرقی کنارے پر شاہجہان بادشاہ نے یہ شاداب باغ لگوایا تھا۔

باغِ بیج بہاڑہ

شاہجہان بادشاہ کے فرمان سے داراشکوہ نے دریای بہت کے مشرقی کنارے پر بلند عمارتوں کے ہمراہ آراستہ کیا تھا (۲۷)۔

آصف آباد

مٹن پرگنہ میں واقع مچھ بون کے چشمے پر شاہ جہان بادشاہ کی تجویز پر آصف خان نے اسے آباد کیا تھا۔

شاہ آباد (۲۸)

حیدر ملک (۲۹) نے شاہجہان بادشاہ نے حکم سے ویری ناگ چشمے سے باہر ایک

دلکشا باغ عمارتوں کی تعمیر کے ہمراہ فواروں اور آبشاروں سے زینت دے کر عجوبہ روزگار بنا دیا تھا۔ کہتے ہیں اس کے چار طبقے تھے۔ تاریخ

حیدر بہ حکم شاہ جہان بادشاہ دہر　　شکر خدا کہ ساخت چکین (۳۰) آبشار و جوی

این جوی دادہ است ز جوی بہشت یاد　　زین آبشار یافتہ کشمیر آب روی

تاریخ جوی آب بگفتا سروش غیب

''از چشمۂ بہشت برون آمدہ است جوی'' (۳۱)

(زمانے کے بادشاہ شاہجہان کے حکم سے اللہ کا شکر ہے کہ حیدر نے اس طرح کا باغ بنوایا۔ اس کی ندی جوئِ بہشت کی یاد دلاتی ہے اور اس کے آبشاروں سے کشمیر کی آبرو بڑھ گئی ہے۔ فرشتہ غیب نے جوی آب کی تاریخ کہی: ''چشمہ بہشت سے جوی باہر نکل آئی ہے'')

اس تاریخ کے صلے میں میرزا کلیم کے منہ کو ہیروں اور موتیوں سے بھر دیا گیا۔ زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ باغ بالکل فرسودہ ہو گیا تھا۔ راجہ رنبیر سنگھ نے اس کی مرمت کی لیکن اس کی پہلی صورت بدل گئی۔

باغ نسیم (۳۲)

حضرت بل محلّہ کے متصل شمال میں جھیل ڈل کے کنارے پر شاہجہان بادشاہ نے لگوایا تھا۔ کہتے ہیں برج حمل میں آفتاب کے تحویل ہوتے وقت ایک ہی بار چنار کے بارہ سو بوٹے لگوائے گئے جن کی پانی کے بدلے دودھ سے پرورش کی جاتی تھی اور ان میں سے ایک بھی ضائع نہیں ہوا۔ مخملی سبزہ بھی یہاں کی سطح سے ہی ایجاد ہوا۔

زکورہ ندی سے اس میں ایک نہر جاری کی گئی۔ افغان دور میں اس کے سنگین تعمیرات، اس کی مضبوط فصیل اور اس کے فوارے اور اس کی آبشاریں بکھر گئیں۔ البتہ اکثر چنار ابھی باقی ہیں۔ تاریخ

در جہان چون بہ حکم شاہ جہان   دوحۂ تازہ از نسیم آمد
کرد گلگشت آن چو شاہجہان   بلبل از شاخ گل کلیم آمد
گفت تاریخ دوحۂ شاہی
"از بہشت عدن نسیم آمد" (۳۳)

(شاہجہان کے حکم سے جب دنیا میں نسیم (نام کا) ایک نیا باغ بنا تو شاہجہان بادشاہ نے اس کے پھولوں میں سیر کی اور پھولوں کی ڈالی سے بلبل نے چہکتے ہوئے اس شاہی باغ کی تاریخ کہہ ڈالی: "بہشتِ عدن نسیم آئی")

باغِ نشاط

شالمار کے جنوب میں مشرقی پہاڑ کے دامن میں جھیل ڈل کے کنارے پر آصف جاہ خان (۳۴) نے عمارتوں، فواروں اور آبشاروں کی تزئین کے ساتھ یہ عجوبہ روزگار باغ بنوایا تھا۔ تاریخ

چون باغ نشاط شد شگفتہ   از یاسمن و ظیان و گلہا
خورشید جہان آصفِ دہر   گسترد بساط و خورد ملہا
درگوش نسیم گفت سالش   "گلزار نشاط و عیش دلہا" (۳۵)

(جب یاسمنوں، چنبیلیوں اور گلاب کے پھولوں سے باغ نشاط کھل اٹھا اور خورشید جہاں آصف زمان نے وہاں محفل بچھائی اور شراب نوش کی تو ہوای نسیم نے سالِ تاریخ کانوں میں پھونک کر کہا: ''گلزارِ نشاط اور دلوں کا عیش'')

سال ۱۰۴۴ھ میں شاہجہان نے جب اس باغ کو دیکھا اور شالمار کے مقابلے میں اسے نظارہ و تماشا میں دل کو بھانے والا پایا تو اسے پسند آیا اور تین بار اس خیال سے کہ اس کو اپنے نام سے کر دے اس بات کو دہراتا رہا کہ ایک اچھا باغ ہے اور بے حد مرغوب ہے۔ آصف خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاہ جہان کو رنج ہوا اور اس نہر کو بند کر دیا جس کے ذریعہ سے شالمار کی ندی سے اس میں پانی آتا تھا۔

ایک دن آصف جاہ غم وملال کی کیفیت میں سو گیا۔ باغبان نے اپنے ولی نعمت آقا کے حزن وملال کو دور کرنے کی نیت سے شالمار کی ندی سے پانی جاری کر کے باغ نشاط میں روان کر دیا۔ فواروں اور آبشاروں کے رواں ہونے کی صداؤں سے آصف خان نیند سے جاگ اُٹھا اور پانی کے جاری ہونے کی کیفیت کے متعلق استفسار کیا۔ باغبان نے کہا: ''حضور کے دل کو خوش کرنے کیلئے میں نے شاہی ندی سے پانی جاری کیا ہے تا کہ آپ کے دل کو فرحت پہنچے۔ اب میں راضی بہ قضا ہوں''۔ آصف جاہ نے باغبان کو سونے میں تول دیا۔

بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے باغبان کو بلوا کر عتاب کیا۔ اس نے عرض کیا: ''میں نے اپنے آقا ولی نعمت کو غم زدہ پایا اور اس کی بے قراری کو دیکھ کر میں نے اپنی جان سے ہاتھ دھونے کے جذبے سے شاہی ندی سے پانی رواں کر دیا۔ میں اپنے کئے پر خود کو سزا کا مستحق سمجھتا ہو''۔

بادشاہ نے اس جرم کے عوض اسے بیش قیمت خلعت سے نوازا اور آصف جاہ خان کوندی کے پانی کو جاری رکھنے کا فرمان بھیج دیا۔

شاہی فرمان کی نقل

''تارشحاتِ سحابِ فیضِ ایزدی گلشن این دودمان عدالت اساس را، بہ آبِ لطف پروردہ، از جویبار فضل واحسان حدایق آمالِ امراء عالی مقدار، کہ اساتین متین قصر جلالت اند، سرسبز و سیراب ، وتا قطراتِ مطراتِ فضلِ خداوندی محیط بسیط این خاندان معدلت اقتباس تموج در آوردہ از جداول انہار آن بساتین امالی خوانین تمکین آئین ، کہ قوایم سریر خلافت اند، خورم وشاداب اصول راسخہ اشجارشان از چشمہ سارکوہ باشکوہ این دولت تابدارنم یافتہ وفروغ سامحہ انوارشان از شبنم کرم این سلطنت گردون مدارنشو ونما گرفتہ ، ہمت والا نہمت سپر سیماونیت قدسی طویت بحرآسا یہ نزہت عرصہ جہان وفضائی ساحت ممالک محروسہ ہندوستان و غیر آن ، صانہا اللہ تعالیٰ عن الطّوارق الحدثان ، سیما بہ تزاید نصرت و صفا و تضاعف رونق و بہای بساتین نشاط افزاو منزہات دلکشای خطہ کشمیر کہ توجہ و تربیت والعطاف خاطر بیضار تبت درخوردسزاست، مصروف ومعطوف است۔

لہذا چون درسال مبارکہ ہفتم ازجلوس سعادت مانوس بلدۂ دل پذیر کشمیر بہ فرقدوم ہمایوں میمنت پذیرفت وباغ نشاط کہ اعتضاد خلافت وفرمان روای اعتماد سلطنت و کشور کشائی ،فص خاتم شجاعت و بخت یاری، آب گوہر جلالت و کامگاری ، عقدہ کشای معاقد ملک و دولت ، سپاہ آرای مواکب فتح ونصرت ، افتخار پر دلان جان سپار ، خلاصۂ مخلصانِ

وفادار، گوھر دُرجِ دولت واقبال، طراز آستین اُبہت واجلال، مقدمتہ الجیش معارک جہانگشائی وجہان بانی، تقدمتہ العیش محافل کام بخشی وکامرانی، مخزن اسرار خلیفہ الٰہی، مجموعۂ اطوار ہواداری وخیر خواہی، مونس وحد تسرای حضور، محرم خاص الخاص سراسر سرور، صاحب فطرت عالی، عنوان مثال بمثالی، انجمن آرای محفل پادشاہی، بارک بین دقایق آگاہی، ہمدم دلکشای حریم خاص، جلیس خلوتسرای وفا واخلاص، دقیقہ یاب سرایر سلطانی، موشناس عالم مزاج دانی، صحت نسخہ دانشوری ودانائی، فہرست مجموعہ بینش وبینائی، شناسای رموز سلطنت و اُبہت، نگاہبان قواعد نصفت وعدالت، قدوہ خوانین سموالمکان، عمدۂ امرای رفیع الشان، مشید ارکان دولت عظمیٰ، ممہد ضوابط خلافت کبریٰ، اعم عالی مقدار، تالیق سعادت شعار، مبارز الملت والدین آصف جاہ خان کوہ تمکین، دردامنِ کوہ شرقی آن بلدۂ طیبہ احداث نمودہ منظور نظر والا ومطرح شعاع قبہ چتر گردون فرساگشت وحقیقت آب جوئی کہ بہ جہت سیرابی باغ مذکور از نہرے کہ پایان موضع داچی گام من اعمال پرگنہ پھاک میگذرد ودر فرح بخش کہ واقع است دران موضع معرف بہ شالمار مابدولت واقبال در ایام فرخندہ فرجام شاہزادگی احداث فرمودہ بودیم، درین والا بہ مبارکی وفیروزی دران سرزمین فرح بخش نزول اجلال فرمودم۔ مجددا توجہ جہان را بہ ازدیاد کمیت وکیفیت عمارات آن باغ دلکشا مبذول فرمودیم کہ تازگی تمام وآراستگی مالاکلام یافت۔

الحق باغی مرتب گشتہ کہ اعتدال ہوایش فرح افزا، وصفا والطافتش نہایت دل دکشا، وحوض کوثر میانش از عین صفا عکس پذیرفتہ، آب آئینہ کردارش از صور عیون واشجار صحفہ تصویر گشتہ، کسان آن موتمن الدولہ کہ قلیلی از ان نہر فیض بحر جدانمودہ بہ باغ نشاط جاری ساختہ اند سعی موفور وکدنا محسور دران باب بہ ظہور سایندہ۔ این معنی موجب سرسبزی اشجار میوہ دار آن باغ شدہ بہ عرض مقدس رسید۔

بناء علیہ بطریق التمغا وعنوان دوام بقا آب جوی مذکورہ بباغ مزبور بشر طیکہ زمین

مواضعی کہ از آب این نہر ہمیشہ مزروع می شد واز بردن این آب فتوری وقصوری در عمارات و زراعات آن دہ رہ نیابد متعلق ومخصوص داشتہ حکم فرمودیم بطریقی کہ جریان دارد ہمہ وقت مستمر وبرقرار بود۔ در ہیچ آنی از آوان وزمانی از ازمان فردی از افراد انسانی مانع ومتعرض و شریک آن نگردو دوست تصرف وتعرض ازان کشیدہ کوتاہ دارد۔

وفرزندانِ کامگاروندیمان عالی مقدار ودیوانیان کفایت شعار وامرای رفیع الشان و ذوالاقدار وسایر متصدیان مہام دیوانی ومساشران اشغال سلطانی باالتخصیص حکام کرام حال واستقبال صوبہ دل پذیر کشمیر حسب التحریر مقرر دانستہ عطیہ مذکورہ رامعلا وموید شناسند تا انقراض زمان وانقطاع جہان۔ چنانچہ مقتضای التمغای این دودمان است از شائبہ تغیر و تبدیل مصون شناختہ ہر سال حکم فرمان مجدد نہ طلبند۔فقط''

ترجمہ: (جب سے خدائی فیض کے بادلوں کے قطرات نے اس انصاف بنیان خاندان کی لطف کے پانی سے پرورش کی ہے، احسان کی ندی سے عالی قدر امیروں، جو مضبوط قصر عظمت کے ستون ہیں، کی اُمیدوں کے باغ سرسبز وشاداب ہیں اور جب سے فضلِ خداوندی کے ابر کی بارشوں نے اس عدل پرور خاندان کے وسیع سمندر کو موج انگیز کر دیا ہے، اس کی نہروں کی نالیوں سے قدر ومنزلت والے رؤسا، جو تخت خلافت کے پایے ہیں، کی آرزؤں کے چمن سیراب وتر وتازہ ہیں۔ان کے درختوں کی استوار جڑیں، اس تابناک حکومت کے پرشکوہ پہاڑ کے چشموں سے نمدار ہیں اور ان کے شگوفوں کی ڈالیاں اس آسمان مدار سلطنت کے شبنم کرم سے نشو ونما پاتی ہیں۔ آسمان نشان بلند ارادہ ہمت اور سمندر گون قدسی نیت اور ضمیر، عرصہ جہان کی شگفتگی کے لئے اور ہندوستان کے مقبوضہ ممالک وغیرہ (اللہ تعالیٰ ان کو حوادث اور مصائب سے محفوظ رکھے) کے حق میں صفاو پاکیزگی کے ساتھ بڑھتے ہی رہتے

ہیں اور رونق و مرتبہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ملک کشمیر کے مسرت افزا باغ اور دل کشا پاکیزہ مقامات جن کی طرف روشن قدر دل کی توجہ وتربیت اور میل خاطر سزا وار و لائق ہے، مصروف ومعطوف رہتے ہیں۔

پس جب سعادت بار جلوس کے ساتویں بابرکت سال میں کشمیر کا دل پذیر ملک قدوم ہمایونی کی شان و شوکت سے سعادت مند ہوا، اور خلافت وحکومت کے رکن، معتمد سلطنت وکشور کشائی، شجاعت و بختیاری کی انگشتری کا نگینہ، عظمت و کامگاری کے ہیرے کی روشنی، ملک و دولت کی گرہوں کا عقدہ کشا، فتح ونصرت کے سوار لشکر کا سپاہ آرا، جان باز دلاوروں کا مایہ افتخار، وفادار اخلاص مندوں کا برگزیدہ، سلطنت واقبال کے نگین دان کا ہیرا، عظمت و وقار کی آستین کی زیبائش، جہان کشائی اور جہان بانی کے معرکوں کا ہراول، کام روائی اور کامرانی کی محفلوں کا میر عشرت خلیفہ الٰہی کا مخزن اسرار، خیر خواہی اور نیک چاہتوں کا مجموعہ اطوار، حضور کی خلوتسرا کا مونس، سراپا سرور کا خاص الخاص، صاحب فطرت عالی، مثال بے مثال کا عنون، پادشاہی محفل کا انجمن آرا، آگاہ دقایق کا باریک بین، حریم خاص کا ہمدم دلکشا، وفا واخلاص کی خلوت گاہ کا ہم نشین، اسرار سلطانی کا رمز شناس، مزاج دانی کی کیفیتوں کا نکتہ رس، دانشمندی اور دانائی کا نسخہ صحت، بینش وبیانائی کے مجموعہ کی فہرست، رموز سلطنت وشکوہ سلطانی کا شناسا، انصاف وعدالت کے ضوابطہ کا نگہبان، بلند مقام خوانین کا پیشوا، امرای رفیع القدر کا برگزیدہ، حکومت عظمیٰ کے ارکان کو استحکام بخشنے والا، خلافت کبریٰ کے ضوابط کو آراستہ کرنے والا، سب کا شناسا صاحب قدر ومنزلت، سعادت نشان اتالیق، دین وملت کا مجاہد، کوہ وقار آصف جاہ خان نے نشاط باغ کو اس ملک کے مشرق میں واقع پہاڑ کے دامن میں بنوایا جو والا نظروں میں پسندیدہ اور آسمان کو چھونے والی چتر کے قبہ کی

شعاعوں کا مقام قرار پایا۔ندی کی حقیقت یہ ہے کہ اسے مذکورہ باغ کو سیراب کرنے کی خاطر اس نہر سے جو داچی گام گاؤں کے آخر میں پھاک پر گنے کے علاقے سے گذرتی ہے اور فرح بخش میں آتی ہے، ما بدولت واقبال نے شہزادگی کے مبارک انجام دنوں میں اس گاؤں میں کھدوانے کا حکم دیا تھا جو شالیمار کے نام سے جانا جاتا ہے۔حال ہی میں اس فرح بخش زمین پر ہم نے مبارکی وفیروزی کے ساتھ نزول اجلال فرمایا۔نئے سرے سے ہم نے اپنی جہان آرا توجہ اس باغ دل کشا کی کم یا زیادہ ہونے کی کیفیت کی طرف مبذول فرمائی جس سے اس نے ناقابل بیان شگفتگی اور مکمل آراستگی پائی۔

سچ تو یہ ہے کہ ایسا باغ ترتیب پایا ہے جس کی ہوا کا اعتدال بے نہایت فرحت افزا ہے، جس کی لطافت وصفا نہایت دلکشا ہے۔اس کے بیچ کا حوض کوثر چشمہ صفا کا عکس پذیر ہے۔اس کا آئینہ مثال پانی چشموں کی اور درختوں کی صورتوں سے صحیفہ تصویر بن گیا ہے۔ آپ امین سلطنت کے آدمیوں نے اس فیض بحر ندی کے کچھ حصے کو الگ کر کے نشاط باغ میں لے آئے ہیں۔اس باغ کے میوہ دار درختوں کے سرسبز بن جانے کی خبر عرض مقدس میں پہنچی ہے۔

اس سبب سے مذکورہ ندی کو ہم نے شاہی فرمان اور ہمیشہ قائم وباقی رہنے والے عنوان کی راہ سے مذکورہ باغ سے مربوط ومخصوص کئے جانے کا حکم فرمایا بشرطیکہ ان دیہات کی زمین کی اس نہر کی پانی سے ہمیشہ کھیتی ہوتی رہے اور اس کے پانی سے گاؤں کے مکانوں اور زراعت کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور جس طریقے پر چل رہی ہے کل وقت کیلئے جاری اور برقرار رہے گی۔کسی بھی وقت اوقات میں سے اور کسی بھی زمانے میں زمانوں میں سے،لوگوں میں سے کوئی فرد بشر اس میں نہ مانع ہوگا اور نہ ہی شریک، اور دستِ تصرف و

تعرّض دراز کرنے سے باز رہے۔)

اور افغان دور میں عظیم خان نے اس سرسبز و شاداب باغ کی تھوڑی سی مرمت کی تھی لیکن راجہ رنبیر سنگھ نے ۱۲۹۳ھ (۳۶) میں اس کی مناسب حال ترمیم و تجدید کی۔

باغ جہان آرا

شاہزادہ داراشکوہ نے ڈل جھیل میں حضرت بل کے جنوب کی طرف بٹ مزار کے ساتھ ایک خوشنما جزیرے کو بنا کر اس میں جہان آرا کے نام سے ایک مرغوب خاطر باغ بنایا۔ اور یہ زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ منہدم ہو گیا۔ دُرّانی عہد میں لعل شاہ نامی ایک فقیر وہاں رہنے لگا تھا۔ اب اسے تکیہ لعل شاہ کہتے ہیں۔

باغِ شاہ آباد

باغ جہان آرا کے ساتھ ڈل جھیل کے کنارے پر منہ پھول نامی ایک وسیع باغ حضرت بل کے نزدیک جنوب میں داراشکوہ نے بنایا تھا ؎ سلیم:

عروسِ گل چو از داماد گوید　　جہان آرا و شاہ آباد گوید
فتادہ این دو گلشن مست و شاداب　　یکی بر آب دیگر برلب آب

(پھول کی دُلہن جب دُولہا کی بات کرتی ہے تو جہان آرا اور شاہ آباد کا نام لیتی ہے۔ یہ

دونوں چمن زار مست وشاداب پڑے ہیں۔ایک پانی پراور دوسراپانی کے کنارے پر۔)

باغ پری محل (۳۷)

کت لنہ نام سے مشہور ہے۔تھید گاؤں کے قریب پہاڑ کی کمر پر داراشکوہ نے اپنے رُوحانی مرشد ملاشاہ کی فرمایش پر یہ دلکشا باغ متعدد درجوں کے ساتھ بنایا تھا۔اس کے متصل ایک چشمہ ہے جس کا پانی ایک نہر کی راہ سے اس گلزار کے پھولوں اور درختوں کو شاداب کردیتا تھا۔

اس وقت جنوں کیلئے وقف ہے اور سانپوں اور زہریلے افعیون کا مسکن۔اس کے بنے ہوئے درجے ابھی بھی موجب حیرت ہیں۔

باغ چارچنار

جھیل ڈل کے کنارے پرکوہ سلیمان کے دامن کے نیچے شاہزادہ مرادبخش نے بنایا تھا(۳۸)۔چارچنارابھی موجود ہیں۔حکام وسلاطین ہمیشہ یہاں بیٹھا کرتے تھے۔

باغِ ملاّشاہ

پھاک پرگنہ کے درند گاؤں کے قریب داراشکوہ نے اپنے استاد ملاشاہ کی خواہش پر

پہاڑ کی جبین پر بسایا۔ اس کے بیچ میں سے شاہی ندی گذرتی ہے۔ سنگین عمارت اور مضبوط حمام ابھی بھی موجود ہیں۔

اورنگ آباد

لوکھ بھون چشمے کے اُوپر عالمگیر بادشاہ کے فرمان سے ایک دلکشا باغ بنایا گیا تھا جو مکمل نہ ہو پایا۔

ظفر آباد

۱۰۴۳ھ میں بریہ وأر کے مقام پر زونی مر محلے میں آنچار سر کے کنارے ظفر خان احسن، جو شاہجہان بادشاہ کے عہد میں یہاں کا حاکم تھا، نے بسایا۔ میر الٰہی ؎

ظفر خان کرد از طبع ملون بعرض چاردہ مہ چار گلشن

(اپنی رنگین طبعی سے ظفر خان سے چودہ مہینوں میں چار باغ بنائے)

باغِ گلشن

۱۰۴۴ھ میں بوٹہ کدل سے احمد اکدل تک جھیل کے جنوبی کنارے پر ظفر خان نے

بسایا تھا۔

باغ احسن آباد

حسن آباد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مذکورہ ظفر خان نے نایدیار کے شمال میں بسایا تھا۔ اس میں پختہ اور سنگین عمارتیں اور امام باڑہ اور ایک محکم فصیل تھی۔ سنگین عمارتوں کی بنیاد ابھی موجود ہے اور باغ مفقود۔

باغ عنایت

سید محمد مدنیؒ کی زیارت کے شمال کی طرف میں تھا۔ لچھمہ کول اس کے بیچ میں سے چلتی تھی۔ یہی چار باغ ظفر خان احسن (۳۹) کے بنائے ہوئے ہیں۔

حیدر آباد

نوشہرہ کی طرف نالہ کے متصل جہاں پہلے سلطان زین العابدین کا باغ تھا۔ علی مردان خان نے سنگین حویلیوں، فواروں اور دل پسند آبشاروں کے ہمراہ اسے اپنی رہائش کیلئے بنایا تھا۔

باغ علی آباد

تیل بل گاؤں سے اُوپر شاہجہان بادشاہ کے عہد میں علی مردان خان نے سال ۱۰۶۴ھ میں بلند عمارتوں، پختہ دیواروں، بڑی نہر اور ایک وسیع تالاب اور دل پسند آبشاروں اور فواروں کے ہمراہ بنایا تھا۔اس کے آثار موجود ہیں۔

باغ ارادت خان

سونتی بٹن ہار کے مقام پر ناوہ پورہ کے مشرق میں ارادت خان نے سال ۱۰۳۰ھ میں جہانگیر کے عہد میں بسایا تھا اور اس کے مشرق کی طرف میں برج اور عمارتیں اور سنگین زینے بنوائے اور ان کی ایسی نازک پنجرہ کاری اور گلکاری کروائی کہ کسی اور جگہ موجود نہ تھی۔

کہتے ہیں پنجرہ ساز بڑھئی کو صلہ وانعام دے کر اس کے ہاتھ کاٹ دیئے تا کہ وہ کسی اور جگہ نہ بنا سکے۔اب اس کے کوئی آثار باقی نہیں۔

باغ دلاور خان (۴۰)

برار نمبل کے مغربی کنارے پر محلّہ قلاش پورہ کے ساتھ دلاور خان (۴۱) نے

جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں سال ۱۰۲۷ھ میں بنایا تھا۔ حکام کی مرمت کرنے کے باعث ابھی بھی اس کی حالت باقی ہے۔ تاریخ "عمارت شاہی" (۴۲)۔

باغ لشکر خان (۴۳)

پھاک پرگنہ کے بٹ پورہ گاؤں میں جھیل ڈل کے شمالی کنارے پر سیف خان نے، جو بادشاہ عالمگیر کی طرف سے کشمیر کا حاکم ہوگیا تھا، سال ۱۰۶۸ھ (۴۴) میں بسایا۔ اس کو سیراب کرنے کیلئے وہ سندلار سے خاص نہر لایا تھا۔ لیکن اس کا تبادلہ ہو جانے کی وجہ سے پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ پایا۔ ایک ظریف نے کہا ہے ؎

سایہ گر نیست سیف آباد را می توان پیغمبر باغات گفت

(اگر سیف آباد کا کوئی سایہ نہیں، اسے باغوں کا پیغمبر کہا جا سکتا ہے)

راجہ رنبیر سنگھ نے سال ۱۲۹۳ھ میں (۴۵) میں ریشم کا کارخانہ بنوایا اور اس کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا باغ لگوا کر اسے اپنے نام سے (۴۶) موسوم کر دیا۔

باغ اقوام الدین خان

عیدگاہ کے مغرب میں رت پورہ گاؤں میں نور باغ کے ساتھ قوام الدّین خان نے سال ۱۰۸۰ھ میں عالمگیر بادشاہ کے زمانے میں بنایا تھا۔ اب معدوم ہے۔

باغ صدارت خان

پھاک پرگنہ کے پاند چھ گاؤں میں شاہجہان بادشاہ کے وزراء میں سے ایک وزیر صدارت خان نے بسایا۔

باغ صادق آباد

حضرت بل کے نام سے معروف ہے۔ صادق خان، جو شاہجہان بادشاہ کے امراء میں سے تھا، نے جھیل ڈل کے مغربی کنارے پر اس دلکشا باغ کو ایک خوشنما عمارت کے ہمراہ تعمیر کیا۔

۱۰۴۴ھ (۴۷) میں شاہجہان بادشاہ نے اس قصر میں تجدید وضو کر کے دوگانہ رکعت نماز ادا کی اور فرمایا: ”صادق خان! یہ عمارت عشرت گاہ نہیں بلکہ ایک عبادت گاہ ہے“۔ ۶۷ رسال گذر جانے کے بعد سال ۱۱۱۱ھ (۴۸) میں موی مبارک نبویؐ جسے خواجہ نورالدین ایشہ بری نے کافی زحمت اُٹھانے کے بعد بیجاپور سے (۴۹) حاصل کرلیا تھا، اس کی میت کے ہمراہ کشمیر پہنچا۔ فاضل خان نے (۵۰)، جو ان ایام میں یہاں کا صوبہ دار بن گیا تھا، شہر کے بزرگوں سے صلاح ومشورہ کرنے کے بعد ان مذکورہ عمارات کو موی شریفؐ کی زیارت کیلئے وقف کر دیا اور اس کا نام حضرت بل رکھا (۵۱)۔ اب اس کی حیثیت باغ کی سی نہیں رہی۔ درگاہ کے معتقدین نے عمارت کی ترمیم کر کے مغرب کی طرف وسیع کرنے

کے بعد ایک مسجد بنائی اور مشرق میں سال ۱۲۸۵ھ (۵۲) میں ایک وسیع خانقاہ اور بلند ایوان اس کے ساتھ ملا دیئے گئے۔ اولین تعمیر کیلئے تاریخ نکالی گئی عشر تگاہ اولی (۵۳)۔ راقم الحروف کے دل میں عشر تگاہ اولیاء کا خیال گذرا۔ تاریخ ۔

پی سالِ تاریخِ این خوش بنا خرد گفت : ''عشر تگاہِ اولیا'' (۵۴)

(اس نیک بنیاد کی سال تاریخ کے بارے میں عقل نے کہا: ''عشر تگاہِ اولیا'')

باغ افضل آباد

حضرت بل کے قریب شمال کی طرف افضل خان (۵۵) نے بسایا، جو شاہجہان بادشاہ کے امراء میں سے تھا۔

باغات جعفر خان (۵۶)

عالمگیر بادشاہ کے عہد میں تین باغ آباد کئے ہیں۔ ایک جزیرہ ہے جسے اس وقت بتہ مزار کہتے ہیں اور باغ جہان آرا کے ساتھ ہے۔ دوسرے دو باغوں کی تحقیق نہیں ہو پائی۔

قاضی باغ

مان سر چشمے کے کنارے پر مشرق کی طرف ابوالقاسم نے، جو قاضی زادہ کے نام سے معروف ہے، بسایا تھا۔ درگجن کا پشتہ بھی اسی نے بنوایا ہے۔

چوہدری باغ

چوہدری مہیش (۵۷) نے، جو شاہجہان بادشاہ کے زمانے میں وقت کے بڑے لوگوں میں سے ایک بڑا آدمی تھا، ایشہ براری کے نزدیک بنایا۔ کہتے ہیں اس میں اسی چمن تھے اور وتالن مرگ کے پشتے کی، جو (۵۸) سلطان سکندر کا یادگار پشتہ تھا، اسی نے مرمت کی۔

حاکم کشمیر سیف خان نے اس باغ کا ملاحظہ کرنے کے بعد کہا: ''چوہدری نے باغ نہیں کیا سیف خان کے دل کو داغ کیا۔''

باغ افراسیاب خان

محمد شاہ کے عہد میں افراسیاب خان (۵۹) نے حضرت بل کے متصل شمال کی طرف بسایا تھا۔

باغ کفایت خان

خانیار محلے میں کفایت خان نے، جو سال ۱۲۰۸ھ (۶۰) میں افغانوں کی طرف سے نائب حاکم تھا، عمارتوں، درختوں اور چمن زاروں کے ہمراہ آباد کیا۔ اس وقت کاشت کی زمین ہے اور پنڈت مہانند جودر کے قبضے میں ہے۔

باغ امرود

ٹینکی پورہ پل سے نٹی پورہ تک جہانگیر بادشاہ اور شاہجہان کے عہد سے بنا ہوا تھا۔ امرود کی مختلف قسموں کے درخت اس میں اس کثرت سے موجود تھے کہ آفتاب کی کرنیں اس میں اُترتی ہی نہیں تھیں اور شگوفے کے موسم میں شہر کے لوگ سیر و تماشا کرنے کیلئے وہاں جایا کرتے تھے۔ امیر خان (٦١) کے زمانے تک باقی تھا۔

باغ انگور

دریارہ لری پہاڑ سے، جو صفاپور کے نزدیک ہے، شاہ محمد صادق قلندرؒ کی زیارت تک پہاڑ کے دامن میں اگلے سلاطین کے عہد میں انگور کے تاک بوئے گئے تھے۔ چغتائی بادشاہوں نے اس میں مرمت بڑھا کر اس کی انگور کے اقسام کو دنیا بھر میں مشہور کر دیا اور ان کو ملکوں اور شہروں میں بادشاہوں کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا کرتے تھے۔

دُرّانی سلاطین نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور خراب ہو گیا۔ صرف رپور گاؤں میں چند تاک باقی رہ گئے۔ راجہ گلاب سنگھ نے اسے ترقی دی اور خود مہاراج باغ کے نام سے اسے آباد کیا۔

راجہ رنبیر سنگھ نے ۱۲۹۴ھ (٦٢) میں وندہامہ گاؤں کے قریب نہایت وسیع اور کشادہ باغ انگور بنایا اور اس کا نام رنبیر باغ رکھا۔

رپور کے باغوں کے انگور ہندوستان میں مشہور ہیں۔ یورپی لوگوں کو بھی پسند ہیں۔

مثنوی ہفت منزل میں ظفر خان احسن لکھتا ہے کہ مغل بادشاہوں نے قصبۂ اسلام آباد سے ویری ناگ کی حدود تک راہ میں دائیں بائیں انگور کے درخت بوئے تھے۔

زسر حدِ اچھ تا حدِ ویری ناگ رود لشکر ہمہ دریۂ تاک

(اچھ کی حدود سے ویری ناگ کی حدود تک ساری فوج انگور کے درختوں کے سایے میں چلتی ہے)

باغ توت

مایا سوامی نام کے ایک ریاضت کش آدمی نے تخت سلیمان کے دامن میں گوشہ نشینی اختیار کر کے چونٹی کول ندی کے کنارے پر ایک عجیب باغ آراستہ کیا تھا، جسے تکیۂ مایا سوامی کہتے تھے۔ شہر کے لوگ سیر سپاٹے کیلئے وہاں جایا کرتے تھے۔ حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے مذکورہ تکیہ خرید لیا اور دریائے بہت کے کنارے اور امیرا کدل سے کوہ سلیمان تک کا رقبہ اس میں شامل کر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پیوندی توت کے درخت لگا کر اہل شہر کے جانوروں کیلئے بطور چراگاہ وقف عام کر دیا۔ دُرّانی بادشاہوں (٦٣) کے زمانے تک اس میں بعض درخت موجود تھے۔

حاجی کریم داد نے اس کے باقی درختوں کو کاٹ کر اسے گھوڑ دوڑ کا میدان بنا دیا اور سفیدار کے درخت لگائے جو ابھی تک موجود ہیں۔ اس کے گرداگرد چمن بندی کر کے بہت سے میوہ دار درخت کاشت کئے اور اس کے شمال کی طرف چونٹی کول ندی کے کنارے پر ایک چنار زار بھی لگوایا۔ کہتے ہیں مچھر وہاں بہت کم ہوتے ہیں۔

سکھوں کے زمانے میں ہری سنگھ (٦٤) نے اس میں ایک باغ بنوایا۔ اس کے بعد شیخ محی الدین نے اس کے جنوبی کونے میں اپنی طرف سے آبشار لگوائی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں سیاح انگریز صاحبوں کیلئے دریا کے کنارے بہت سے بنگلے قیام گاہوں کے طور پر بنوائے گئے اور ریذیڈنسی محکمے کیلئے بلند و بالا عمارتیں اور وسیع باغات تعمیر کئے گئے۔

دولت آباد

جوگی لنگر پل سے سورہ ٹینگ کی حدود تک رواں رینہ کے بیٹے ابدال رینہ نے ایک وسیع باغ بسایا تھا، جو اس وقت رعناواری کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے پوتے جہانگیر رینہ نے مذکورہ باغ کو بابا اسماعیل کے خادموں کی نذر کر دیا اور وہ ایک عرصے تک اس پر قابض تھے۔

کہتے ہیں انگور کے ہزاروں درخت اس میں لگائے گئے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ حمزہؒ ایام کم عمری میں اپنے مربی کے حکم سے اس کی نگاہبانی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت باباؒ نے اپنی رحلت فرمانے کے وقت مذکورہ باغ کو شہر کے لوگوں کے مزار کیلئے وقف عام کر دیا اور ملہ کھاہ کے ساتھ شامل فرما دیا۔ اب اکثر رقبہ تعمیرات کے نیچے ہے۔

امیر آباد

امیر خان جوان شیر نے اپنی حکومت میں جب نندہ پورہ کے ہانجیوں کی بیٹی کے

ساتھ نکاح کیا، اس نے اس وجہ کی بناء پر نندہ پورہ میں اپنا امیرانہ محل تعمیر کرا کے اس میں ایک وسیع باغ بنایا اور درشنی باغ سے جو جروکہ شاہی کے سامنے تھا، صفہ اور حوضوں، نیز آبشاروں اور فواروں کے پتھر اکھیڑ کر وہاں نصب کروائے۔

باغ آقا حسین

جو افغان امیروں میں سے تھا، نشاط باغ سے جنوب کی طرف مشہور ہے۔

باغ سوکھ رام

سکھوں کے زمانے میں کشمیر کے رئیسوں میں سے تھا۔ کوہ سلیمان کے دامن میں اس وقت موجود ہے۔

باغ بہمان سنگھ

شیر گڈھ بالا سے نٹی پورہ کے متصل بہمان سنگھ نے اپنی حکومت میں بسایا (سال ۱۲۴۵ھ (۶۵) میں)۔

رام باغ

دیوان کرپارام (۶۶) کے تعمیرات میں سے دودھ گنگا کے کنارے پر نٹی پورہ کے

ساتھ ہے۔سال ۱۲۷۴ھ (۶۷) میں راجہ گلاب سنگھ کا وہاں سنسکار ہوا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے سال ۱۲۷۵ھ میں اس کے شمشان پر مندر اور تعمیرات بنوائے۔

شیخ باغ

امیرا کدل کے متصل مشرق میں ۱۲۵۹ھ (۶۸) میں شیخ محی الدین نے بسایا۔اس وقت یورپی لوگوں کا قبرستان ہے۔

باغ ہری سنگھ (۶۹)

شیخ باغ کے ساتھ سردار ہری سنگھ نے اپنی حکومت کے دنوں میں بسایا۔

بسنت باغ

شیر گڈھ کے مقابل میں مشرق کی طرف دریا کے کنارے پر کرنل میاں سنگھ (۷۰) نے اپنی حکومت کے ایام میں بنوایا اور نو مسجد کے صحن اور حوض کے پتھر اکھیڑ کر اس میں لگوا دیئے۔(۷۱)

منشی باغ (۷۲)

منشی تلوک چند نے، جو سکھوں کے عہد میں صاحب کار تھا، باغ ہری سنگھ سے اُوپر

کی طرف یہ باغ بسایا۔

باغ گلاب سنگھ

شیر گڈھ سے مغرب کی طرف ٹینکی پورہ پل کے قریب مہاراجہ گلاب سنگھ نے بسایا۔

حضوری باغ

سال ۱۲۸۸ھ (۷۳) میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے شیر گڈھ بالا سے اُوپر بہمان سنگھ باغ کے ساتھ عمارتوں، پھولوں اور درختوں کے ہمراہ بسایا۔

سمندر باغ

مایہ سومہ میں مہاراج رنبیر سنگھ نے بسایا۔

رُگناتھ باغ

پھاک پرگنہ کے حبک گاؤں (۷۴) میں سیف خان باغ کے متصل رنبیر سنگھ نے بسایا۔

کوٹھی باغ

امیرا کدل سے اُوپر دریا کے کنارے پر جنوب کی طرف مہاراجہ رنبیر سنگھ نے سال ۱۲۹۲ھ (۷۵) میں بنایا اور دریا کے کنارے پر عالی شان عمارتوں پر مشتمل بڑے بڑے دیوان خانوں، ایوانوں، نظارہ خانوں، نشست گاہوں کو جھاڑ اور فانوسوں سے مزین اور گونا گوں شکلوں، تصویروں اور مختلف اقسام کے رنگوں سے منقش کر کے اپنی نشست گاہ کے طور پر نیز برطانیہ کے صاحبوں کی آمد و رفت کی خاطر لال نام سے کمال آراستگی اور خوبصورتی کے ساتھ تعمیر کروایا۔

سال ۱۳۰۳ھ (۷۶) میں بھونچال کی وجہ سے اسے تھوڑا نقصان پہنچا۔

خواجہ باغ

ضلع خانیار کے تھنگہ محلہ میں خواجہ ثناء اللہ شال نے زمین کے مالکوں سے کافی زمین خرید کر اپنے دولت خانہ کے ساتھ ایک روح افزا اور دل کشا باغ و گلزار حوضوں، فواروں، آبشاروں، عمارتوں اور ایوانوں کے ہمراہ سال ۱۲۹۵ھ میں بنایا (۷۷) اور ایک لاکھ روپے سے زیادہ رقم خرچ کی۔

یادداشتیں

(۱) ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی مصنف کشیر (جلد۲رص ۵۲۸رمطبوعہ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۴۹ء لاہور) نے لارنس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سلطان زین العابدین جہاں کہیں بھی جاتا تھا باغوں اور بوستانوں کی بنیاد ڈالتا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور چار باغ ہیں ایک باغ زینہ گیر، دوسرا باغ زینہ ڈب، تیسرا باگ زینہ پور اور چوتھا باغ زینہ کوٹ۔ اب ان کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے۔

(۲) اتر مچھی پورہ میں ترہ گام گاؤں (اب تحصیل ہندوارہ) کشمیر کے خوبصورت ترین علاقوں میں سے ایک علاقہ ہے۔ کہتے ہیں اس کی بنیاد چکوں کے جد نے ڈالی تھی (ایضاً یہی صفحہ)۔

(۳) چک قوم کی جرأت وشجاعت پر موسیو لارنس لکھتا ہے کہ ان کی اصل کشمیر سے ہے۔ شاید درد قبیلے سے ہو (ویلی آف کشمیر ص ۱۹۳)۔

(۴) نوشہرہ یعنی نیا شہر (فارسی میں) سرینگر میں ایک محلہ ہے شمال کی طرف تین میل دور شہر کے مرکز سے۔ میونسپلٹی کی حدود میں داخل ہے۔ سلطان زین العابدین کے عہد میں پادشاہی دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے تاریخی شہرت پائی تھی۔

(۵) وفات ۹۷۷ھ = ۱۵۶۹ء۔

(٦) خواجہ معین الدینؒ خواجہ خاوند محمود نقشبندیؒ کے فرزند ہیں اور وہ ہیں فرزند خواجہ کلان کے جو خواجہ بزرگ خواجہ ناصرالدین عبیداللہ احرارؒ کے لقب اور نام سے مشہور ہیں۔ جلوس اکبری کے آٹھویں سال میں (۹۷۰ھ = ۱۵٦۲ء) اپنے فرزند کی اقبال مندی کی شان وشوکت کی خبر سن کر میرزا اشرف الدین احراری کاشغر سے ہندوستان میں داخل ہوگئے اور سال ۹۷۱ھ میں جب آپ سفر حجاز پر جا رہے تھے تو بندر کھمبایت میں پہنچ کر وفات پائی (ماثر الامرا جلد ۳رص ۲۳۳ اور ۲۳۴)۔

(۷) خواجہ بزرگ خواجہ عبیداللہ احرار کے دوسرے فرزند اور مذکورہ خواجہ معین الدین نقشبندی کے والد بزرگوار ہیں۔ طریقت ودرویشی میں بلند پایہ کے حامل تھے۔ حج کرنے کی سعادت پائی۔ عراق اور فارس گئے۔ ایک عرصے تک مولانا عمادالدین محمود طیب سے علم طب پڑھا۔ ذاتی استعداد کی وجہ سے کمال کی حدود سے تجاوز کیا اور سمرقند لوٹ

آئے۔ جب ہندوستان آئے تو جنت آشیانی اکبر نے بڑی تعظیم کی۔ پھر کسی وجہ سے کابل چلے گئے اور وفات کی (ایضاً صفحہ مذکور)۔

(۸) لارنس کے بقول یوسف شاہ چک کشمیر کا وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے گلمرگ کو دریافت کیا (ویلی آف کشمیر ص ۱۹۳)۔

(۹) کشمیر کے حاکم امیر خان جوان شیر کے حکم سے سال ۱۷۷۰ء میں جروگہ شاہی اور روشنی باغ کو منہدم کر دیا گیا (کشمیر جلد ۲ ص ۳۱۴)۔

(۱۰) اس کا صحیح نام ہے خواجگی محمد حسین۔ میر بحر قاسم خان کا چھوٹا بھائی ہے۔ عرش آشیانی کے پانچویں سال جلوس (۹۶۷ھ = ۱۵۵۹ھ) میں خانخانان منعم بیگ کے ہمراہ کابل سے آکر ملازمت کا شرف پایا۔ کشمیر کے سفر میں پادشاہی رکاب کے ساتھ تھا۔ جہانگیری پانچویں سال میں جب صوبہ کشمیر کی حکومت اس کے بھتیجے ہاشم خان کے لئے مقرر ہوئی تو بادشاہ نے ہاشم خان کے پہنچنے تک صوبہ کے بندوبست کی خاطر اسے روانہ کیا۔ جہانگیری جلوس کے چھٹے سال کے آخر میں سال ۱۰۲۰ھ میں زندگی کا لباس اُتار دیا۔ جہانگیر نامہ میں بادشاہ نے لکھا ہے کہ کوسہ تھا (مآثر الامرا جلد ۳ ص ۶۷۱۔۶۷۲)۔

(۱۱) ۱۰۰۳ھ = ۱۵۹۴ء۔

(۱۲) کوٹھی ایک ہندی لفظ ہے یعنی محل۔

(۱۳) ۱۳۰۱ھ = ۱۸۸۴ء۔

(۱۴) شاید امیرا کدل میں واقع شیر گڈھی کی موجودہ عمارات سے ہے۔

(۱۵) آخوند ملا شاہ بدخشی مترجم پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد کے جد بزرگ تھے رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ واسعتہ۔

(۱۶) ۱۰۵۹ھ = ۱۶۴۹ء۔

(۱۷) محبت کا دیوتا۔

(۱۸) جی ایم ڈی صوفی نے کشمیر میں (جلد ۲ ص ۵۲۹) سٹاین کے حوالے سے لکھا ہے: ''حقیقت یہ نہیں ہے۔ قدیم مورخین جیسے جوناراج اور شری ور نے شالیمار کا ذکر کرنے میں خاموشی سے کام لیا ہے۔ گر یہ جگہ اہمیت والی کوئی جگہ ہوتی تو وہ جھیل ڈل کی طرح اس کا بھی ذکر کرتے۔ البتہ ابوالفضل نے اس کی معمولی سی آبشار کے ضمن میں اس کا نام لیا ہے''۔ اور پھر آگے چل کر ڈاکٹر صوفی نے لکھا ہے: ''نگارستان کشمیر (اُردو زبان میں کشمیر کی تاریخ) کے مصنف (ص ۸۰) اور فراسو یا فرانسو صاحب لغت کی تحقیق یہ ہے کہ شالیمار تر کی لفظ ہے جس کے معنی ہیں آرام و آسائش کی جگہ''۔

(۱۹) ۱۰۳۰ھ = ۱۶۲۰ء۔

(۲۰) آنجہانی راجہ رنبیر سنگھ کے زمانے میں کشمیر کا حاکم اعلیٰ۔

(۲۱) ظفر خان احسن نے شالیمار کی خوبصورتی اور اس کی وسعت کا ذکر اس شعر میں کیا ہے

برآوردہ پر از شوق نگارش ☆ کہ تا بوسد کنار شالا مارش

(۲۲) بقول ڈاکٹر صوفی اس کی چوڑائی ۲۶۷ گز۔

(۲۳) ۱۰۴۳ھ = ۱۶۳۳ء۔

(۲۴) ۱۰۳۲ھ = ۱۶۲۲ء۔

(۲۵) ۱۰۳۴ھ = ۱۶۲۴ء۔

(۲۶) ۱۰۵۰ھ = ۱۶۴۰ء۔

(۲۷) بقول ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی: ''اب چند عالی شان چناروں پر مشتمل ہے'' (کشمیر جلد ۲ ص ۵۳۵)۔

(۲۸) شاہ آباد ویری ناگ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ڈاکٹر صوفی کے بقول چشمہ ویری ناگ (کشمیر کے دریای جہلم کا ایک سب سے بڑا منبع) کی نسبت کی وجہ سے اس جگہ کا پرانا نام ویر تھا لیکن شاہجہان بادشاہ کے زمانے سے اس کا نام ویر سے بدل کر شاہ آباد ہوا۔ سال ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی بنا پر اس کی آبادی ۲۲۱۹ نفوس پر مشتمل تھی۔ شاہ آباد (یا ویری ناگ) جنوبی کشمیر کی حدود پر سب سے بڑے مقامات میں سے ہے۔ اس کی بلندی ۵۶۰۰ فٹ انگریزی ہے (یہی کتاب یہی صفحہ)۔

(۲۹) حیدر ملک چاڈورہ جس کا ذکر ہو چکا۔

(۳۰) ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی اور پنڈت آر سی کاک نے چکیین کی جگہ، جو اصل کتاب میں ہے اور بظاہر کاتب کی غلطی ہے، چنین لکھا ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔

(۳۱) ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۶ء۔ ۱۶۲۷ء)۔

(۳۲) ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) اس وقت نسیم باغ کی کیفیت یہ ہے کہ ایک نہایت پتلی سی ندی شمال سے جنوب کی طرف اس کے درمیان میں بہتی ہے۔ چنار کے درخت جو اس گلستان کی بنیاد کی علامت ہیں ابھی بھی متناسب قطاروں میں موجود ہیں۔ البتہ جیسا کہ حسن نے کہا ہے اب قدیم عمارتوں کا کوئی نشان نہیں۔

(۳۳) اس کا نام تھا میرزا ابوالحسن اور اعتمادالدولہ کا بیٹا تھا اور نور جہان کا بڑا بھائی۔ بیگم نور جہان کا جنت مکانی جہانگیر بادشاہ کے ساتھ بیاہ کرنے کے شرف کو پانے کے بعد میرزا کو اعتقاد خان اور خان سامان کے القاب سے مخصوص کر دیا گیا۔ بائیسویں سال جلوس میں (۱۰۳۷ھ) جنت مکانی نے جب کشمیر سے لوٹ کر راجوری کی منزل سے

کوچ کیا تو راستے میں اپنی عادت کا پیالہ طلب کیا۔ جونہی ہونٹوں پر لے آیا تو مزاج کے موافق نہیں پایا اور ۲۷ رصفر کو آخرت کے سفر پر روانہ ہوا۔ آصف خان نے شورش ختم کرنے کیلئے خسرو کے بیٹے داور بخش کو تخت پر بیٹھا دیا۔ اس عمل سے اس کی بہن اس سے ناراض ہوگئی۔ آصف خان یا آصف جاہ خان ہر علم سے بہرہ ور تھا۔ بہت ہی معاملہ فہم تھا۔ قضیوں اور متنازعہ مسئلوں کا فیصلہ خود کرتا تھا۔ سال ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱ء) میں ایک طویل عارضہ کے سبب وفات پائی۔ تاریخ ہے ۔ زہی افسوس آصف خان (خلاصہ از مآثر الامراء جلد اول ص ۱۵۱۔۱۶۰)۔

(۳۴) ۱۰۴۴ھ (۱۶۳۴ء)۔

(۳۵) ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۴ء)۔

(۳۶) مطابق ۱۸۷۶ء۔

(۳۷) پنڈت آرسی کاک کے بقول پری محل باغ چھ طبقوں پر مشتمل ہے۔ ہر طبقہ لمبائی اور چوڑائی میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ باغ کی مجموعی لمبائی چوڑائی یوں ہے: ''۴۰۰×۱۷۹ ارفٹ انگریزی تک'' (این شنٹ مانومنٹس آف کشمیر ص ۹۷/۹۸)۔

(۳۸) شہزادہ مراد نے یہ باغ سال ۱۶۴۱ء میں تب بنایا جب وہ کشمیر کا صوبیدار تھا۔ اب سوای چند چناروں کے باغ کا کوئی نام ونشان نہیں۔

(۳۹) ظفر خان خواجہ احسن اللہ خواجہ ابوالحسن تربتی کا بیٹا تھا۔ جنت مکانی کے انیسویں سال جلوس میں ترقی کی طرف رُخ کیا۔ فردوس آشیانی شاہجہان بادشاہ کے چھٹے سال جلوس میں جب اعتقاد خان شاہپور کے تبادلہ کی وجہ سے کشمیر کی حکومت اس کے باپ کو تفویض ہوئی تو اسے گھوڑا اور خلعت عطا کئے جانے کے بعد اس صوبے کی نیابت دی گئی۔ چھٹے سال میں (جب اس کے باپ کی وفات ہوئی) بادشاہ نے کشمیر کی حکومت اصالتاً اس کو بخش دی اور اس کی حیثیت میں مزید اضافہ کر کے اسے تین ہزاری منصب، دو ہزار سوار اور علم اور نقارہ سے سرافراز کیا۔ ساتویں سال میں جب بادشاہ نے کشمیر آنے کا ارادہ کیا تو اس نے بھمبر آ کر استقبال کی سعادت پائی۔ دسویں سال میں بادشاہ کے حکم متین پر تبت پر حملہ کیا اور حسن تدبیر کے ساتھ اسے فتح کیا۔ بارہویں سال میں کشمیر کے صوبے سے معزول ہوا اور خان دوران نصرت جنگ کے ساتھ مل کر ہزارہ جات کو تنبیہہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تیرہویں سال میں شہزادہ محمد مراد بخش کے ہمراہ (جسے موجودہ پاکستانی پنجاب کے ضلع خوشاب کے گاؤں بھیرہ میں توقف کرنے کا حکم ملا تھا) جانے کا حکم پایا۔ اس کے دو سال بعد کسی وجہ سے عتاب میں آ کر دو سال تک جاگیر ومنصب سے محروم تھا۔ چودہویں سال کے آخر میں حسب دستور جاگیر بھی بحال ہوا اور منصب بھی۔ پندرہویں سال میں جب عرض اقدس میں یہ خبر پہنچی کہ تاکید کئے جانے پر بھی مسکینوں کے حق میں کشمیر کا حاکم تربیت خان قحط زدگی کے ان ایام میں بھیجی ہوئی نقد رقم کو تقسیم نہیں کرتا تو

خان مذکورہ کوکشمیر کی حکومت کا دوسری بار حکم ملا۔ اس کے بعد اٹھارہویں سال میں کسی امر کی وجہ سے سرکاری ملازمت سے کچھ عرصے کیلئے محروم ہو گیا۔ پچیسوں سال میں تین ہزاری اور ڈیڑھ ہزار سوار کے منصف پر فائز ہوا۔ اگلے سال ٹھٹہ کی حکومت ملی۔ بالآخر انقلابات زمانہ میں سے یوں ہی گذرتا ہوا عالمگیر کے چھٹے سال جلوس میں (۱۰۷۲ھ) لاہور میں وفات پا کر باپ کے مقبرہ میں دفن ہوا۔ ظاہری طور پر بہت حقیر آدمی تھا۔ باپ اس کا خواجہ احسن اللہ سنی تھا مگر یہ خود سخت متعصب شیعہ تھا۔ صائب نے اس شعر میں اس کی تحسین کی ہے۔

خانخانان را بہ بزم ورزم صائب دیدہ ام ☆ در سخا و در شجاعت چوں ظفر خان تو نیست

(ماثر الامراء جلد ۲ ص ۷۵۶ تا ۷۶۳)۔

(۴۰) سکھوں کے دور میں باغ دلاور خان کو انگریزی سیاحوں کی قیام گاہ کے طور پر استعمال میں لایا جاتا تھا (سفر نامہ وائین جلد ۲ ص ۶۰/ اور سفر نامہ مور کرافٹ جلد ۲ ص ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۱۶) اب اس باغ میں حکومت کا ہائر سکنڈری سکول ہے اور سوائے چند قدیم چنار کے درختوں کے باغ کا کوئی نشان نہیں۔

(۴۱) اس کا نام ابراہیم تھا۔ ابتداء میں میرزا یوسف خان رضوی کے ساتھ زندگی گذاری۔ جنت مکانی کے جلوس کے آغاز میں لاہور کی حکومت پا کر سرفراز ہوا۔ تیرہویں سال میں (۱۰۲۷ھ = ۱۶۱۷ء) احمد بیگ خان کا تبادلہ ہونے کی وجہ سے کشمیر کی حکومت مل جانے کا فخر پایا۔ جلوس کے چودہویں سال میں بڑی ہمت و مردانگی کے ساتھ کشتواڑ کو فتح کر کے اسے مقبوضہ ممالک میں شامل کیا۔ کچھ عرصہ بعد اجل طبیعی سے وفات پائی (خلاصہ از ماثر الامراء جلد ۲ ص ۹ سے ۱۲)۔

(۴۲) ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۷ء)۔

(۴۳) پنڈت آنند کول بامزئی نے باغ سیف آباد کو جبک کا نام دیا ہے۔ باغ لشکر خان نام پڑنے کی وجہ کی تحقیق معلوم نہیں۔

(۴۴) ۱۶۵۷ء۔

(۴۵) ۱۸۷۶ء۔ پنڈت آنند کول مذکورہ نے ۱۸۷۶ء کی بجائے ۱۸۷۰ء لکھا ہے (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۱۲۹)۔

(۴۶) یعنی رگھوناتھ پورہ (ایضاً یہی صفحہ)۔

(۴۷) آقای ظاہر وصلی ابن محمد شریف کا بیٹا اور اعتماد الدولہ طہرانی کا برادر زادہ تھا۔ کچھ عرصہ تک باپ کے ساتھ پنجاب کے نواح کی فوجداری میں رہا اور عالمگیری عہد میں مناسب منصب پر ترقی پائی۔ تیرہویں سال میں صوبہ پنجاب اور شمالی پہاڑوں کی حکومت اس کے نام جاری ہوئی۔ جب کشمیر سے لوٹنے کے دوران جنت مکانی کا ناگزیر

واقعہ وفات پیش آیا اور یمین الدولہ (آصف جاہ خان) نے وقت کے تقاضا کے پیش نظر خسرو کے بیٹے داور بخش کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا، صادق خان، جو شاہجہان بادشاہ کے خلاف دشمنی برتتا تھا اپنے کردار کی وجہ سے خائف ہو کر یمین الدولہ سے ملتجی ہوا۔ فردوس آشیانی (شاہجہان) کے اول سال جلوس میں شوہزادگان کے ہمراہ آ کر باریابی کی سعادت پائی اور ارادت خان کی جگہ پر اپنے اصلی ''میر بخشی گری'' منصب پر بحال ہو گیا اور چھٹے سال جلوس میں ۹ ربیع الاول ۱۰۴۳ھ میں رحمت الٰہی میں جاملا (ماثر الامرا جلد ۲/۳۰ اور ۷۲۹)۔

(۴۷) ۱۶۳۴ء۔

(۴۸) ۱۶۹۹ء اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازیؒ کے عہد میں۔

(۴۹) بیجاپور جنوبی ہندوستان (دکن) کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ کشمیر میں موی شریف کی تشریف آوری کی داستان یہ ہے کہ سید عبداللہ نامی ایک شخص جو مدینہ پاک میں روضہ مطہرؐ کے متولی ہونے کا دعویٰ دار تھا کسی ضرورت کی وجہ سے سرزمین حجاز سے ہندوستان (بیجاپور) آ گیا۔ اسکے پاس آنحضرت ﷺ کا موی پاکؐ تھا۔ تنگی معاش کی وجہ سے وہ اسے ہدیہ میں دیئے جانے پر مجبور ہو گیا۔ خواجہ نور الدین ایشہ براری جو کشمیر کے مولد اور دہلی کے بڑے تاجروں میں سے تھے، تجارت کے سلسلے میں بیجاپور آئے ہوئے تھے۔ آپ نے سید مذکورہ سے ایک لاکھ روپے کے عوض موی مقدس آنحضرت ﷺ حاصل کر لیا۔ اس کے بعد کشمیر آئے اور باغ صادق آباد میں جسے اب حضرت بل کہتے ہیں خاص اور عام لوگوں کی زیارت کیلئے رکھ دیا (کشیر جلد ۲/ص ۵۱۹)۔

(۵۰) نام میرزا برہان تھا اور فاضل خان خانساماں کا بھتیجا تھا۔ سال ۱۰۰۹ھ کے ابتدائی مہینوں میں خان مذکور ابونصر خان کا تبادلہ ہو جانے کی وجہ سے کشمیر کا حاکم بن گیا۔ احسان کرنے اور کارہای خیر انجام دینے والا آدمی تھا۔ چنانچہ ہفت چنار کا پشتہ، وہاں کی سرائے، حسن آباد کی خانقاہ، جوگی لنکر اور مدرسہ اور پتھر مسجد کے متصل کا حمام اسی کے تعمیر کئے ہوئے ہیں۔ مذہب سے سنی تھا چنانچہ اکثر جامع مسجد اور بزرگوں کے مقامات پر جاتا تھا۔ اس کے اعمال حسنہ میں سے ایک عمل یہی ہے کہ حضرت بل کی درگاہ موی رسول اکرم ﷺ کے لئے جسے خواجہ نور الدین ایشہ براری بیجاپور سے لائے تھے وقف کر دی (خلاصہ از واقعات کشمیر خواجہ محمد اعظم ص ۱۹۱)۔

(۵۱) حضرت بل۔ کشمیری میں بل پانی کے کنارے کو کہتے ہیں اور چونکہ یہ جگہ جھیل ڈل کے کنارے پر واقع ہے اور حضرت نبی کریمؐ سے نسبت رکھتی ہے اس لئے اس کا نام حضرت بل پڑ گیا۔

(۵۲) ۱۸۶۸ء۔

(۵۳) ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ء)۔

(۵۴) ایضاً۔

(۵۵) نام تھا افضل خان علامی اور ملا شکر اللہ شیرازی کا بیٹا تھا۔ شاہجہان بادشاہ کا دیوان کل تھا۔ شاہجہانی جلوس کے بارہویں سال میں ستر سال کی عمر میں دنیا سے عالم عقبیٰ کا سفر اختیار کیا۔ تاریخ وفات ہے ۔ زخوبی بردگوی نیکنامی (۱۰۴۸ھ)۔ فاضل پاکیزہ اخلاق آدمی تھا اور بادشاہ اس کی بہت ستائش کرتا تھا (ماثر الامراء جلد ارص ۵۱۴)۔

(۵۶) صادق خان میر بخشی کا فرزند اور یمین الدولہ آصف خان کا بھانجا تھا۔ خلیل اللہ کا تبادلہ ہو جانے کی وجہ سے شاہجہانی جلوس کے بیسویں سال کے اواخر میں میر بخشی گری کے عہدے پر فائز ہوا۔ اکتیسویں سال میں خان مذکورہ کا وزارت کل تفویض ہو جانے سے اعتبار بڑھ گیا۔ جب عالمگیری جلوس کے چھٹے سال میں دیوان اعلیٰ فاضل خان کی کشمیر میں وفات ہو گئی تو جعفر خان کو طلب کرنے کا فرمان جاری ہوا۔ سال ۱۰۷۴ھ میں اعلیٰ حضرت کے کشمیر سے لوٹ آنے پر جعفر خان نے پانی پت میں دربار خلافت کے آستانے پر جبین خم کر دی اور اعلیٰ حضرت کے ارشاد پر وزارت عظمیٰ کے رُتبے پر فائز ہوا۔ تیرہویں سال میں (۱۰۸۱ھ) شاہ جہان آباد میں وفات پائی (ایضاً ۵۳۱ تا ۵۳۵)۔

(۵۷) چودھری مہیش، راٹھور دلیپت کا بیٹا اور راجہ سورج سنگھ کا بھتیجا تھا۔ شاہجہانی جلوس کے آٹھویں سال میں شاہی ملازموں کے حلقے میں شامل ہو کر ترقی کی طرف بڑھا۔ انیسویں سال میں پانچ سو سپاہیوں کا منصب دار بن جانے کا افتخار پا کر شاہزادہ مراد بخش کے ساتھ بلخ اور بدخشان کو فتح کرنے کیلئے گیا۔ بیسویں سال (۱۰۵۶ھ) زندگی کا لباس اُتار دیا (ایضاً جلد ۳ ص ۴۴۶ اور ۴۴۵)۔

(۵۸) وفات ۸۱۹ھ = ۱۴۱۶ء۔

(۵۹) ۱۷۴۵ء۔۱۷۴۶ء۔

(۶۰) ۱۷۹۳ء۔

(۶۱) درّانی بادشاہوں کے عہد میں امیر خان جوان شیر کشمیر کا حاکم تھا۔ امیرا کدل پل اسی نے بنایا۔

(۶۲) ۱۸۷۷ء۔

(۶۳) یعنی سال ۱۷۵۱ء تک۔ والٹر لارنس کے بقول کشمیر کی صوبہ داری ۱۷۵۱ء میں دہلی سے آزاد ہو کر موروثی بن گئی اور دوسرے سال میں کشمیر افغانوں کے قبضے میں چلا گیا (ویلی آف کشمیر ص ۱۹۶)۔

(۶۴) ہری پور ہزارہ کا بانی ہری سنگھ نلوہ سردار گوردیال سنگھ مجیٹھیہ کا بیٹا تھا۔ سات سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ رنجیت سنگھ اسے اپنے سایہ عاطفت میں لے آیا اور اس کی پرورش کی۔ اپنے سفرنامہ میں واین نے اسے رنجیت سنگھ کا خدمت گار جتلایا ہے۔ مہاراجہ مذکور نے ایک شیر کو پچھاڑ دینے پر اسے نلوہ کا لقب دیا۔ ملتان، پشاور اور

کشمیر کی فتوحات میں بے حد شجاعت کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے اس نے خاصی ترقی کی اور سال ۱۸۱۹ء میں وہ کشمیر کا حاکم مقرر ہوا لیکن کشمیریوں پر بے حد ظلم ڈھانے کی وجہ سے اسے واپس بلا لیا گیا۔ اس کی تعمیرات میں سے اوڑی اور نروچھی اور مظفر آباد کے قلعے، مٹن، بارہمولہ اور کاٹھی دروازہ سرینگر کے گوردوارے اور دریای جہلم کے کنارے پر ایک باغ ہیں۔ بقول وائین، ہری سنگھ نلوہ نے کشمیر میں اپنے زمانے میں کھوٹے سکے رائج کئے۔ سال ۱۸۳۷ء میں امیر دوست خان کے خلاف جنگ کرنے کے دوران ہری سنگھ نلوہ خیبر میں ہلاک ہوا۔ نلوہ اچھی طرح سے فارسی پڑھ سکتا تھا۔ (کشیر ج ۲ ر ص ۷۲۹۔۷۳۰)۔

(۶۵) ۱۸۲۹ء۔

(۶۶) کشمیر کا حاکم۔ ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۱ء تک۔

(۶۷) ۱۸۵۷ء۔

(۶۸) سنسہ کار ہوا= فوت ہوا۔

(۶۹) ۱۸۴۳ء۔

(۷۰) اس باغ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

(۷۱) مہان سنگھ۔

(۷۲) ڈاکٹر جان انس اپنی کتاب کشمیر ہینڈ بک (ص ۲۵ ر مطبوعہ سال ۱۸۷۲ء) میں بسنت باغ کے بارے میں لکھتا ہے "ژونٹ کول (سیب ندی) کے ساتھ بسنت باغ کشمیر کے حاکم مہان سنگھ کا بنایا ہوا ہے۔ اس باغ کیلئے پتھر حسن آباد کی مسجد سے لائے گئے۔ مذکورہ باغ ہندو فقیروں کی قیام گاہ ہے۔ گرمیوں کے موسم میں رنبیر سنگھ اپنا دربا اسی جگہ لگاتا تھا (کشیر جلد ۲ ر ص ۷۴۴)۔

(۷۳) ۱۸۷۱ء۔

(۷۴) صحیح ہے جبکہ جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا۔

(۷۵) ۱۸۷۵ء۔

(۷۶) ۱۸۸۵ء۔

(۷۷) ۱۸۷۸ء۔

کشمیر کے پُل

قدیم عہد میں وقت کے راجاؤں نے دریای بہت کی سطح پر بڑی بڑی کشتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رسیوں اور زنجیروں سے وابستہ کر کے اور وسیع و کشادہ تختیوں کا فرش ان پر بچھا کر تین محکم اور استوار پل باندھ دیئے تھے اور یہ سارے کے سارے زولچو کے فساد میں تباہ و برباد ہو گئے۔

اس کے بعد سلاطین کے عہد میں لکڑی کے پل اس طرح سے تعمیر کئے گئے کہ پہلے دیودار لکڑی کا ایک مربع صندوق تیار کیا گیا اور اسے دریا میں ڈبو دیا گیا اور اس کے اندر بڑے بڑے پتھر بھر دیئے گئے اور ایک اُونچے پل کی بنیاد ڈال دی گئی۔ پھر اس کے اُوپر اسے چار ضلعوں کے صندوں کی مانند لکڑی کی میخوں سے استوار صورت دی گئی۔ اس کے اُوپر دائیں اور بائیں محکم چھجے ڈال کر ان پر لکڑی کی کڑیاں اور تختے نصب کر دیئے گئے اور ارد گرد میں حفاظت کی خاطر لکڑی کا جنگلہ مضبوطی کے ساتھ بنا دیا گیا اور اس طرح سے پہلے عالی کدل کی تعمیر ہوئی۔ پھر مسلمان سلاطین نے اسی طریقے پر دریای بہت پر اٹھارہ پل مضبوطی کے ساتھ بنائے جن میں سے سات پل شہر میں بنائے گئے تھے اور دیہات میں گیارہ پل۔ اس وقت کل تیرہ پل موجود ہیں اور پانچ پل معدوم۔

عہد سلاطین کی ابتداء سے مذکورہ پل کبھی فسادات کے نتیجے میں آگ کی نذر ہو گئے اور کبھی سیلاب کی طغیانی سے ویران۔ حاکموں نے ہر وقت ان کی تعمیر کی تجدید میں کوششیں کی ہیں۔

نمبر شمار	پل کا نام	سال	کیفیت
۱	کھنہ بل	سنہ (۱)	متصل اسلام آباد...... (۲) کے تعمیرات میں سے ہے۔ پائے دو عدد۔ گہرائی ۴/فٹ، لمبائی ۶۶/گز اور چوڑائی ۴/گز
۲	بیج بارہ کدل (۳)	۱۰۶۱ھ	داراشکوہ کے تعمیرات میں سے۔ لمبائی ایک سو گز، چوڑائی چھ گز، پائے ۳/عدد۔ گہرائی ۶/فٹ
۳	کدل نایینہ		سلاطین کا بنایا ہوا ہے۔ چکوں کے فساد میں آگ کے حادثے سے منہدم ہو گیا۔
۴	کدل ونتی پور	سنہ (۴)	سلطان حیدر (۵) کے تعمیرات میں سے۔ چکوں کے فساد میں آگ کے حادثے میں ٹوٹ گیا۔
۵	کدل پانپور	۱۰۴۵ھ (۶)	شاہجہان کا بنایا ہوا۔ لمبائی ۱۳۰/گز، چوڑائی ۲/۳۱ گز۔ پائے ۴/اور گہرائی ۶/فٹ۔
۶	کدل پاند چھک	۹۸۷ھ (۷)	یوسف شاہ (۸) چک کی ملکہ حبہ خاتون نے بنایا تھا۔ جہانگیر بادشاہ نے اسکو نئے سرے سے بنایا۔ سیلاب کی وجہ سے تباہ ہو گیا۔
۷	امیرا کدل	۱۱۸۸ھ (۹)	امیر خان جوان شیر (۱۰) کے تعمیرات میں سے ہے۔ ۱۳۴/گز لمبا اور ۶/گز چوڑا۔ پائے ۵/عدد اور گہرائی ۱۶/فٹ۔

۸	حبہ کدل	۹۵۸ھ (۱۱)	حبیب شاہ (۱۲) کا بنایا ہوا۔ لمبائی ۹۷/گز چوڑائی ۱۱/گز پائے ۳/عدد۔ گہرائی ۱۶/فٹ۔
۹	فتح کدل	۹۰۶ھ (۱۳)	فتح شاہ (۱۴) نے تعمیر کیا تھا۔ لمبائی اس کی ۸۸/گز، چوڑائی ۳/گز۔ پائے ۳/عدد۔ گہرائی ۱۶/فٹ۔
۱۰	زینہ کدل	۸۳۱ھ (۱۵)	سلطان زین العابدین کا۔ لمبائی اسکی ۹۶/گز چوڑائی ۸ گز پائے ۳/عدد۔ گہرائی ۱۶/فٹ۔
۱۱	عالی کدل	۸۲۲ھ (۱۶)	بڈشاہ کے بھائی علی شاہ (۱۷) نے بنایا تھا۔ لمبائی ۸۲/گز، چوڑائی ۶/گز۔ پائے ۳/عدد۔ گہرائی ۱۶/فٹ۔
۱۲	نوا کدل	۱۰۷۷ھ (۱۸)	نورالدین خان نے بنایا تھا۔ لمبائی ۷۵/گز، چوڑائی ۶/گز پائے ۳/عدد۔ گہرائی ۱۶/فٹ۔
۱۳	سیفا کدل	۱۰۸۲ھ (۱۹)	سیف الدین خان کا تعمیر کیا ہوا۔ اس کی لمبائی ایک سودس گز، چوڑائی ۶/گز پائے ۴/عدد۔ گہرائی ۱۶/فٹ۔ تاریخ پتھر پر کندہ ہے ؎ بہر تاریخ بگذر از سر آب گو: ''پل سیف خان دریا دل'' (۲۰) ایضاً ؎ زمن سالِ بنالیش خضر بنہفت صراط المستقیم اہل دین گفت
۱۴	کدل سنبل	سـہ (۲۱)	اگلے سلاطین کا۔ اس کی لمبائی ۱۱۲/گز، چوڑائی ۵/گز۔ پائے ۴/عدد۔ گہرائی ۱۵/فٹ۔
۱۵	کدل ہانجن	سـہ (۲۲)	اگلے سلاطین کا۔ طغیانی کے سبب نہایت خراب ہوا۔ اب معدوم ہے۔

۱۶	کدل سو پور (۲۳)		سلطان زین العابدین کے تعمیرات سے۔ لمبائی ۲۱۴ر گز، چوڑائی ۵ر گز۔ پائے ۳ر عدد۔ گہرائی ۱۸ر فٹ۔
۱۷	کدل نوروز پور		سلطان حسن (۲۴) کے تعمیرات میں سے۔ سال ۱۲۲۲ (۲۵) میں مختار الدولہ (۲۶) کے ساتھ جنگ کے روز عبداللہ خان نے ویران کر دیا۔
۱۸	کدل بارہمولہ		اسکی بنیاد قدیم تھی۔ عطا محمد خان نے اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر قلعہ کے مقابل میں نئے سرے سے تعمیر کیا۔ اس کی لمبائی ۱۴۶ر گز اور چوڑائی ۵ر گز۔ پائے ۶ر عدد اور گہرائی ۳۴ر فٹ۔
۱۹	کدل گوہالن (۲۷)		لمبائی ۸۴ر گز، چوڑائی ۷ر گز۔ رنبیر سنگھ کا بنایا ہوا لوہے کا پل۔ ایک لاکھ روپیہ ضرب ڈبل خرچہ۔

خواجہ یار بل میں جھیل ڈل سے ایک نہر مار کے نام سے جدا ہو جاتی ہے۔ اس کے اوپر ۱۴ر پل واقع ہیں:

۱۔ نایدیار کدل: اس کی اولین بنیاد سلطان سکندر نے (۲۸) ڈالی تھی۔ چونکہ چودھری مہیش (۲۹) نے ایشہ براری باغ میں آنے جانے کیلئے وتالن مرگ کے پشتے کی مرمت کی اس لئے اس نے نایدیار پل کو بنیاد سے ہی نیا بنایا۔ تاریخ

ہست تاریخ این خجستہ اساس "بانی پل مہیش شنکر داس" (۳۰)

۲۔ جوگی لنکر پل: یہ بڈشاہ کا بنایا ہوا ہے۔

۳۔ ناوہ پور کدل: ارادت (۳۱) خان نے بنایا تھا۔

۴۔ناید کدل:

۵۔ بوہری کدل:

۶۔ صراف کدل:

۷۔ قادری کدل: (۳۲) (۴ تا ۱۰ ساتوں پل سلطان زین العابدین کے بنائے

۸۔ راجوری کدل: ہوئے ہیں)

۹۔ کاوڈارہ کدل:

۱۰۔ گاؤ کدل:

۱۱۔ ڈوبنہ کدل: یہ.......... (۳۳) کا بنایا ہوا ہے۔

۱۲۔ سکہ ڈافر کدل: یہ سلطان زین العابدین کا بنایا ہوا ہے۔

۱۳۔ رتہ پورہ کدل: اسے قوام الدین خان (۳۴) نے تعمیر کیا تھا۔

۱۴۔ گندر پورہ کدل: اس کا بنانے والا نامعلوم ہے۔

کاوڈارہ نہر پر، جو نالۂ مار سے جدا ہو جاتی ہے، تین پل واقع ہیں:

۱۔ کھنہ کدل:

۲۔ بچھ کدل:

۳۔ شکور موٹہ کدل:

تارہ بل نہر، جو نہرِ مار سے الگ ہو کر نہرِ کاوڈارہ کے ساتھ مل کا خوشحال سر اور آنچار سر میں چلی جاتی ہے، اس پر چھ پل واقع ہیں:

۱۔ اشرف کدل:

۲۔ تارہ بل کدل:

۳۔ مرجان پور کدل:

۴۔نرورہ کدل: یہ علی شاہ کے تعمیرات میں سے ہے۔

۵۔زونی مرکدل: نورجہان کا بنایا ہوا ہے۔ندی کا پانی پل کے اُوپر سے گذرتا تھا

۶۔بربہ واری کدل: اسے ظفر خان نے تعمیر کیا تھا۔

چونٹی کول نہر کے پل:

ا۔دروگہ جن کدل: یہ قاضی ابوالقاسم، (۳۵) جو قاضی زادہ کے نام سے معروف ہے، کے تعمیرات میں سے ہے۔اس کے نیچے ایک مستحکم دروازہ بنایا گیا ہے۔جو بہت کا پانی چڑھنے کے وقت خود بخود بند ہو جاتا ہے۔اور پانی کم ہو جانے پر خود بخود کھل جاتا ہے۔اس کے بن جانے سے شہر کے شمال میں رہنے والے لوگ سیلاب کے خوف سے محفوظ رہتے ہیں۔

۲۔گاؤ کدل: قدیم تعمیرات میں سے ہے۔

کٹہ کول کے پل (جو شیر گدھ کے نزدیک دریای بہت سے جدا ہو کر پھر دریای بہت میں مل جاتی ہے)۔

ا۔ٹنکی کدل:

۲۔کنہ کدل:

۳۔حاجی راتھر کدل:

۴۔بوزہ گر کدل:

۵۔واتل کدل:

دودھ گنگا ندی کے پل:

ا۔بٹ مالنہ کدل:

۲۔ پر یٹ کدل: ۔۔۔(۳۶) کے تعمیرات میں سے ہے۔

۳۔ زانپہ کدل:

۴۔ چچہ بل کدل: ان سب پلوں کے دوپائے ہیں۔

جھیل ڈل میں وتالن مرگ کے پشتے پر پل:

ا۔ چوہدری باغ پل:

۲۔ دودھ پھکری پل:

۳۔ تلہ کھن پل:

۴۔ گانی کدل:

۵۔ اونٹہ کدل (پل نشاط): سلطان سکندر کا بنایا ہوا تھا۔ چوہدری مہیش نے اس کی مرمت کی۔

خواجہ یارہ بل پشتے کے پل:

ا۔ سیدہ کدل:

۲۔ نند پورہ پل:

۳۔ پل عیش آباد: یہ تینوں پل ابوالحسن خان بانڈے کے بنائے ہوئے ہیں۔

دودرہامہ کدل: اسے نور جہان نے بنایا تھا اور اس کے چودہ پایے تھے۔ سال ۱۲۴۳ھ میں بھونچال کے حادثے سے تباہ ہوگیا۔

شادی پورہ ندی کے پل:

ا۔ پل نایدکھے:

۲۔ پل ہارتارہ: دونوں پل سلطان بڈشام کے بنائے ہوئے ہیں۔

یادداشتیں

(۱) اصل کتاب میں ایسے ہی ہے۔

(۲) اصل کتاب میں ایسے ہی ہے۔

(۳) کدل کشمیری لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں پل۔

(۴) اصل کتاب میں ایسے ہی ہے۔

(۵) زین العابدین کا بیٹا سلطان حیدر سال ۸۷۷ھ۔۸۷۸ھ = ۱۴۷۲ء۔۱۴۷۳ء۔

(۶) ۱۶۳۵ء۔

(۷) ۱۵۲۰ء۔

(۸) علی چک کا بیٹا (مدت حکومت پہلی بار ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) اور دوسری بار ۹۸۷ھ۔۹۹۲ھ (۱۵۷۹ء۔۱۵۸۴ء)۔

(۹) ۱۷۷۴ء سال ۱۸۹۳ء میں سیلاب وطغیانی سے غیر محفوظ ہو جانے کی وجہ سے ڈھا دیا گیا اور ۱۸۹۵ء میں از سر نو تعمیر ہوا۔ دوسرے سال یعنی ۱۸۹۶ء میں ۱۴ مئی کی تاریخ کو لوگوں کے آنے جانے کیلئے کھول دیا گیا (جموں اینڈ وکشمیر سٹیٹ، ص ۸۲)۔

(۱۰) ۱۵۵۱ء۔

(۱۱) وفات ۹۸۱ھ = ۱۵۷۳ء۔

(۱۲) یہ مصرعہ اس کی تاریخ وفات ہے۔ مزار ثانی سلطان حبیب (۹۸۱ھ = ۱۵۷۳ء)۔

(۱۳) ۱۵۰۰ء۔

(۱۴) ۱۴۲۷ء۔

(۱۵) ۱۴۱۹ء۔

(۱۶) مدت حکومت سال ۸۱۹ھ۔۸۲۶ھ = ۱۴۱۶ء۔۱۴۲۲ء۔

(۱۷) ۱۶۶۶ء۔

(۱۸) ۱۶۷۱ء۔

(۱۹) ۱۰۸۲ء۔

(۲۰) سال ۱۰۸۱ھ۔ ان دونوں تاریخوں میں ایک عدد کا فرق ہے، ابوالفضل نے اکبرنامہ جلد اول میں عمارتوں کی تاریخ میں ایک سال اور دو سال کا فرق جائز قرار دیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پل یا عمارتوں کے بنانے کی تکمیل ایک روز میں نہیں ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تعمیر کسی ایک سال میں شروع ہوتی ہے اور دوسرے سال ختم ہوتی ہے اور اس طرح سے تاریخ تعمیر اور تاریخ تکمیل مختلف ہو جاتے ہیں۔

(۲۱) اصل کتاب میں ایسے ہی ہے۔

(۲۲) ایضاً۔

(۲۳) سال تعمیر ۱۴۶۰ء (۸۶۵ھ)۔

(۲۴) ۸۷۸ھ۔۸۹۱ھ (۱۴۷۳ء۔۱۴۸۶ء)۔

(۲۵) ۱۸۰۷ء۔

(۲۶) افغان دور میں کشمیر کے صوبہ داروں میں سے ایک صوبہ دار۔

(۲۷) بالیقنی کے ساتھ۔

(۲۸) پل کہالہ دریای جہلم پر سرحد کشمیر اور پاکستان کے شمال مغربی صوبہ سرحد کے درمیان واقع ہے۔ یہ وادی جہلم کی شاہراہ کو کوہ مری اور راولپنڈی کی شاہراہ سے ملاتا ہے۔

(۲۹) ۷۹۹ھ۔۸۱۹ھ (۱۳۹۶ء۔۱۴۱۶ء)۔

(۳۰) ۱۰۸۵ھ (۱۶۷۴ء)۔

(۳۱) شاہجہانی امراء میں سے تھا (وفات ۱۰۶۸ھ = ۱۶۵۷ء)۔

(۳۲) عوام کی زبان میں کادی کدل۔

(۳۳) اصل کتاب میں ویسے ہی ہے۔

(۳۴) عالمگیر کے زمانے میں قوام الدین اصفہانی کشمیر کا ایک صوبہ دار تھا۔ (۱۰۸۷ھ سے ۱۰۸۹ھ تک = ۱۶۷۶ء۔۱۶۷۸ء)۔

(۳۵) قاضی ابوالقاسم ملا جمالی فرزند مولانا جمال الدین سیالکوٹی فنون علم اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی صفت سے آراستہ تھا۔ اکثر علوم اپنے والد بزرگوار سے سیکھے۔ قاضی ابوالقاسم، قاضی موسیٰ شہید کے فرزند قاضی صالح کے داماد اور کشمیر کے قاضی تھے۔ جب وفات پائی تو اپنے والد بزرگوار کے مقبرے ملہ کھاہ میں دفن ہوئے (واقعات کشمیر ص ۱۳۴)۔

(۳۶) اصل کتاب میں ویسے ہی ہے۔

کشمیر کی مسجدیں

کشمیر کے ملک میں بہت ہی مسجدیں اور خانقاہیں قدیم بادشاہوں اور چغتائی سلاطین کے عہد میں بنی تھیں۔ بالخصوص عالمگیر بادشاہ نے اپنے زمانے میں پانچ سو مسجدیں تعمیر کرائیں جو گردش زمان اور انقلاب ایام کے ہاتھوں اکثر ویران ہو گئیں۔ اب ہم چند بقعہ جات کا ذکر کریں گے۔

خانقاہ بلبل شاہؒ

سال ۷۲۵ھ (۱) تک کشمیر میں دین اسلام شائع (۲) نہیں ہوا تھا۔ اس زمانے میں سید شرف الدین (۳)، جن کا لقب بلبل شاہ تھا، کی توجہ سے رینچن شاہ (۴) نے ایک بھاری جماعت کے ہمراہ اسلام قبول کیا اور اپنے مرشد کی تجویز پر اس نے دریائے بہت کے کنارے پر ایک کثیر رقم خرچ کر کے ایک مستحکم خانقاہ تعمیر کی۔ اور یہ اولین خانقاہ ہے جو کشمیر میں تعمیر ہوئی اور اس نے اس خانقاہ کے خدام کے اخراجات کیلئے نیز مطبخ کے اجراء کی خاطر کئی گاؤں مقرر کر دیئے۔ یہ لنگر چک بادشاہوں کے عہد تک جاری تھا اور اسی لئے اس محلے کو بلبل لنکر کہتے ہیں (۵)۔

سال ۱۰۱۳ھ (۶) میں یہ خانقاہ نذر آتش ہو گئی لیکن پھر تعمیر ہوئی۔ اب اس وقت

منہدم ہے اور محکمہ نزولات (۷) میں جمع۔

مسجد رینچن شاہ

رینچن شاہ نے اپنی رہائش کیلئے میر بابا ویسی قدس سرہ کے روضہ کی جگہ پر چھلے ہوئے پتھروں کی ایک عمارت بنوائی تھی۔ اس کے قریب ہی اس نے مشرق میں عالی کدل کے متصل جمعہ اور جماعتوں کی نماز کی ادائیگی کیلئے ایک جامع مسجد تعمیر کی جس کا احاطہ بودھ گیر تک تھا۔ اس کے بعد یہ جامع مسجد آگ کی نذر ہوگئی۔

اس کی جگہ چھلے پتھروں کی ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی جو سکھ دور تک آباد تھی۔ اب نزولات میں جمع ہے۔

خانقاہ معلیٰ

راجہ پرورسین نے سال ۱۴۵ھ بکرمی میں مہا کالی دیوی (۸) کے احترام میں دریای بہت کے مشرقی کنارے پر سات لاکھ چہار دانگی اشرفیوں کی رقم سے کالی شری نام کا بتخانہ بنایا تھا۔ اس میں اس نے مہادیو (۹) کے ایک سو بیس مجسمے رکھے تھے۔ سال ۷۸۰ھ تک (۱۰) یہ خاص و عام کا مرجع بن چکا تھا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کا مقام طواف بھی۔ مسلمان ہو کر بھی سلطان قطب الدین (۱۱) ہر روز یہاں عبادت کیا کرتا تھا۔

اس زمانے میں بدھ مذہب کا شاپور نامی ایک ریاضت کش راہب اس صنم خانے کا مجاور تھا۔ یہ راہب ریاضت کی قوت سے آسمان پر چڑھ کر نظروں سے غائب ہو جاتا اور کچھ دیر بعد لوٹ آتا تھا۔ اس طرح کے عجیب و غریب واقعات کے اثر میں آ کر کشمیر کے لوگ اس کے فرمان بردار اور اطاعت گذار بن چکے تھے اور ہر کوئی پابندی کے ساتھ ہمیشہ روٹیوں سے بھری ایک ٹوکری، ایک بھنا ہوا بھیڑ اور تین سیر پیمانے کی شراب اس بتخانے کے پجاریوں کیلئے لایا کرتا تھا اور جو نہیں لاتا تھا اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دیتے تھے۔

سال ۷۸۱ھ میں جب جناب حضرت میر سید علی ہمدانی قدس سرہ (۱۲) نے کشمیر میں دوسری بار شرف و منزلت کا نزول فرمایا اور راہب کے واقعات و حالات سے باخبر ہوئے تو آپ خود اس کے ساتھ ملاقات کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔ آپ نے عظیم جسم اور تن و توش والے شخص کو دیکھا اور مخاطب ہو کر فرمایا۔

کار تو چیست؟ حال تو چون است؟ سر تو تا کجای مرھون است؟

(تمہارا کام کیا ہے؟ اور تمہارا حال کیا ہے؟ تمہاری پرواز کہاں تک جا کر ختم ہوتی ہے؟)

راہب نے کہا۔

ہر نفس پیش حق مرا بار است ھر دمی جذب حق مرا یار است

(ہر وقت حق کی بارگاہ میں میری حاضری ہوتی ہے۔ ہر لمحہ جذبہ حق میرا رفیق ہے)

اور اسی وقت اپنی جگہ سے اُٹھ کر دھوئیں کی طرح آسمان کی طرف چڑھنے لگا اور نظر سے اوجھل ہوا۔ حضرت سید بزرگوارؒ نے سید کبیر بیہقیؒ کو اشارہ کیا اور وہ اسے سختی کے ساتھ واپس لے آئے۔

وہاں پر ایک گائے کہیں کھڑی تھی۔ حضرت سیدؒ نے پوچھا: "یہ گائے پیٹ سے

ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟'' جوگی نے کہا: ''اس سے سفید پیشانی کا کالے رنگ کا ایک نر بچھڑا تین ماہ بعد پیدا ہوگا۔'' اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس گائے نے اسی وقت بچے کو جنم دیا اور حضرت سیدؒ نے جیسے فرمایا تھا گائے کا بچہ ویسے ہی دنیا میں آ گیا اور حضرت سیدؒ کی ہی بات سچ نکلی۔

جوگی نے مزید کمالات کو ظاہر کرنا چاہا لیکن جناب سیدؒ نے جذبے سے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے شاپور مسلمان ہوگیا اور شاہ محمد نام پایا اور اپنے بت خانے کو مسمار کر دیا۔

سلطان قطب الدین نے اس جگہ ایک سنگین اور مربع صفہ بنوایا اور اس کے شمالی گوشے میں حضرت امیرؒ کی سکونت کیلئے ایک خاص حجرہ تعمیر کیا۔ جناب حضرت سیدؒ نے اس میں دو چلے کاٹے (۱۳) اور تجلی ذات سے مشرف ہوئے۔ کثیر افراد کی جماعت کے ہمراہ صفے پر نماز ادا کیا کرتے تھے۔

سال ۷۹۵ھ (۱۴) میں حضرت امیر کبیرؒ کے فرزند ارجمند جناب میر محمد ہمدانیؒ نے اپنے قدوم سے ملک کشمیر کو جنت نظیر بنا کر اپنے والد کی جگہ پر قیام فرمایا۔

سید بزرگوارؒ کی اجازت پا کر سلطان سکندر نے صفہ کی بنیاد پر خانقاہ معلیٰ کی اولین عمارت کی طرح ڈالی اور دو سال کے عرصے میں ایک طبقہ تعمیر کیا اور سال ۷۹۹ھ (۱۵) میں خانقاہ مکمل کر لی۔ جناب سیدؒ کے ہمراہ ایک لعل بدخشان تھا، اسے آپ نے سلطان کو تبرک میں دے دیا اور اس کے عوض خانقاہ کے خدام اور لوازمات کے اخراجات کیلئے تین پرگنوں سے تین گاؤں پائے۔ ایک شاورہ پرگنہ سے وچی گاؤں، دوسرا مارتنڈ پرگنہ سے نونہ ونی گاؤں اور تیسرا اولر پرگنہ سے ترال کا قصبہ۔ خانقاہ کی تولیت کی خدمت کیلئے مولانا سعید کا

تقرر رہوا، دیہات خادموں کیلئے مخصوص کردیئے گئے اور اخراجات ومصرف کی خاطر دوسرے گاؤں مقرر کردیئے (۱۶) گئے۔

سلطان سکندر کے دستاویز کی نقل

(کہ در بارۂ دہات مذکورہ بہ مہر و دستخط خود تحریر کردہ بہ خدمت سید گذارانیدہ، ملخصاً این است):

''این کمترین خادم سادات کرام ومشایخ عظام سکندر شاہ ابن ناصر المسلمین شاہ قطب الدین سہ قریہ از قریات کشمیر مثل وچی از پرگنہ شاورہ، ونونہ ونی از پرگنہ مارتنڈ وترال از پرگنہ اولر وقف خانقاہ جناب سیادت وقدوہ اہل ہدایت، پور نبوت، منبع علم وفتوت، بانی مسلمانی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی بمع قطعہ اراضی کہ خانقاہ معلیٰ مبنی بر آنست، وزمینی کہ در حوالی آن برای عبادت وسجدات عباد الصالحین از مالکان خرید کردہ در بدل یک لعل بدخشان کہ جناب ہدایت دستگاہ، مہر سپہر سیادت، ماہ اوجِ سعادت، نور حدیقہ نبوی، واسطۂ فیوضِ مظہری، میر سید محمد ابن سید علی الہمدانی بہ این خادم برای مہام دنیوی ولشکر کشی تبرکاً عنایت فرمودہ واین سہ قریہ مذکورہ وآن اراضی مسطورہ برای معبد خاص وعام وقف کردہ ،واین خادم شرع آن را مسلم ومفوض داشتہ ہیچ یک از سلاطین وعمال مستقبل رانشاید کہ در وقفیات مذکورہ دست تطاول وتعدی دراز کند۔

حررفی تاریخ تاریخ سابع عشرین

شہر ربیع الاول ۷۹۷ھ (۱۷)

(سلطان سکندر کے دستاویز کی نقل جو اس نے مذکورہ دیہات کے بارے میں اپنی مہر اور دستخط سے لکھ کر حضرت سید کی خدمت میں پیش کی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے (ترجمہ اُردو))

سادات کرام اور مشائخ عظام کا یہ کمترین خدمت گذار سکندر شاہ ابن ناصر المسلمین شاہ قطب الدین کشمیر کے دیہات میں سے تین دیہات یعنی شاورہ پرگنہ کاوچی گاؤں، مارتنڈ پرگنہ کا نونہ ونی اور اولر پرگنہ کا ترال، کو وقف کرتا ہے جناب سیادت، پیشوای اہل ہدایت، فرزند نبوت، منبع علم وسخاوت، بانی مسلمانی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کی خانقاہ کیلئے ہمراہ اس قطعہ زمین کے جس پر خانقاہ بنی ہوئی ہے اور وہ زمین بھی جو اس کے ارد گرد میں مالکوں سے بندگان صالح کی سجدہ وعبادت گذاری کیلئے خریدی گئی، اس لعل بدخشان کے عوض جسے دنیوی مہمات اور لشکرکشی کے فرائض کی ادائیگی کیلئے جناب ہدایت پناہ، آفتاب آسمان سیادت، ماہ اوج سعادت، نور گلستان نبویؐ واسطہ فیض ہای ربانی میر سید محمد ابن میر سید علی ہمدانیؒ نے عنایت فرمایا۔ اور یہ تینوں مذکورہ قرئے اور یہ لکھی گئی زمین خاص و عام کیلئے وقف کردی گئی اور مجھ خادم شریعت نے ان کو تسلیم کیا اور سپرد کردیا۔

کسی بھی سلطان نیز مستقبل میں آنے والے کسی بھی ایک حاکم کو نہیں چاہئے کہ مذکورہ وقفیات میں دست اندازی اور حدود سے تجاوز کرے۔

تاریخ تحریر ۲۷/ماہ ربیع الاول ۷۹۷ھ

میر محمد ہمدانیؒ کے وقف نامہ کی نقل

[فقیر الحقیر محمد بن میر سید ہمدانی رضی اللہ عنہم ھمی گوید کہ چون والد بزرگوار بہ اعانت ویاری پادشاہ سعادت یار سلطان قطب الدین در موضع علاء الدین پورہ رباط خودرا ویران نمودہ بنای خانقاہ معلیٰ کرد، سلطان مذکور از راہ طویت و اخلاص ہر صبح و شام برای جماعت خمسہ واقامت جمعہ از محلّہ قطب الدین پورہ درین بقعۂ شریف و منزل حاضرمی بود۔ مقدار سی صد وہشت درعہ طولاً درمیان دو مشرب یک صد وبسیت درعہ عرضاً از دریای بہت تا بازار برای فناءِ خانقاہِ معلیٰ وقف کردہ شد۔

سوای آن از طرف شرقی مقدار ہمین سی صد وہشت درعہ در طویل و یک صدر درعہ درعرض برای جمعیت مردم وستور و دواب گذاشتہ شد ۔ چنانچہ تا رسیدن این فقیر قلیل البضاعت بی احاطہ و دیوار بود۔ چون این فقیر با جمعی از سادات در بلدۂ کشمیر در وقت بادشاہ دین پناہ سلطان سکندر شاہ رسیدہ (۱۸) حسب خواہش والتماس سلطان مذکورہ این داعی مسلمین را حواشی وخدمہ آن سعادت مند بہ اعزاز وتکریم بدان بقعہ رسانیدہ۔ سلطان امارت نشان برصفہ ای کہ والد بزرگوار حسب فرمودۂ جد عالی مقدار بنا نمودہ بود خانقاہی قائم ساخت وبرای آن وقف خاص کردہ موضع وچی از پرگنہ شاورہ وقریہ نونہ ونی از پرگنہ مارتنڈ وقصبہ ترال از پرگنہ اولر تا ممتکنان ومجاوران خانقاہ معلیٰ محفوظ ومحظوظ شوند وبدین بقعہ شریفہ وبرین قریات مذکورہ متولی گردانیدہ برادر ارشد وامجد مولانا محمد سعید تا درین بقعہ متصرف باشد واز احوال عمال وساکان مسافران باخبر باشد۔

واز وقفیات مذکورین ہر سال موازی یک ہزار و دویست خروار شالی و دہ ہزار جیتل بوجہ خرج خود بگیرد باقی آن چہ نوشتہ شدہ است در طومار و فرمان سلاطین آن جزئیات را عمل کند و در صلاح و وقار متمکنان خانقاہ نیک مشغول باشد۔ واز برای نمک مطبخ خانقاہ دو صد مزد دیوانی وقف کردہ شد۔ وملک دیوی گنائی ناظر احوال ومشرف اعمال مولانا محمد سعید گرداینده شد تا در جزئیات امورِ اوقاف حاضر و ناظر باشد۔

ملخصا!۔ فقط

(میر محمد ہمدانیؒ کے وقف نامہ کی نقل (ترجمہ اُردو):

یہ فقیر حقیر محمد ابن میر سید علی ہمدانیؒ کہتا ہے کہ جب والد بزرگوار نے پادشاہ سعادت مند سلطان قطب الدین کی مدد اور اعانت سے محلّہ علاء الدین پورہ میں اپنی سرائے مسمار کر کے خانقاہ معلیٰ کی بنیاد ڈالی، سلطان مذکور نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ پانچوں اوقات کی نماز کی ادائیگی کیلئے ہر صبح وشام نیز نماز جمعہ پڑھنے کی خاطر اس بقعہ ومقام شریف میں حاضر ہوتا تھا۔ خانقاہ معلیٰ کے رقبہ کیلئے لمبائی میں تین سو آٹھ گز دو گھاٹوں کے بیچ اور چوڑائی میں ایک سو بیس گز دریا ی بہت سے بازار تک وقف کر دیا گیا۔

علاوہ اس کے مشرق میں لمبائی میں یہی تین سو آٹھ گز کی مقدار اور چوڑائی میں ایک سو گز لوگوں کیلئے نیز حیوانوں اور چوپایوں کیلئے چھوڑ دی گئی۔ چنانچہ مجھ بے مایہ فقیر کے یہاں پہنچنے تک یہ احاطہ بندی اور دیوار کے بغیر تھی۔ جب یہ فقیر پادشاہِ دین پناہ سلطان سکندر کے عہد میں سادات کی ایک جماعت کے ساتھ ملک کشمیر میں پہنچا تو سلطان مذکور کی خواہش والتماس کے مطابق خود سلطان نے اور اس سعادت مند بادشاہ کے خدم وحشم نے مجھ مسلمانوں کے دعا گو کو عزت واحترام کے ساتھ اس بقعہ میں پہنچا دیا۔

جد عالی قدر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کے مطابق جس صفہ پر والد بزرگوار نے خانقاہ قائم کی اس کیلئے امارت پناہ سلطان نے خاص طور پر وقف کر دیئے شاورہ پر گنہ کا وچی گاؤں، مارتنڈ پرگنہ کا نونہ ونی گاؤں اور اولر پرگنہ کا ترال قصبہ، تاکہ خانقاہ معلیٰ کے مجاورین اور اس میں قیام کرنے والے محفوظ و محظوظ ہوں۔ ان دیہات پر مولی مقرر ہوئے برادر ارشد معزز مولانا محمد سعید تاکہ اس بقعہ شریف کے عامل ہوں اور اس کے کارکنوں، ساکنوں اور مسافروں سے باخبر۔

اور مذکورہ وقفیات میں وہ ہر سال بارہ سو خروار شالی اور دس ہزار اپنے خرچہ کیلئے لیا کرے اور باقی جو کچھ سلاطین کے کاغذات و فرامین میں لکھا ہے اس کے جزئیات پر عمل کرے اور خانقاہ میں قیام کرنے والوں کی بھلائی اور ان کی قدردانی کیلئے خود کو خوب مشغول رکھے۔

نیز خانقاہ کے باورچی خانے کے نمک کیلئے دوسو دیوانی اجرت وقف کر دی گئی۔ اور ملک دیوی گنائی کو مولانا محمد سعید کے کام کاج پر ناظر و نگہبان مقرر کر دیا گیا تاکہ اوقاف کے معاملات کے جزئیات پر ناظر حاضر رہے۔ خلاصہ)

اس کے بعد حسین چک (۱۹) نے ان وقف کئے گئے دیہات کو تعصب کی بناء پر ضبط کر دیا۔ سید علی نے، جو جناب سیادت کے چچیرے بھائیوں کی اولاد میں سے تھے، ایک کثیر جماعت کے ساتھ بادشاہ اکبر جلال الدین کی پیش گاہ میں استغاثہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ سن کر حسین شاہ پر خوف و وحشت طاری ہو گیا اور اس نے مذکورہ دیہات خانقاہ کے حق میں بحال کر دیئے اور عالمگیر (۲۰) نے اس کا نصف ضبط کر کے سال بہ سال چھ بقعہ جات کے خادموں کیلئے نو ہزار روپے کی رقم خزانہ عامرہ سے مقرر کی۔ لاہور کے سکھوں کی عملداری

میں سب کچھ ضبط ہو گیا۔

راجہ رنبیر سنگھ کے زمانے میں یارکند کے سفیر سید یعقوب خان نے، جو حضرت امیرؒ کی اولاد سے تھے، سکندر شاہ کی سند برطانوی حکومت کے سامنے پیش کی۔ حکومت عالیہ کی طرف سے مذکورہ دیہات کی جاگیر کے عوض آپ کے نام شاہی چہرے کے بارہ ہزار روپے کشمیر سے مقرر ہوئے اور خانقاہ کے خدام ان فوائد سے محروم رہ گئے۔

سلطان حسن شاہ (۲۱) کے عہد میں سال ۸۸۵ھ میں محلہ علاء الدین پورہ میں آگ لگ جانے سے خانقاہ معلیٰ بھی جل گیا۔ سلطان مذکور نے اسے تعمیر کرنے کیلئے کمر باندھی اور اس کے اطراف میں لوگوں کے جو گھر تھے انہیں خرید کر صحن خانقاہ میں شامل کر لیا اور پہلے کی طرح ایک طبقے کی خانقاہ بنائی۔ قاضی ابراہیم مورخ کے والد قاضی حمید الدین کو خانقاہ کی تولیت سپرد کی۔ اس تعمیر کی تاریخ ہے (۲۲) مسجد اسس علی التقویٰ۔ (۲۳)

سلطان محمد شاہ (۲۴) کے زمانے میں میر شمس عراقی (۲۵) نے کشمیر آ کر جڈی بل محلے میں دو طبقوں کی خانقاہ بنائی۔ اس نے حکومت کے ذمہ دار کارکن غازی خان، موسیٰ رینہ اور کاجی چک کو اپنا مرید بنا کر ان کو ایک طبقے کے خانقاہ معلیٰ کو مسمار کر کے اس کی جگہ دو طبقے کے خانقاہ معلیٰ کو تعمیر کرنے پر اُکسایا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اسے مسمار کرانے کے بعد اس کی تعمیر کو رکوا دے اور نئے سرے سے خانقاہ معلیٰ کو نہ بنوانے دے۔ تا کہ جڈی بل میں اس کی بنائی خانقاہ ہی لوگوں کی مقام رجوع بن جائے۔ چونکہ یہ تینوں آدمی حکومت کے ذمہ دار وزیر تھے، انہوں نے محمد شاہ کو باور کرانے کے بعد خانقاہ معلیٰ کو گروا دیا اور قریب دو سال تک میر شمس کی ترغیب پر خانقاہ معلیٰ کی تجدید تعمیر میں توقف کیا۔ کاجی چک کی بہن، جو محمد شاہ کی بیوی تھی اور صالحہ ماجی اس کا نام تھا اور بابا اسماعیل کے مریدوں میں سے تھی، کو غیرت آ گئی

اور اس نے جہیز کی اپنی پرانی اشیاء بیچ کر تین ہزار روپے اور رائج الوقت ساٹھ ہزار تنگہ کی رقم سے خانقاہ معلیٰ کو تعمیر کر کے دو طبقے کا بنا ڈالا اور کمال ہوس سے اور خلوص کے ساتھ اس کی تزئین کاری اور آرائش کی۔ خانقاہ معلیٰ کو مکمل کرنے کے بعد اس ملک میں معمول پٹو کے بنے ہوئے بارہ سو کرتے کارکنوں، معماروں اور نجاروں اور پانچ ہزار کلہ پوش پٹو کے مزدوروں کو انعام میں دیئے اور دس ہزار شہریوں کو کھانے اور ضیافت پر مدعو کیا اور خانقاہ معلیٰ کے بام پر کلس رکھ دینے کے روز محمد شاہ کی مہر کے ساتھ وقف نامہ تیار کروا کے خانقاہ معلیٰ کی تولیت سید محمد ابن سید علی کے سپرد کر دی۔ اس کی تکمیل کی تاریخ اس آیت کریمہ سے......

وَمَنْ دخلہ کَانَ اٰمِناً نکال کر (۲۶) اسے لوح دروازہ پر نقش کرادیا (۲۷)۔

سال ۱۱۴۹ھ (۲۸) میں جمعرات کے دن کے اول پہر میں خانقاہ معلیٰ کا بام بے سبب جلنے لگا یہاں تک کہ دوپہر تک خاک ہو گیا۔ خدام کو تبرکات کے باہر نکالنے میں فرصت مل گئی۔ اس واقعہ کی تاریخ آتش تجلی (۲۹) سے نکالی گئی ہے۔

ابوالبرکات خان (۳۰) نے سال ۱۱۴۶ھ میں اسے پھر سے بنانے میں بہت کوشش کی اور پہلے سے زیادہ استواری اور بلندی کے ساتھ اسے آباد کیا۔ اس کے اطراف میں حجرے بنوائے اور ان کے درمیان چار مضبوط ستون بلند کئے۔ اس تعمیر کی تاریخ ہے کعبۃ البرکات (۳۱)۔

اس کے بعد میر ہزار نے اپنی حکومت کے ایام میں خانقاہ معلیٰ کی اندرونی دیواروں پر مطلا خط نسخ میں اوراد فتحیہ نقش کروایا جو آج تک صفحہ روزگار پر سامان زیب و زینت ہے۔

سال ۱۲۱۸ھ (۳۲) اور سال ۱۲۴۳ھ (۳۳) میں زلزلوں کے حوادث سے اس کے بام کا کلس لڑھک گیا تھا۔ اسے بڑی مشقت کے بعد پھر سے بلند کیا گیا۔ آج تک درگاہ

کے خدام اکثر اوقات خانقاہ کے بام کی مرمت کرتے آئے ہیں۔

سال ۱۳۰۴ھ (۳۴) میں ڈھاکہ کے نواب احسن اللہ خان (۳۵) نے دیوان لچھمن داس (۳۶) کے انتظام سے ایک ہزار روپے خرچ کر کے سلطان خانہ کا فرش لکڑی کے تختوں کا بنوا دیا۔

خانقاہ والا

شاورہ پرگنہ کے وچی گاؤں میں حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے سال ۸۰۱ھ (۳۷) میں تعمیر کی۔

خانقاہ اعلیٰ

اولر پرگنہ کے موضع ترال میں حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے سال ۸۰۰ھ میں دوطبقوں کی یہ خانقاہ بنوائی۔

خانقاہ کبروی

حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی تجویز پر سلطان سکندر نے مٹن گاؤں میں مچھ بون چشمے کے کنارے پر آباد کر کے اس کے صحن میں باغ و گلزار بچھا کر اسے کمال شگفتگی کے ساتھ آراستہ کیا تھا اور مٹن گاؤں کا مالیہ خانقاہ کے خادموں کے حق میں وقف ہوا تھا۔

مغل بادشاہوں نے اس خانقاہ کو اٹھوا کر دوسری جگہ بنا لیا اور چشمے پر آصف جاہ

خان کے اہتمام سے ایک شاہی باغ اور اُونچی اُونچی عمارتیں بنوائیں (۳۸)۔

مسجد جامع

محلّہ سکندر پور میں راجہ پرورسین کے زمانے سے مہاشری نام کا بت خانہ کمال مضبوطی ورفعت کے ساتھ صاف وشفاف پتھروں اور سنہری گنبد کے ہمراہ آسمان کو چھورہا تھا۔ سال ۸۰۱ھ میں سلطان سکندر نے اسے منہدم کرنے پر کمر باندھ لی اور اس کے قریب حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے امر سے جامع مسجد کی بنیاد ڈالی اور اس کی تعمیر میں کمال ہوس کا مظاہرہ کر کے تین سو بہتر ستون اس کے چار طاقوں میں نصب کرائے جن میں بتیس ستون تیس گز اُونچے چار چار گز موٹے تھے۔ خواجہ صدر الدین خراسانی اور سید محمد لورستانی نے جنہیں فن گلکاری میں عجیب وغریب مہارت حاصل تھی، اسے تین سال کی مدت میں معماری کے کام سے فراغت پا کر مکمل کر لیا۔

خاصی مشقت سے مغربی شمالی کونے میں جب دیوار اٹھالیتے تھے تو یہ روز بیٹھ جاتی تھی۔ تب سید محمد لورستانی نے خود اپنے ہاتھ سے چونے اور اینٹ کا بدوبست کر کے اسے مستحکم کر لیا۔ یہ دونوں بزرگوار اُجرت لئے بغیر کام کرتے تھے بلکہ خود اپنی جیب سے رقم خرچ کر کے اس پر صرف کرتے تھے۔ اس پر لوگوں کو خیال ہونے لگا کہ انہوں نے خزانہ پالیا ہے۔

تحقیق کرنے والوں نے مسجد کا طول وعرض ہر طرف سے ایک سو بیس مربع گز پایا ہے۔ تاریخ (۳۹) ہے۔ مسجد جامع کشمیری (۴۰)۔

سلطان حسن شاہ کے عہد میں ۸۸۵ھ میں بہت بڑی آگ ظاہر ہوئی اور جامع مسجد بالکل جل گئی۔ سلطان حسن شاہ نے پہلے سے بھی زیادہ آراستگی اور کمال تزین کے ساتھ اسے تین سال اور دو ماہ کے عرصے میں ترتیب دیا۔ اُستاد نقاشوں سے سلطان خانہ کے نقش و نگار اور دیواروں کی عبارتیں ایسی خوبصورت بنوائیں (۴۱) جن کی مثال دوسرے ملکوں میں کم تھی۔ اس کی تاریخ: **مسجد اسس علی التقوی** (۴۲)۔

ان ہی دنوں میں سلطان حسن شاہ نے اس دنیا سے انتقال کیا اور جامع مسجد کی چھت اور دونوں طرف کے دیوار ادھورے رہ گئے۔ اس کے بعد قاضی موسیٰ شہید (۴۳) نے یعقوب خان چک کے عہد میں چھت اور مسجد کے بام کی مرمت کروائی۔

سال ۱۰۲۹ھ میں ماہ رمضان کی عید کے روز عظیم آگ بھڑک اٹھی اور قریب بارہ ہزار مکانوں کے ساتھ جامع مسجد بھی جل گئی۔ ان دنوں میں پادشاہ جہانگیر بھی اس ملک میں آیا ہوا تھا۔ گو آگ کو بجھانے میں اس نے خاصی جدوجہد کی لیکن بہت افسردہ ہوا۔ حیدر ملک نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: جڈی بل کی خانقاہ جلائے جانے کے تعلق سے سینوں نے مجھ پر اور میرے خاندان کے متعلقین پر جامع مسجد جلانے کی تہمت لگائی اور اس بات کو بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دیا۔ اس لئے ظل سبحانی کے حکم سے مسجد جامع کو بنانے کی ذمہ داری ملک محمد ناجی کی گردن پر ڈال دی گئی۔ درگاہ کے نیازمند نے امر سلطانی کے مطابق سترہ سال کی مدت میں پہلی صورت کی طرح مسجد کی تعمیر مکمل کی۔ اس تعمیر کی ابتداء کرنے کی تاریخ یوں لکھی گئی ہے۔

نخستین مسجد جامع زشہ اسکندر ثانی عمارت یافت آنگہ سوخت از تقدیر سبحانی
دگر بارہ حسن شاہ آن کہ بود از نسل پاک او بشد بانی این مسجد ہم از توفیق ربانی

ولیکن از دو جانب نے ستون آراست نے سقفش ز ابراہیم احمد ماگرے شد راست تادانی
زہجرت نہ صدو نہ بود در عہد محمد شاہ کہ این جنت سرا شد زینت و زین مسلمانی
بتاریخ ہزار و بست و نہ از ہجرت سیدؐ بروز عید روزہ سوختہ در نوبت ثانی
ملک حیدر رئیس الملک در عہد جہانگیری
نہاد از نواساسش باز گاہ عید قربانی (۴۴)

(پہلی جامع مسجد پادشاہ اسکندر دوم نے تعمیر کی۔ پھر تقدیر الٰہی سے وہ جل گئی۔ پھر دوسری بار حسن شاہ، جو اس کی پاک نسل سے تھا، توفیق الٰہی سے اس کا بنیاد گذار بن گیا۔ لیکن دونوں جانب وہ نہ اس میں ستون نصب کر سکا نہ ہی چھت بنائی۔ یہ کام ابراہیم احمد ماگرے نے کہا کہ تم اس حقیقت سے خبردار ہو جاؤ۔ ہجری سال تھا ۹۰۹ھ کہ محمد شاہ کے عہد میں یہ جنت مقام مسلمانی کی زیب وزین بن گیا۔ حضرت سید (رسول اللہ ﷺ) کی ہجرت کا ۱۰۲۹ھ واں سال تھا کہ روزوں کی عید کے دن دوسری بار نذر آتش ہوگئی۔ رئیس الملک ملک حیدر نے عہد جہانگیری میں نئے سرے سے اس کی بنیاد رکھی "پھر عید قربانی کے وقت")

پادشاہ عالمگیر کی حکومت کے زمانے میں سال ۱۰۸۴ھ میں اور مشہور ہے کہ سال ۱۰۸۰ھ میں پھر سے الٰہی قہر کی آگ بھڑکی اور کاوڈارہ کے محلے سے محلّہ سکندر پورہ تک بارہ ہزار گھر جلا کر جامع مسجد کو تیسری بار آفت زدہ کر دیا۔ پادشاہ جم جاہ کے دربار عالی سے امیر تعمیرات مامور ہو کر آیا اور اس نے تین سال کے عرصے میں تعمیر مکمل کر لی۔ اس نے مسجد کے اطراف میں لوگوں کے مکان خرید کر ان کو اُٹھوا دیا اور آگ کے ڈر کو دور کرنے کیلئے اس کی بیرونی فضا کو ہر طرف سے خالی رکھ دیا۔ سلطان خانہ کے بام کے کنگرہ کے کلس پر اکبری پانچ ہزار اشرفیاں خرچ کر کے اسے سونے سے ملمع کر دیا اور مشرقی کنگرہ کے کلس کو چاندی سے۔ اور سلطان خانہ کے بام کے اُوپر ایک اُونچا مینار نصب کیا۔ جس کی بلندی سیڑھی کے تین

سو پائے تھے جس کی چوٹی سے اذان کہی جاتی تھی ۔ نیز پہلے کی طرح تین سو بہتر ستون کھڑے کر دیئے گئے ۔ اس کے بعد حاجی کریم داد نے اپنے زمانے میں اس کے بام اور چھت کی مرمت کی۔

جب لاہور کے سکھوں نے اس ملک پر قبضہ کیا تو ان کے بعض فوجیوں سے ذاتی تعصب کی بنا پر مسجد کے اندر بدفعلی سرزد ہوئی ۔ مسجد کے خدام ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور ایک دوسرے کے ساتھ باہمی جھڑپ ہوئی ۔ محمدی امت اُمڈ آئی اور ان میں سے بعض شریریوں کو خون میں لت پت کر دیا۔ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ دیوان مصر چندر نے اُمڈ آنے والے مسلمانوں کو ہی سزا دے کر مسجد کے دروازوں پر قبضہ کیا۔ چنانچہ یہ دروازے بیس سال تک بند رہے۔ سال ۱۲۵۷ھ (۴۵) میں شیخ غلام محی الدین نے مسجد کے دروازے کھلوا دیئے اور اس کے بام کی، جو اب فرسودہ ہو چکا تھا، دو سال کے عرصے میں مرمت مکمل کی اور حسب دستور پانی کی نہر کو جاری کر دیا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پھر سے فرسودہ ہو گیا اور پانی کی نہر بھی مٹ گئی۔

سال ۱۲۸۵ھ (۴۶) میں میر حسین شاہ قادری نے شہر کے لوگوں سے مدد طلب کر کے حاجی عظیم الدین درابو کی موافقت و اعانت سے اس کے چھتوں کی ترمیم کرنے میں بڑی جد و جہد کی لیکن گردش زمان کی وجہ سے کام ادھورا رہ گیا۔

سال ۱۲۹۷ھ (۴۷) میں میر حسن قادری کو پھر سے اس کی مرمت کی قدرت حاصل ہو گئی اور اس نے مہاراجہ رنبیر سنگھ اور شہر کے بعض آدمیوں سے امداد پا کر دو سال کی مدت میں چھتوں کی حتی الامکان مرمت کرائی اور نیک نامی پائی۔ تاریخ۔

میر والا منزلت سید حسین قادری کز پی تعمیر مسجد بس نکو تدبیر شد

خواستم گلبانگ تاریخش زملہم، زدندا گو" زحسن سعی مسجد میر عالمگیر شد" (۴۸)

(عالی مرتبہ میر سید حسین قادری جس نے مسجد کی تعمیر کرنے میں نیک تدبیر کی۔ ملہم سے اسکی تاریخ کے بارے میں میں نے خوش خبری کی آواز دینے کو کہا۔ اس نے آواز دی کہو: "مسجد کی نیک سعی کرنے سے میر عالمگیر بن گیا۔)

افسوس کا مقام ہے کہ ایسی عالی شان مسجد جس کی رفعت اور وسعت اور استواری میں کہیں بھی ثانی ہونے کا کوئی امکان نہیں، عنقریب مرمت نہ ہونکی وجہ سے رکوع میں اُتر کر سجدے میں سر گرادے گی۔ پھر اس کو نیا بنانے میں کوئی بھی شخص قدرت نہیں پائے گا۔ اس لئے واجب ہے صاحبان ہمت اور ارباب ثروت پر کہ اس بے نظیر تعمیر کی فوراً مرمت فرمائیں!

مسجد عالی

سلطان سکندر بت شکن کے زمانے میں حضرت میر محمد ہمدانیؒ نے عید گاہ کی زمین سے ایک ٹکڑا اس کے مالکوں سے خرید کر عیدین کی نماز کیلئے وقف عام رکھا اور خود بھی لوگوں کے ہجوم کے ساتھ کئی سال تک وہاں نماز ادا کرتے رہے۔ سال ۸۱۰ھ (۴۹) میں سلطان سکندر کے فرزند علی شاہ (۵۰) نے عیدین کی نماز کیلئے عید گاہ کے درمیان میں ایک بلند نماز گاہ محکم واستوار ستونوں اور منقش محراب کے ہمراہ تعمیر کی، جو عالی مسجد کے نام سے مشہور ہوئی۔

سال ۱۰۷۵ھ (۵۱) میں اسلام خان نے، جو عالمگیر بادشاہ کی طرف سے نائب

صوبہ تھا، عالی مسجد کو وسعت دی اور پختہ دیواروں اور ضخیم لکڑیوں کی بنا کر عیدین کی نماز کے لئے مشخص کر دیا اور اس کے صحن میں، جو درختوں سے پر تھا، چنار کے درخت لگوا دیئے۔ عید گاہ میں، جو ستون استادہ تھا وہ اسی کا بنایا ہوا ہے، جو اب معدوم ہے۔

سال ۱۲۱۵ھ (۵۲) میں عبداللہ خان کے زمانے میں آگ لگنے کے حادثے سے جل گئی۔ اس وقت عبداللہ خان بالا حصار میں قید تھا۔ گل محمد خان نے، جو بڑے خانوں میں سے تھا، عالی مسجد کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور ۱۳۰۰ھ (۵۳) میں رنبیر سنگھ نے بھی اس کی چھت کی مرمت کی تجویز پیش کی تھی لیکن مکمل نہ ہو سکی۔

مسجد ملا شاہ

آخوند ملا شاہ نے، جو دارا شکوہ کا اُستاد تھا، در المحل یعنی دارا شکوہ کے دولت خانے کے قریب صاف و شفاف منبت کاری کیئے پتھروں کی کمال متانت، بلندی اور استواری کے ساتھ بنائی ہوئی عجوبہ روزگار مسجد یادگار چھوڑی۔

خانقاہ فیض پناہ

سلطان زین العابدین نے اشم نامی گاؤں میں دریائے بہت کے مشرقی کنارے پر سید محمد امین ویسیؒ (۵۴) کے لئے ایک اُونچی خانقاہ بنائی تھی۔ حضرت ویسیؒ کے انتقال

فرمانے کے بعد یہ خانقاہ بیکار پڑی رہی۔ شرعی حکم سے خواجہ خاوند محمودؒ نے سال ۱۰۴۲ھ میں وہاں سے اُٹھوا کر شہر میں حسین چک باغ میں تعمیر کروائی اور اس کی تعمیر و خوشنمائی میں کافی جدو جہد کی۔

شیخ محی الدین نے دوسری مرمت کی اور ۱۳۰۴ھ میں ڈھاکہ شہر کے رئیس اعظم احسن اللہ خان (۵۵) نے، جس کے آباء و اجداد حضرت شاہ مشکلکشاؒ کے مرید اور کشمیر میں ناوہ پورہ محلے کے رہنے والے تھے، خواجہ ثنا اللہ شال کی معرفت خانقاہ فیض پناہ کی مرمت کیلئے دو ہزار روپے ضرب ڈبل (۵۶) کی رقم بھیجی تھی۔ خواجہ مذکورہ نے خانقاہ کو قابل مرمت نہ دیکھ کر خود اپنی طرف سے اس میں ایک خطیر رقم ڈالی اور شہر کے امراء سے بھی امداد کے طور پر کچھ رقم کا اضافہ کرنے کے بعد اس خانقاہ کو پہلے کے مقابلے میں کمال مضبوطی اور زیب و زینت کے ساتھ نئے سرے سے بنیاد سے ہی پھر سے بنایا اور صرف بام کا کنگرہ اور چھت کی خاتم بندی اور دیوار کی تعمیر باقی رہ گئی۔

موجودہ سال میں نواب مذکور نے پھر تین ہزار روپے بھیج دیئے اور بام کا کنگرہ اور خاتم بندی کا کام مکمل کیا گیا۔ جید نے تجدید تعمیر کی تاریخ نکالی ہے۔

یا اخی اقبل بہذا المسجد طاعۃ باللہ و اسجد و اقرب
من بہاء الحق والدین دائماً فیہ فیضان علی من یطلب
بانی الثانی ثناء اللہ بہ صار ایقاناً باجر یر تقب
لو اردت عام تعمیر الجدید خانقاہ النقشبندی احتسب (۵۷)

ایضاً فی تاریخ خانقاہ عجیب عالی شان (۵۸)

خانقاہ سید برخوردار

سال ۸۶۹ھ (۵۹) میں سلطان زین العابدین نے سید برخوردار کے خادموں کیلئے دانا مزار محلے میں بنائی تھی۔

خانقاہ سید محمد مدنی

سال ۸۴۸ھ (۶۰) میں سلطان زین العابدین نے سید محمد مدنی کے خادموں کیلئے مسجد نبویؐ کے طرز پر مسجد بنائی تھی۔ ابراہیم خان (۶۱) نے سید مذکور کو ایک شیعہ جان کر اس مقام پر اپنا قبضہ جمایا اور خود ہی مسجد اور مقبرہ (۶۲) کے دروازے کو نئے سرے سے بنایا اور خانقاہ کے دروازے پر **علی ولی اللہ** کندہ کروایا۔ سال ۱۲۸۹ھ (۶۳) میں شیعوں کے بلوا کے سبب خانقاہ بند ہوگئی۔

اہل سنت کا یقین ہے کہ حضرت سید سنی ہیں اور اہل تشیع اس کے برعکس حضرت سید کو شیعہ خیال کرتے ہیں۔

نو مسجد

سال ۱۰۳۲ھ (۶۴) میں جہانگیر بادشاہ نے نور جہان بیگم کی ترغیب دلانے پر چھلے ہوئے پتھروں کی یہ مسجد بسائی اور بڑے بڑے صاف وشفاف اور منبت کار پتھر اس کے

بام تک استعمال میں لائے اور صحن مسجد کو مصفا پتھروں سے یوں سنگفرش کرایا گویا پتھر کا بس ایک ہی ٹکڑا فرش صحن میں بچھا تھا۔ شمال سے جنوب تک اس کی لمبائی ساٹھ گز تھی اور مشرق سے مغرب تک چوڑائی اٹھارہ گز۔ احاطہ صحن کے علاوہ تمام صوبہ کشمیر میں اس طرح کی مضبوط اور سنگین مسجد کوئی اور موجود نہیں ہے۔

سال ۱۱۶۹ھ (۶۵) میں قحط کے دوران راجہ سوکھ جیون (۶۶) نے اس میں شالی جمع کر رکھی تھی۔ میر ہزار خان (۶۷) نے اپنی حکومت میں اس کی مرمت کی۔ تاریخ

شکر حق کز دعای اہل یقین　　باز آباد گشت خانۂ دین
کرد سردار خطہ میر ہزار　　مسجد نو بنا بہ صد تزئین
عاقبت روسیاہ و ملعون شد　　ہر کہ او غلہ می نہاد درین
خبر از ہاتفی پرسیدم　　تاکند سال آن مرا تلقین
ہاتفی گفت "عید میر ہزار
نوشد آباد مسجد سنگین" (۶۷)

(اللہ کا شکر ہے کہ اہل یقین کی دعاؤں سے اللہ کا گھر پھر سے آباد ہوا۔ ملک کے سردار میر ہزار نے نو مسجد کو خاصی زیب و زینت کے ساتھ تعمیر کیا۔ آخر کار وہی روسیاہ اور لعنتی ہو گیا جو اس میں غلہ جمع کر کے رکھتا تھا۔ ہاتفی سے میں نے کیفیت کا استفسار کیا کہ وہ مجھے تعمیر جدید کی تاریخ سے آگاہ کرے۔ ہاتفی نے کہا: "میر ہزار کے عہد میں مسجد سنگین پھر سے نئی آباد ہوئی۔"

لاہور کے سکھوں کے زمانے میں قحط و وبا کی وجہ سے لوگ پریشان ہو گئے اور مسجد بیکار پڑی رہی۔ حکام نے ناچار اس پر قبضہ اور نزولات میں جمع کیا۔ کرنیل میاں سنگھ نے

اس کے حوض اور صحن کے پتھر اُٹھوا کر بسنت باغ کے بنانے میں لگوائے۔

خانقاہ بابا اسماعیل

ہرش دیوا راجہ (٦٨) کے زمانے میں کوہ ماران کے نیچے شمال کی طرف احمد اکدل کے متصل اُونچی جگہ پر ایک سنگین بتخانہ موجود تھا۔ سلطان حسن شاہ نے مندر اُتروا کر اس کے پتھروں سے بابا اسماعیل کے خدام کیلئے دو طبقوں کی بہت بلند اور وسیع خانقاہ بسائی اور گوشہ نشینوں کیلئے تین سو ساٹھ حجرے مہیا کئے اور دریا تک پتھروں کا زینہ بنوا دیا۔ لار پرگنہ کے بنہامہ اور ہرن گاؤں اور شہر کے بہت سے باغ اس کیلئے وقف رکھے۔ تقریباً چار سو آدمی اس کے لنگر خانے سے روزانہ کی غذا کھاتے تھے اور اوراد فتحیہ پڑھنے کی ان کی صدا پھاک پرگنہ میں سنی جاتی تھی۔ اکبر بادشاہ کے حملہ کرنے کے وقت یعقوب خان چک نے اسے آگ لگا کر مٹا ڈالا۔

خانقاہ ملک جلال ٹھاکر

محلّہ گوجوارہ میں مشہور ہے۔ اب اسے قضا مسجد کہا جاتا ہے۔

خانقاہ شمسی

ملک شمس چک نے محلّہ ...... (٦٩) ...... میں بابا اسماعیل زاہد کے خادموں کیلئے

بسائی تھی ۔حضرت مخدوم صاحبؒ نے اس خانقاہ میں بیس سال عبادت میں گذارے ۔
افغانوں کے زمانے تک اس کا لنگر جاری تھا اور اس کی جاگیر میں کئی دیہات شامل تھے۔

خانقاہ درگجن

شیخ محمد سلطان کشمیری ۔ سلطان سکندر کے عہد میں حضرت میر محمد ہمدانی قدس سرہ نے بنوائی۔

خانقاہ چستی

عنایت اللہ خان (۷۰) نے اپنی حکومت کے ایام میں سال ۱۰۵۲ھ (۷۱) میں میاں ہاشم چشتی (۷۲) کے خادموں کیلئے خانیار محلے میں عجیب تزئین کاری کے ساتھ بنوائی تھی ۔اب معدوم ہے۔

جامع بارہمولہ

اس کی اولین بنیاد بڈشاہ نے ڈالی تھی اور چغتائی بادشاہوں کے زمانے میں اس کی مرمت ہوئی اور شیخ محی الدین (۷۳) نے اس کی چھت درست کی۔
سال ۱۳۰۲ھ (۷۴) میں بھونچال کے صدمے سے زمین کے ساتھ برابر ہوگئی اور خواجہ عبدالصمد ککرو نے ۱۳۱۳ھ (۷۵) میں اسے نئے سرے سے بنایا۔

خانقاہ سوپور

حضرت میر محمد ہمدانیؒ کی تجویز پر سلطان سکندر نے بنائی تھی۔ اس کے بعد ان کے معتقدین اس کی مرمت کرتے رہے۔ سال ۱۳۰۲ھ (۷۶) میں بھونچال کے حادثہ میں گر گئی۔

خواجہ عزیز اللہ ککرو نے تجدید تعمیر کیلئے بہت کوشش کی۔

جامع سوپور

اورنگ زیب بادشاہ کی یادگار تعمیر تھی۔ مرمت نہ کئے جانے کے سبب کہنہ و فرسودہ ہو گئی ہے۔

خانقاہ مخدومی

حضرت مخدومؒ کے روضہ کے متصل برکات خان نے تعمیر کی تھی اور سال ۱۲۸۸ھ (۷۷) میں خواجہ محی الدین گندرو نے اس کی نئی تعمیر کی اور اس کی بلندی و وسعت میں اضافہ کیا۔

لیکن شیعوں اور سنیوں میں بلوا ہونے کی تہمت خواجہ محی الدین پر لگنے کے سبب خانقاہ کی تعمیر ادھوری رہ گئی۔ پھر خواجہ ثنا اللہ شال نے، جو خواجہ محی الدین کا بھانجا تھا، ماموں کی وفات کے بعد پانچ ہزار روپے کی اپنی رقم سے خانقاہ کی تعمیر مکمل کی۔ اس کی تاریخ جید نے یوں نکالی ہے۔

دل پی تعمیر نو تاریخ گفت　　خانقاہ سدرہ جاہ پیر ما(۷۸)

جامع شوپیان

سلطان زین العابدین کے تعمیرات میں سے ہے۔ بارہا اس کی مرمت ہوئی۔

جامع اسلام آباد

تاجروں میں سے ایک تاجر نے اسے بنایا۔ شیخ غلام محی الدین نے مرمت کر کے اسے بڑھا دیا۔

بجیشور خانقاہ

سلطان سکندر بت شکن نے وزیہ ایشری مندر کو، جو راجہ وزیانند کا بنایا ہوا تھا، گرا کر اس کے پتھروں سے ایک خانقاہ سید محمد قریشی کے خادموں کے لئے بنائی۔ اسے وجاشر خانقاہ

کہتے تھے۔

سال ۱۲۷۷ھ (۷۹) میں گلاب سنگھ نے اس خانقاہ کو گرا دیا اور اس کے پتھروں سے دریا کے کنارے ایک نیا بت خانہ بسایا۔

جامع بیج بارہ

سلطان سکندر کے یادگار تعمیرات (۸۰) میں سے ہے۔ حاجی غفار شاہ نے سال ۱۳۰۲ھ (۸۱) میں مرمت کرنے سے اسے بڑھا دیا۔

خانقاہ شیخ العالم

اسے پہلے بڈشاہ نے بنایا۔ چک دور میں اسے آگ لگ گئی اور یعقوب چک نے اسے نیا بنایا لیکن قبلہ ٹیڑھا کر دیا۔ تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد نیکی ریشی نے باطنی اعانت سے اپنے کندھوں کے زور کے ساتھ اسے ہلا کر قبلہ ٹھیک کر دیا۔

چغتائی دور میں سال ۱۲۳۹ھ میں (۸۲) پھر سے آگ کے حادثے کی وجہ سے جل گئی۔ خواجہ نظام درابو اور خواجہ محمود نے، جو کہ وقت کے اکابرین میں سے تھے، خانقاہ کی تعمیر کی تجدید نیز حضرت ریشیؒ کے روضہ کی تعمیر کمال خلوص و محبت کے ساتھ مکمل کی۔ اس کی تاریخ یوں پائی گئی۔.................(۸۳)

خانقاہ جیلانی

سید بزرگ شاہ، جو سید شاہ محمد فاضل قادری کے اولادوں میں سے تھے، نے مریدوں کے نذرانوں اور جاگیروں کی آمدنی سے دو طبقوں کی یہ خانقاہ بنائی۔ تاریخ شد بنا خانقاہ جیلانی (۱۲۱۸ھ) (۸۴)۔

دو سال گذر جانے کے بعد اسے کمال وسعت و رفعت کے ساتھ پھر سے بنایا۔ تاریخ خانقاہ نوازشہ جیلان (۸۵)۔

خانقاہ خواجہ شاہ صاحب

ضلع خانیار کے سیدہ واری محلے میں حضرت خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے تعمیرات میں سے ہے۔ تاریخ عقل "زیبا مسجد پرفیض" گفت (۱۲۲۰ھ) (۸۶)۔

خانقاہ غوثیہ

اس کا بانی میر حسین شاہ قادری ہے۔ اس کی پہلی تعمیر سال ۱۲۶۱ھ (۸۷) میں ہوئی۔ اس کی تاریخ خانہ خدا (۸۸) تھی۔ اس کے بعد ۱۲۷۱ھ میں اس کی وسعت و رفعت کو

دوبرابر کر کے کمال متانت وسنگینی اور تزئین وخوشنمائی اور رنگینی کے ساتھ آراستہ کیا اور اس کی تاریخ خانہ خدائیے (۸۹) نکالی۔

تھنگہ مسجد

ضلع خانیار کے تھنگہ محلّہ میں شاہ جہاں بادشاہ کے داروغۂ رسد عاقل میر نے بنائی اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ فرسودہ وگئی۔ سال ۱۲۹۷ھ (۹۰) میں خواجہ ثناء اللہ شال نے کافی روپے خرچ کر کے نئے سرے سے حمام اور خانقاہ اور چھت کے کنگرہ کے ہمراہ کمال مضبوطی اور زیب وزینت کے ساتھ اسے پھر سے بنایا۔

خانقاہ ڈانگر پورہ

سال ۱۳۰۳ھ (۹۱) میں نور شاہ سادھو نے کمال اخلاص کے ساتھ اسے محلّہ ڈانگر پور میں بنایا۔

مسجد جامع بانڈی پورہ

قدیم رئیسوں کے تعمیرات میں سے خراب ہو چکی تھی۔ اس وقت سوپور کے تاجروں

کے رئیس احمد ڈار کے اہتمام سے تعمیر نو کی صورت پا چکی ہے۔ جید نے تاریخ کہی۔

یکی از قد سیان از روی الہام "عبادتخانہ ٔ قد سیہ" فرمود

(ایک فرشتے نے بطور الہام عبادت خانہ قدسیہ کہا)

مصنف کی تاریخ۔

ہاتف از بہر سال تاریخش گفت: "پر فیض مسجدے جامع" (۱۳۱۳ھ)(۹۲)

(ہاتف نے اس کی تاریخ کے بارے میں کہا: "ایک پر فیض جامع مسجد")

یادداشتیں

(۱) ۱۳۲۴ء۔

(۲) تاریخ حیدر ملک چاڈورہ ص ۲۹۔ تاریخ نارائن کول عاجز ص ۴۳۔ تاریخ بیربل کاچرو ورق ۶۷۔ باغ سلیمان ص ۱۲۵۔ واقعات کشمیر ص ۲۹۔ مورخین متفق ہیں کہ سال ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) اولین سال ہے جبکہ کشمیر میں دین اسلام حکمرانوں کے دین کی حیثیت میں شائع ہوا۔ چچھ نامہ (علی ابن حمید ابن ابوبکر کوفی کی معدوم عربی کتاب فتوح السند کا فارسی ترجمہ) کی شہادت کی رو سے کشمیر میں اسلام کی اشاعت کے بارے میں بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سرزمین کشمیر میں دین اسلام کی تبلیغ کا آغاز ولید اول اموی (۷۰۵ء۔۷۱۵ء=۸۶ھ۔۹۶ھ) کے عہد سے ہوا۔ چنانچہ عربوں میں سے پہلا شخص جو اس ملک میں داخل ہوا حمیم ابن سماء شامی تھا۔ یہ شخص دیبل (کراچی۔سندھ) کے راجہ داہر کے بیٹے جے شاہ کی ہمراہی میں کشمیر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس سفر کی وجہ کی تحقیق نہیں ہو پائی۔ پادشاہ کشمیر نے ازراہ رأفت شاکلھا گاؤں (جنرل کننگھم کے بقول کولر کھار کوہ نمک کیھوڑہ کے علاقے سے، جو اس زمانے میں پادشاہ کشمیر کے قبضے میں تھا) راجہ داہر کے بیٹے کو جاگیر میں دے دیا۔ کچھ عرصے کے بعد جے شاہ کی فطری موت واقع ہوئی اور اس کی جائیداد حمیم کے ہاتھوں میں آ گئی۔ حمیم نے وہاں پر ایک مسجد بنائی اور بادشاہ کشمیر کے پاس عزت و اکرام کے ساتھ زندگی بسر کی (تاریخ ہند از الیٹ وڈاسن مطبوعہ لنڈن ۱۸۶۷ء ج ا ص ۱۳۷۔۳۰۷)۔ راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ للتادتیہ مکتاپیڈ، جو سال ۷۲۵ء سے ۷۴۵ء تک (۱۰۷ھ۔۱۳۶ھ) کشمیر کا بادشاہ تھا، امویوں کے خلاف جو اس کے علاقے پر ملتان اور سندھ کی فوجوں کے ساتھ حملے کیا کرتے تھے چین کے فغفور سے مدد مانگا کرتا تھا۔ سٹاین کے قبول متابیر، دراصل سنسکرت مکتاپیڈ کی بگڑی ہوئی عربی صورت ہے (مقدمہ راج ترنگنی ج ا ص ۱۹)۔ سال ۱۳۴ھ (۷۵۱ء) میں مسلمانوں نے چینیوں پر غلبہ پا کر گلگت پر قبضہ کر لیا (انڈین اینٹی کویئری جولائی ماہ ۱۹۰۸ء)۔ کچھ عرصے کے بعد ویجرادتیہ بیساک نے بہت سے لوگوں کو ملیچھوں (مسلمانوں) کے ہاتھ فروخت کر دیا اور کشمیر میں مسلمانوں کے بہت سے رسوم و رواج جاری ہو گئے۔ راجہ ہرش (۱۰۸۹ء۔۱۱۰۱ء=۴۸۲ھ۔۴۹۵ھ) کے زمانے میں تو ترشکان ہی (یعنی ترکان مطلب ہے مسلمان) کشمیر کی فوجوں کے سردار اور بقول کلہن سینکڑوں کی تعداد میں کماندار تھے۔ وینس کا مارکو پولو جو تیرہویں صدی عیسوی (ساتویں صدی ہجری) میں مشرقی ممالک کی سیاحت کر رہا

تھا۔ سال ۱۲۷۷ء (۶۷۶ھ) کے لگ بھگ کشمیر میں مسلمانوں کے وجود کی خبر دیتا ہے (سفرنامہ مارکو پولو مرتبہ مینوئیل کامراف، چھاپ نیویارک امریکہ ۱۹۳۹ء ص ۶۴)۔

(۳) آپ حضرت کا اصلی نام شاہ بلال، سید عبدالرحمٰن یا سید شرف الدین تھا۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے آپ حضرت کا نام سید شرف الدین لکھا ہے (واقعاتِ کشمیر ص ۳۱)۔ اسرار الابرار کے مصنف بابا داؤد مشکواتیؒ نے آپ کا نام بلبل شاہ کی بجائے بابا بلال لکھا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں: "شد بہ کشمیر اول از دستش درخت دین نہال ☆ شیخ و مرشد عارف حق حضرت بابا بلال" (کشمیر میں پہلے جس کے ہاتھ دین کا درخت سرسبز ہوا وہ تھے شیخ و مرشد عارف حق حضرت بابا بلال) بلبل شاہ روحانی مرید تھے شاہ نعمت اللہ فارسی کے اور وہ مرید تھے شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروری کے۔ تاریخ کبیر میں حاجی مسکین، بلبل شاہ کو ملا احمد علامی کا (جو سہدیو راجہ کی حکومت میں کشمیر آیا اور بلبل شاہ اس کے ہمراہ تھے) مرید بتلاتے ہیں۔ یہ رائے کشمیر کے تمام مورخین کی رائے کے برعکس ہے۔ بلبل شاہ ۷۲۷ھ (۱۳۲۷ء) میں اس دین سے عالم عقبیٰ کو سدھارے۔ خواجہ اعظم نے ان کے وفات کی تاریخ اس بیت میں پائی ہے ؎

سال تاریخ وصل حضرت شاہ ☆ بلبل قدس گفت: خاص الہ (۷۲۷ھ)

(۴) اے۔ ایچ۔ فرانک کی رینچن سے متعلق تحقیق کے نتائج کا ترجمہ یوں ہے (ہسٹری آف ویسٹرن تبت ص ۶۸۔۷۰۔۱۷۹۔۱۸۰) "لہاچن گیالبو رینچن (تقریباً ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۰ء تک) کے اجداد کے تاریخی مواد کے بارے میں ہمیں لداخ کی تواریخ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ خود اس کے بارے میں بہت کم کہا گیا ہے کہ گو کہ بعد کا تاریخی مواد کافی حد تک میسر ہے۔ یہ امر دلچسپ ہے کہ اسے گیالبو یعنی شہزادہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لہاچن جس کے معنی مغربی تبت کی زبان میں خدائے بزرگ کے ہیں عام طور پر تبت کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ کشمیر کی تواریخ اور راج ترنگنی میں ایک تشریح پائی جاتی ہے۔ راج ترنگنی کے تکملہ کا، جو سال ۱۵۱۰ء میں جونراج نے لکھا، ابھی تک کسی محقق نے تنقیدی جائزہ نہیں لیا ہے۔ اس کے باوجود رینچن شاہ کی نسبت ہماری واقفیت بہت کم ہے۔ اس بارے میں ہم سر والٹر لارنس کی تاریخ کشمیر سے یہ اقتباس پیش کرتے ہیں: "چودھویں صدی کے آغاز میں جب سہدیو کشمیر کا پادشاہ تھا کشمیر ایک ایسا ملک تھا جس میں شرابی اور جواری لوگوں کی کثرت تھی۔ یہ زمانہ ذوالقدر خان ترک کیلئے کشمیر پر حملہ کرنے کا مناسب وقت تھا۔ نااُمیدی اور بیچارگی کی حالت میں سہدیو کشتواڑ کی طرف بھاگ گیا۔ مذکورہ تاتاری نے لوگوں کو قتل کیا اور بہت بڑی تعداد میں ان کو قید کر لیا اور سرینگر کو نذر آتش۔ کشمیر کو آٹھ ماہ تک تباہ و برباد کرنے کے بعد تاتاری جنوبی راہ سے کشمیر سے چلے گئے لیکن برف و باران نے ان کو آگے بڑھنے کی فرصت نہیں دی اور کشمیری قیدیوں کے ساتھ ذوالقدر خان وادی عدم میں پہنچ گیا۔ اس اثناء میں راجہ سہدیو کا سپہ سالار رام چندر اس

کوشش میں تھا کہ وادی میں اپنا اقتدار قائم کرے۔ پس جب ذوالقدر خان لوٹ چکا وہ کمین گاہ سے باہر آیا اور تمام بھکاریوں کو، جو لوٹ مار کیلئے آئے تھے، وادی سے نکال دیا۔ رام چندر کے ساتھ دو آدمی تھے جنکی قسمت میں کشمیر کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت لکھی تھی۔ ایک تھا صوات کا شہمیر جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ ایک وقت وہ کشمیر کا بادشاہ بن جائے اور دوسرا یہی رینچن جس کی ہم بات کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اپنے باپ بادشاہ تبت کے ساتھ یہ شخص جھگڑا کرنے کے بعد کشمیر کی طرف چلا آیا۔ رینچن شاہ (یا رینچانہ بھوٹی جو کنگھم کے الفاظ میں رینچن تبّتی کہلاتا ہے) سوائے رینچن تبّتی کے اور کوئی معلوم نہیں ہو پاتا۔ مغربی تبت کے بادشاہوں میں روایت ہے کہ جب ولی عہد بالغ ہو جاتا ہے تو اسے ملک کے معاملات میں مددگار بنا لیتے ہیں۔ باپ بیٹے میں سرپرستی کے امر پر اختلافات پیدا ہو گئے اور ایک بیٹے کا باپ بن کر رینچن نے لداخ چھوڑ دیا۔ یہاں پر شاہان لداخ کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ تھوڑے ہی عرصے میں رام چندر اور رینچن شاہ کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے، تبتیوں کی مدد سے اس نے رام چندر کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ سندھ کی وادی میں لہار کوٹ (موجودہ لار) میں ہوا۔ رام چندر کے قتل ہو جانے کے بعد رینچن شاہ نے اس کی بیٹی کوٹ رانی کے ساتھ بیاہ کیا اور ۱۳۲۳ء میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ رینچن شاہ جو اپنے اعتقادات میں راسخ نہیں تھا چاہتا تھا کہ کشمیر میں رائج مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کو اپنے لئے چنے۔ لیکن وہ ہندو نہیں ہونا چاہتا تھا کیونکہ یہ مذہب نسلی امتیاز کو روا رکھنے کی وجہ سے اسے اپنی برادری میں داخل نہیں کر سکتا تھا۔ اور جب ایک دن صبح سویرے رینچن نے ایک شخص کو دیکھا جو مسلمانوں کے طریقے پر عبادت کر رہا ہے تو یہ طریقہ اسے عجیب لگا اور مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام صدرالدین رکھا گیا۔ رینچن شاہ نے بلبل شاہ کے لئے جامع مسجد اور ایک خانقاہ بنوائی۔ یہ آستان آج تک بلبل لنگر کے نام سے مشہور ہے۔ دو سال اور چھ مہینوں تک حکمرانی کرنے کے بعد کشمیر کا یہ اولین مسلمان بادشاہ فوت ہوا۔ اس کی بیوہ نے پہلے سہم دیو اور پھر اس کے بعد شاہ میرزا کے ساتھ شادی کی۔ کچھ عرصہ بعد یہ آخری مذکورہ شخص کشمیر کا بادشاہ بن گیا اور اس کے بارے میں جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ آخر کار درست نکلی۔ عقل کو یقین نہیں آتا کہ رینچن کی تخت نشنی کی خبر لداخ نہیں پہنچی ہوگی لیکن جس چیز نے لاماؤں کو (بدھ مت کے روحانی پیشوا) رینچن کے نام کو لداخ کی بعض تواریخ سے نکال دینے پر مجبور کیا شاید اسکے مذہب کو بدل دینے کی وجہ سے ہے، چنانچہ ایک دوسرے شخص کے بارے میں بھی ایسا ہی ہوا ہے جس کا ہم آگے ذکر کریں گے۔ یہ تاریخی غلطی لاماؤں سے ہوئی ہے جو لداخ کی تاریخ کے مورخ ہیں۔ کہتے ہیں کہ رینچن شاہ زنکس کر، پوریک یا بلتستان سے تھا۔ اسے درست تو کہا جا سکتا ہے لیکن تاریخی شواہد کی عدم موجودگی میں یقین سے اس کے ان علاقوں سے منسوب کرنے کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے باوجود ہمیں خوشی ہے کہ مندرجہ شواہد سے رینچن شاہ کو گیالبو رینچن کے ساتھ مناسبت ہے (الف)

زمانے کی مطابقت (ب) نام کی معرفت (ج) تبت کی تاریخ کی شہادت جس کی رو سے اس کا نام شہزادہ رینچن ہے۔

رینچن شاہ پر ڈاکٹر جے پی ایچ دوجل کی تحقیق (اے ہسٹری آف ویسٹرن تبت ص ۱۷۹ سے ترجمہ) یوں ہے: ''تبت کی تاریخ میں رینچن شاہ کے ایک نام کے بغیر اور کسی کا ذکر نہیں۔ کشمیر کے تاریخ نویسوں کی رائے کے برعکس جنہوں نے اس بارے میں بہت کچھ لکھا ہے یہ شخص ۱۳۱۹ء سے ۱۳۲۵ء تک حکمرانی کرتا رہا۔ گمان غالب ہے کہ دونوں رینچن کی آپس میں نسبت ہے۔ مورخین کشمیر کے بقول رینچن شاہ، کلمانیا س قبیلے کے ہاتھوں اپنے باپ وک ٹیانہ کے قتل ہونے کے بعد لداخ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوا۔ شاید کلمانیا اس سے مراد ہے کھر مانگ (جو بلتی اقوام کا دارالخلافہ تھا) قبیلے کے لوگوں سے۔ یہ بات قیاس کے قریب ہے کہ بلتی قوام لداخی خاندان کو مٹا کر خود ان کی جگہ حکومت کرنا چاہتی تھی۔ وکٹیانہ کا نام ملبی کے پاس واقع قلعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ان ایام میں مذکورہ قلعہ لداخ کے بادشاہوں کے ہاتھوں میں تھا۔ اس زمانے کی تاریخ تبت کے بارے میں سوای قیاس و اندازے کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود تین دلائل سے کشمیری رینچن اور تبتی رینچن کے درمیان یقین کے ساتھ آپس میں نسبت دی جا سکتی ہے: (الف) تبت کی تاریخ کی شہادت شہزادے (رگیالبو) کی حیثیت سے رینچن کے وجود پر (ب) نام کی موافقت (ج) زمانے کی قریبی موافقت۔ کلمانیہ قبیلے سے اپنے خاندان کا انتقام لینے کے بعد رینچن کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ ان دنوں درلوکا (ذوالچو) کی وجہ سے کشمیر سخت بدانتظامی سے دوچار تھا۔ کشمیر کا بادشاہ سہدیو ایک نالائق آدمی تھا لیکن اس کا وزیر رام چندر ترکوں کے خلاف اٹھا۔ جب درلوکا اور رام چندر دونوں اس کی راہ سے ہٹ گئے تو بغیر کسی مقابلے کے رینچن شاہ نے اپنے آپ کو کشمیر کا مالک بنا دیا اور کوٹ رانی کو، جو سہہ دیو کی بیوہ اور رام چندر کی بیٹی تھی، اپنے عقد میں لے آیا اور ملک کا نظم و نسق فوراً بحال ہو گیا۔ مورخوں نے رینچن شاہ کی حکومت کو بہت سراہا ہے۔ کچھ عرصہ بعد درلوکا کی سازش سے تبتیوں نے رینچن کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس گروہ کا سرغنہ تکہ (تبتی میں درگیپا) تھا۔ لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس کے بعد رینچن شاہ چند ماہ زندہ رہ کر زکام سے پیدا ہونے والے سر درد سے مر گیا۔ اس سے جو بیٹا کشمیر میں پیدا ہوا وہ اس ملک کا حکمران نہ بن سکا۔ لیکن لداخ میں اس کا جو بیٹا تھا اور کشمیر آنے سے پہلے وہاں پیدا ہوا تھا، لداخ کا حکمران ہوا۔ اس وجہ سے لداخی بادشاہوں کا سلسلہ منقطع نہیں ہو جاتا''۔ سلطان صدرالدین یا رینچن شاہ نے کل تین سال تین ماہ اور انیس دنوں تک حکمرانی میں گذارے اور جمعہ کے دن ۲۵ رنومبر ۱۳۲۳ء (۷۲۳ھ) کو وفات پائی۔ اس کی قبر بلبل لنگر محلے میں عالی کدل اور نوا کدل کے درمیان حضرت محمد امین اویسیؒ کی زیارت کے قریب شکستگی کی حالت میں موجود ہے۔

(۵) اس سے پہلے عام طور پر اس محلے کو اور (اب کم ہی) دیدہ مر کہتے تھے (باغ سلیمان ص ۱۲۹۔ تاریخ حیدر

ملک چاڈورہ ص ۳۸)۔

(۶) ۱۶۰۴ء۔ حیدر ملک چاڈورہ کے بقول جو عمارت جل گئی وہ جامع مسجد تھی چنانچہ: ''اور جو خانقاہ اس نے بنائی وہ آج تک (۱۰۲۷ھ) موجود تھی۔ اب اسے نئے سرے سے بنایا گیا ہے۔ لیکن وہ جامع مسجد جل گئی اور اب اس کی جگہ پر وہیں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی ہے'' (ص ۳۸)۔

(۷) یعنی حکومت کشمیر کا محکمہ نزول جو سرکار کے مقبوضہ اراضی کا تحویلدار ہے۔

(۸) ہندوؤں کا ایک بت جو قدرت کا حامل اور قوت کا مظہر ہونے کے طور پر پوجا جاتا ہے اور شکتی (پر قوت دیو) کا ایک قالب ہے جیسے چندی تارا اور درگا وغیرہ اور ہندوؤں کے شاکت نامی فرقے کے لوگ بنگال (برصغیر ہند اور پاکستان) میں اس کی دیوتاؤں کا دیوتا نام سے عبادت کرتے ہیں۔

(۹) شیوجی کا نام۔

(۱۰) ۱۳۷۸ء۔

(۱۱) ۱۳۷۸ء تا ۱۳۹۲ء۔

(۱۲) امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ میر سید شہاب الدین ابن میر سید محمد حسینی کے فرزند ہیں۔ ایران کے بڑے شہروں میں سے ایک شہر ہمدان میں ۱۲ر رجب المرجب سوموار کے روز ۷۱۴ھ (۱۳۱۴ء) میں متولد ہوئے۔ آنجناب کی تاریخ ولادت رحمتہ اللہ کہی گئی ہے۔ خلاصتہ المناقب کے مولف کے بقول آنجنات کا نسب سولہ واسطوں سے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مل جاتا ہے۔ اپنے چچا جناب میر سید علاء الدین سمنانی کی تربیت میں علوم فقہ وتصوف پڑھے اور بچپن کے ایام میں ہی قرآن مجید کو حفظ کیا۔ میر سید علی نے اول شیخ ابوالبرکات تقی الدین دوستی سے بیعت کی، پھر ان کے انتقال کے بعد شیخ شرف الدین محمد مزدقانی کو اپنا روحانی رہبر بنالیا۔ اس بزرگ نے چاہا کہ میر سید علی مزکری ایشیا کے ملکوں میں گھوم کر روحانی تجربات حاصل کریں۔ اس لئے سید مذکور نے اکیس سال تک سیاحت پوری کرلی۔ اس دوران آپ نے بہت سے ہم زمان علماء کے ساتھ مجلسیں کیں۔ محمد امین رازی صاحب ہفت اقلیم کے بقول (ص ۱۷) شاہ ہمدان نے مختلف ممالک کی تین بار سیاحت اور ایک ہزار چودہ اصفیاء کے ساتھ ملاقات کی۔ حضرت امیر موصوف پہلی بار سال ۷۷۴ھ میں (۱۳۷۲ء) سلطان شہاب الدین کے عہد میں کشمیر میں وارد ہوئے۔ آنجناب کے ہمراہ سات سو سادات تھے۔ چار ماہ تک ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ دوسری بار آپ بزرگوار کے بابرکت قدم سال ۷۸۱ھ میں (۱۳۷۹ء) اس وادی میں داخل ہوئے۔ ان ایام میں کشمیر کی سلطنت کی بھاگ ڈور سلطان قطب الدین کے ہاتھوں میں تھی۔ تیسری بار آنجناب نے سال ۷۸۴ھ میں (۱۳۸۳ء) اس ملک کو اپنے ورود سے رونق بخشی اور اس وادی میں آپ مستقل طور پر اقامت فرمانا چاہتے تھے لیکن طبیعت کی علالت آپ کے اس ارادے میں مانع آئی اور کسی

مصلحت کے پیش نظر آب وہوا کی تبدیلی کیلئے آپ نے پکھلی کی طرف کوچ فرمایا لیکن رضای الٰہی کے بموجب منگل وار کے دن ۵/ ذی الحجہ ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ء) کو ۷۲ سال کی عمر میں فانی دنیا سے باقی رہنے والی دنیا کی طرف سفر اختیار کیا۔ آپ حضرت کی تاریخ بسم اللہ کے فقرے سے پائی گئی ہے (۷۸۶ھ)۔ شاہ ہمدان کا مزار اب تک اختلان (کولاب) میں شکستگی کی حالت میں موجود ہے۔ صوبہ سرحد پاکستان کے ضلع ہزارہ میں غمٹ کے مقام پر مانسہرہ تحصیل میں پکھلی میں بھی میر سید علی ہمدانی کی ایک یادگار موجود ہے۔ میر سید علی ہمدانی کی تصانیف، جیسے کہ ڈاکٹر صوفی نے ان کا شمار کیا ہے یہ ہیں (۱) ذخیرۃ الملوک...... حکومت الٰہیہ اور بادشاہوں کے اخلاق پر ایک ضخیم تذکرہ ہے اور وہ نسخہ جو کہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے دوسو پچاس صفحات کا ہے اور عمدہ نستعلیق خط میں ہے۔ ذخیرۃ الملوک ان ابواب پر مشتمل ہے (ا) ایمان (ب) انسان کے فرائض (ج) اوصاف حمیدہ (د) والدین اور زن وشوہر نیز اطفال وغیرہ کے حقوق (ھ) روحانی حکومت (و) حلال روزی اختیار اور حرام سے پرہیز کرنا (ز) شکر اور قناعت (ح) صبر (ط) غرور کی مذمت اور تواضع کی خوبی۔ سال ۱۸۲۵ء میں ارنسٹ فرڈرک کارن روسن مولر نے لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور چار سال کے بعد فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ امرتسر میں یہ کتاب سنگی چھاپ میں نیاز علی خان کے اہتمام سے شایع ہوئی ہے۔ سال ۱۳۳۴ھ میں (۱۹۱۵ء) منہج السالکین کے نام سے اس کا اُردو ترجمہ لاہور سے چھپا ہے (۲) رسالہ نوریہ در تفکر ذات باری (۳) رسالہ مکتوبات (مشتمل بر خطوط امیر کبیر) (۴) در معرفت صورت و سیرت انسان (آدمی کے ظاہری اور باطنی اوصاف پر ہے) (۵) در حقایق توبہ (۶) حل النصوص علی الفصوص (ابن عربی کی فصوص الحکم کی شرح ہے) (۷) شرح قصیدہ خمریہ فارضیہ (۸) رسالۃ الاصطلاحات (تصوف) (۹) علم القیافہ (۱۰) دہ قاعدہ (تصوف) (۱۱) کتاب المودۃ فی القربیٰ (صلہ رحم کے بارے میں وارد احادیث کا مجموعہ ہے) (۱۲) کتاب السبعین فی فضائل امیر المومنین (۱۳) اربعین امیریہ (حدیث) (۱۴) روضۃ الفردوس (شجاع الدین شبیرویہ کی کتاب فردوس الاخبار کا خلاصہ) (۱۵) منازل السالکین (تصوف) (۱۶) اورادفتحیہ (توحید پر ایک مختصر رسالہ) (۱۷) خلاصۃ المناقب (تصوف)۔ ڈاکٹر صوفی نے میر سید علی ہمدانی کے بارے میں معلومات کا اضافہ کرنے کیلئے ان کتابوں کے مطالعہ کرنے کی سفارش کی ہے (۱) حبیب السیر جلد۳/ حصہ سوم ص ۸۷ (۲) نفحات الانس جامی ص ۵۱۵۔ (۳) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ص ۳۲۵ (۴) ہفت اقلیم مصنفہ محمد امین راز، ورق ۲۷۷ (۵) تذکرہ تقی اوحدی، ورق ۴۷۸-A (۶) مجمع النفالیس جلد۲/ ورق ۳۰۶-A (۷) ریاض الشعراء ورق ۳۶۳-B (۸) مخزن الغرایب ورق ۵۴۸ (۹) مفتاح التواریخ ص ۱۴۳ (۱۰) مجمع الفصحاء جلد ا/ ص ۳۴۰ (۱۱) حاجی خلیفہ جلد۴/ ص ۳۲۶۔ ختلان: سال ۱۸۷۲ء میں سیر یول نے صوبہ ختلان یا ختل کی کولاب کے شمال اور درواز (شمال مشرقی افغانستان کی سرحد کے متصل ترکستان میں) کے مغرب میں واقع ہونے کی نشاندہی کی تھی۔ لیکن موسیو می اف جس نے اس کے تین سال بعد اس علاقے کا سفر کیا کورگان ٹیوب (کورگان ٹی پا) کو جوسرخاب (یاوخش) کے نیچے اور کولاب کے مغرب میں قلیل دوری پر واقع ہے قدیم ختلان کی جگہ قرار دیتا ہے۔ ختلان پندرہویں صدی کے اواخر

تک موجود تھا کیونکہ ہم سال ۱۴۹۸ء میں دیکھتے ہیں کہ خسرو شاہ قندزی نے اس صوبے کی حکومت اپنے بھائی ولی کو سونپ دی جس سے ختلان کا نام مٹ گیا (الیاس اور روس کا تاریخ رشیدی کے انگریزی ترجمہ کا حاشیہ ص ۲۱۔ سال ۱۸۹۵ء) بابر کے زمانے میں ختلان یا ختل کے نام کا اطلاق اس حصے پر ہوتا تھا جو دریائے آمو (جو ہرات ایا پنج کے نام سے معروف ہے) کے بالائی حصے کے درمیان ہے اور جنوب میں بدخشان سے الگ ہو جاتا ہے (حاشیہ توزک بابری کنگس اڈیشن جلد ا ص ۵۸۔۵۹) بڑا پہاڑی علاقہ جو وخشاب (جیحون کی ایک نہر؟) اور دریائے جیحون (اوکسس) کے مابین ایک گوشے میں واقع ہے ختل کے نام سے مشہور تھا اور مبہم طور پر ان تمام مشرقی علاقوں پر اس کا اطلاق ہوتا تھا جو خراسان کے شمال میں واقع اور جہاں کافر رہتے تھے۔ ختلان اس علاقے پر بھی مشتمل تھا جو وخشاب کا منبع ہے۔ اصطخری کے بقول ختلان ایک زرخیز صوبہ تھا اور گھوڑوں کے لئے مشہور۔ اس کے دریا اور چشموں کے کناروں پر بہت سے بڑے بڑے شہر آباد تھے۔ اس کے باغات میوؤں سے پر اور اس کی زمین غلہ جات سے معمور تھی۔ دسویں صدی عیسوی (چوتھی صدی ہجری) میں ختل کا حکومتی شہر بلبک تھا۔ اس علاقہ کے نام کے بارے میں مورخوں کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ قزوینی کے مطابق (جلد ۲ ص ۳۵۲) ختلان، ایک ترکی شہر تھا جو پہاڑی علاقے کے درمیان واقع تھا۔ اس شخص نے اسکے محل وقوع کی نشان دہی نہیں کی ہے۔ علی یزدی نے ظفر نامہ میں (جلد ا ص ۴۶۴) تیموری فتوحات کا ذکر کرنے کے ضمن میں اس شہر کا نام ختلان لکھا ہے۔ ختلان کے بارے میں ڈاکٹر صوفی نے جو تحقیق ۱۹۴۷ء میں کی ہے وہ یہ ہے کہ ختلان صوبہ کو اب کولاب کہتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس انگریزی میں خط و کتابت کا ترجمہ قارئین کیلئے پیش کرتے ہیں جو ڈاکٹر صوفی کی ختلان اور مقبرۂ شاہ ہمدان سے متعلق تحقیق کے بارے میں روسی حکومت کی سائنسی مجلس کے رکن پروفیسر پالوفسکی کے درمیان ہوئی تھی۔

(۱) لینن گراڈ۔ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء

گرامی قدر ڈاکٹر صوفی

میں نے ان تصویروں کا ایک حصہ حاصل کرلیا ہے جن کی آپ کو ضرورت تھی۔ یہ تصویریں صوبہ تاجکستان سٹالن آباد کی سائنسی مجلس کے ایک ملازم اے سمی ناف نے کھینچی ہیں۔ کولاب کی علوم شرقیہ کے ماہرین کی ایک جماعت کے ساتھ اس نے بذات خود ملاحظہ کرنے کے بعد تصویریں لی ہیں۔ جو تصویریں ابھی تک میں نے میر سید علی ہمدانی کی حاصل کرلی ہیں ان میں سے میں سات تصویریں اس خط کے ہمراہ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ اعلیٰ درجے کی تصویریں نہیں ہیں لیکن امید ہے کہ ان کو اپنے مطلب کے مطابق پائینگے۔ اگر مزید تصویریں مل جائیں گے تو ان کو آپ کیلئے بھیج دوں گا۔ اشاعت کے وقت مجھے امید ہے کہ آپ لکھیں گے یہ تصویریں موسیہ اے سمی ناف نے کھینچی ہیں۔ اب ختلان کولاب کے نام سے مشہور ہے۔ روسی زبان میں اسے کولیاب کہتے ہیں۔ اس کا حکومتی شہر جمہوری روسی تاجیک کا ایک شہر ہے جس کی تصویر آپ پوسٹ کارڈوں اور لفافوں پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ میں تاجکستان جا رہا

ہوں اور سٹالن آباد سے مقبرہ کی جو پسندیدہ ضروریات آپ کی ہیں ان کو مزید آپ کیلئے بھیج دوں گا۔

آپ کا مخلص: ای۔ پالووسکی

(۲) سٹالن آباد۔ مورخہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۷ء

گرامی قدر ڈاکٹر صوفی

جیسا کہ اس سے پہلے لکھا جا چکا میں اس وقت سٹالن آباد تاجکستان میں ہوں۔ اسی میں قدیم کولاب واقع ہے جس کے بارے میں آپ کی خاصی دلچسپی ہے۔ میں نے ہوائی جہاز سے آپ کیلئے چند تصویریں بھیجی ہیں۔ کولاب میں یہی ایک مقبرہ موجود ہے جو دس حجروں اور گنبدوں کی ایک قطار پر مشتمل ہے۔ میں نے یہاں کیمرہ سے مقبرے سے چند خاکے اٹھانے میں کامیابی حاصل کی ہے اور ان کو ٹھیک کرانے اور ان کی دوسری عکس برداری کیلئے ماسکو بھیج دیا ہے۔ جوں ہی وہاں سے آجائیں گے آپ کی خدمت میں روانہ کردوں گا۔

میں مقبرہ کے حقیقی مطلب کے بارے میں جس کی آپ کو تلاش ہے مقامی مجلہ آئینہ کولاب میں سے ایک تراشیدہ آپ کیلئے اس لفافے کے ہمراہ بھیج رہا ہوں۔ اس مجلّہ میں موسیو کالیا کوف کا مقالہ ہے جس نے مذکورہ مقبرہ کی اپنی آنکھوں سے خود زیارت کی ہے۔ اس میں آپ اس کے تصاویر بھی ملاحظہ کریں گے۔ موسیو کالیا کوف مذکورہ مقبرے کی نسبت تفصیلی تحقیق کرنے میں مشغول ہے۔ جب چھپ جائے گی آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

روسی حکومت کے سائنسی تحقیق کے ادارے کے تاجیکی حصے میں ایک شعبہ مختلف زبانوں کے ادب اور تاریخی تحقیقات کیلئے مخصوص ہے۔ جو لوگ وہاں کام کرتے ہیں وہ کامل دلچسپی کے ساتھ شرقیہ زبانوں بالخصوص ہندوستانی ادب کے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ میں ممنون رہوں گا اگر آپ زحمت فرما کر لطف وکرم کر کے اس بارے میں اپنی اور دوسرے عالموں کی تصانیف کو ہمارے لئے بھیج دیں گے۔ جو کتابیں اس ضمن میں آپ آسانی کے ساتھ ہمارے لئے مہیا کرسکیں گے انہیں مہربانی فرما کر ذیل کے پتہ پر بھیج دیجئے۔

لینن گراڈ۔ کے مارکس اوین یو۔ مکان نمبر ۵۔ کمرہ نمبر ۵ ایسٹ۔ این پالووسکی۔ رکن سائنسی ادارہ علمی تحقیقات میں آپ کی کامیابی پر ہماری عمدہ ترین خواہشات کو قبول کیجئے۔

عزت واحترام کے ساتھ

دستخط

ای۔ پالووسکی۔ رکن ادارہ

سال ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں شہنشاہ بابر نے اس مقبرہ کے ارگرد طواف کیا ہے۔ اس کے کہنے کے مطابق

اس وقت اس میں نارنگی کے درخت تھے (حاشیہ کشمیر جلد ا ص ۸۷۔۸۸/۱۱۶۔۱۱۶ اے اور ۱۱۶۔بی)

(۱۳) یعنی دوبار چلے کاٹے۔

(۱۴) ۱۳۹۲ء۔

(۱۵) ۱۳۹۶ء۔

(۱۶) واقعات کشمیر ص ۴۳۔باغ سلیمان ص ۱۴۹۔

(۱۷) ۱۳۹۴ء۔

(۱۸) ۷۹۵ھ=۱۳۹۲ء۔

(۱۹) سیف خان (۱۰۷۶ھ تا ۱۰۷۹ھ=۱۶۶۵ء تا ۱۶۶۸ء) کی حکومت میں اور یہ جو باغ سلیمان کے مصنف نے لکھا ہے۔

حاصل ہرسہ از وفاداری بود تا عہد سیف خان جاری
صاحب صوبہ شد چو آن مردود نصف اوقاف صرف خاص نمود

بظاہر ضعیف ہے (باغ سلیمان ص ۴۹۔قلمی نسخہ محکمہ ریسرچ حکومت کشمیر)۔

(۲۰) ۸۸۰ھ تا ۸۹۳ھ=۱۴۷۵ء تا ۱۴۸۷ء۔

(۲۱) ۸۸۵ھ (۱۴۸۰ء)۔

(۲۲) واقعات کشمیر ص ۶۷۔

(۲۳) وفات ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء)۔

(۲۴) میر شمس الدین عراقی دوسری بار محمد شاہ کے عہد میں کشمیر میں وارد ہوئے۔آپ کے پہلے قدم کشمیر میں محمد شاہ کے والد حسن شاہ کے عہد میں بقول خواجہ محمد اعظم دیدہ مری، والئی خراسان سلطان حسین کی طرف سے سفارت کے سلسلے میں پڑے تھے (واقعات کشمیر ص ۷۵)۔

(۲۵) ۸۹۹ھ (۱۴۹۳ء)۔

(۲۶) واقعات کشمیر ص ۷۶۔

(۲۷) ۱۷۳۱ء۔

(۲۸) ۱۱۴۴ھ۔

(۲۹) محمد شاہ کے عہد میں کشمیر کا حاکم (وفات ۱۱۵۸ھ) پہلی بار ۱۱۴۲ھ تا ۱۱۴۴ھ دوسری بار ۱۱۴۶ھ تا

۱۱۵۸ھ۔

(۳۰) ۱۱۴۶ھ (۱۷۳۳ء) یہ مذکورہ تاریخ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے درج کی ہے اور آپ کے بقول یہ خانقاہ معلیٰ کی چوتھی بار کی تعمیر ہے (واقعات کشمیر ص ۲۴۴)۔

(۳۱) ۱۸۰۳ء۔

(۳۲) ۱۸۲۷ء۔

(۳۳) ۱۸۸۶ء۔

(۳۴) ڈاکٹر صوفی کے انکشاف کے مطابق (کشمیر جلد ۲/ص ۷۲۹) خواجہ ناظم الدین موجودہ وزیر اعظم پاکستان نواب حسن اللہ خان کے خاندان سے ہیں۔

(۳۵) کشمیر کا حاکم ۱۸۸۶ء کے ابتداء سے ۱۸۸۶ء تک (۱۹۴۱ بکرمی سے ۱۹۴۳ بکرمی تک) دیوان مذکور نے قحط کے زمانے میں شالی کی تقسیم کے بارے میں ربط وضبط کو قائم رکھنے کی وجہ سے بڑی شہرت پائی۔

(۳۶) ۱۳۹۸ء۔

(۳۷) واقعات کشمیر ص ۴۳۔

(۳۸) ۸۰۱ھ (۱۳۹۸ء)۔

(۳۹) واقعات کشمیر ص ۴۳۔

(۴۰) ایضاً ص ۶۷۔

(۴۱) ۸۸۵ھ (۱۴۸۰ء)۔

(۴۲) قاضی موسیٰ شہید، قاضی میر علی کے اولادوں میں سے تھے۔ علمی فنون وکمالات سے آراستہ آپ کا خاندان والد سے لے کر اجداد تک قاضی ابراہیم کے زمانے سے کشمیر کے محکمہ قضا سے وابستہ تھا۔ سال ۹۹۴ھ (۱۵۸۵ء) میں یعقوب شاہ چک (آخری چک بادشاہ) کے حکم سے قتل کئے گئے۔ آپ کا مقبرہ ملہ کھاہ کے مزار میں ہے (واقعات کشمیر ص ۹۹)

(۴۲) ۱۰۳۹ھ (۱۶۲۹ء)۔

(۴۳) ۱۸۴۱ء۔

(۴۴) ۱۸۴۱ء۔

(۴۵) ۱۸۷۹ء۔

(۴۶) ۱۲۹۷ھ۔

(۴۷) ۱۳۹۸ء۔

(۴۸) علی شاہ، سلطان سکندر کا فرزند ارجمند ہے۔ والد کی وفات کے بعد امراء اور وزراء کے باہمی اتفاق سے بادشاہت کا تاج سر پر رکھا۔ چھ سال اور نو مہینوں تک حکمرانی کی۔ سال ۸۲۷ھ (۱۴۲۳ء) میں اپنے بھائی زین العابدین کو امور سلطنت سپرد کر کے خود بیت اللہ کو روانہ ہوگیا۔ جب جموں پہنچا تو جموں کے راجہ نے جس کی بیٹی اس کی بیوی تھی، تخت سلطنت کو چھوڑنے پر اس کی سخت ملامت کی اور حج سے منع کر کے اسے لشکر کشی پر اُکسایا۔ اس کی خبر سلطان زین العابدین کو ہوگئی۔ طرفین کا پکھلی میں باہم مقابلہ ہوا اور علی شاہ کو شکست ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد اسی جگہ قید خانے میں وفات پا گیا (خلاصہ از واقعات کشمیر ص ۴۸۔۴۹)۔

(۴۹) ۱۶۶۴ء۔

(۵۰) ۱۸۰۰ء۔ عبداللہ بارکزئی سال ۱۷۹۵ء میں صوبہ دار کی حیثیت سے کشمیر میں آیا اور اس عہدے پر قریب گیارہ سال تک فائز رہا۔ ۱۷۹۸ء میں کابل میں طوائف الملوکی ہو جانے کے باعث اس کے دل میں مطلق العنان بن جانے کا خیال آیا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اس نے زد یلے لوگوں کو اعلیٰ عہدے دیئے اور تیس ہزار آدمیوں کی ایک فوج تیار کر لی۔ اپنے دیوان کے ساتھ غلط فہمی پیدا ہو جانے کے باعث عبداللہ خان کا جھگڑا ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد معزول ہوا اور آخر بالا حصار میں قید ہوا۔ سال ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) میں عبداللہ خان پنہانی قید سے فرار ہوا اور کشمیر آ گیا اور سال ۱۸۰۶ء تک اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ سال ۱۸۰۷ء میں عبداللہ خان ایک بھاری لشکر لے کر اپنے بھتیجے عطا محمد خان صوبہ دار کشمیر کے مقابلے میں آ گیا لیکن شومی قسمت سے شکست کھا گیا۔ اسی سال محصوری کی حالت میں بالآخر عطا محمد خان کی بھی موت واقع ہوئی۔ عبداللہ خان کا معاصر الفنسٹن لکھتا ہے: ''عبداللہ خان ایک زیرک اور باہمت آدمی تھا۔ کشمیری اور افغان دنوں اس سے محبت کرتے تھے۔ عدل و محبت اور ملکی انتظام میں وہ ہر شخص کا محبوب تھا۔ علم دوست تھا..... درانی منتظمین میں عبداللہ خان جیسا اور کوئی شخص نہیں تھا'' (بحوالہ کشیر ج ۱ ص ۳۲۲)۔

(۵۱) ۱۸۸۲ء۔

(۵۲) سید محمد امین اویسی المعروف میر بابا، سید حسین بیہقی کے فرزند ارجمند ہیں۔ برگزیدہ سادات تھے۔ ظاہری علوم اور تعلیم قرآن میں حضرت بابا حاجی ادہم کے شاگرد ہیں۔ آنجناب کے پیر طریقت سید ہلال کبروی تھے۔ سلطان زین العابدین کو ان کی نسبت بہت کامل اعتقاد تھا۔ غرہ ذی قعدہ ماہ کو سال ۸۸۹ھ (۱۴۸۴ء) میں اپنے ماموں میر سید حسین بیہقی سمیت، جو سلطان کے وزیر تھے، مع اپنے خاندان کے چودہ اشخاص کے امراء کشمیر کے ہاتھوں شہید

ہوئے۔تاریخ شہید کشمیر ہے (۸۸۹ھ) حضرت میر کی قبر سرینگر کے ملچمر محلے میں ریخچن شاہ کی قبر کے نزدیک خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کے زمانے یعنی ۱۱۷۹ھ تک خاص وعام کا مرجع تھی (تلخیص از واقعات کشمیر ص ۵۶۔۵۷)۔

(۵۳) ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی اپنی کتاب کشیر جلد دوم ص ۷۲۹ میں تاریخ اقوام کشمیر مصنفہ منشی محمد الدین فوق ص ۴۴۲ مطبوعہ ۱۹۳۴ء کے حوالے سے نواب احسن اللہ خان کے اجداد کے ڈھاکہ میں بس جانے کے بارے میں لکھتا ہے: سال ۲۳۔۱۸۲۲ء میں دو بھائی سکھوں کے مظالم کے خلاف فریاد کرنے کے لئے مغلیہ حکومت کے دربار میں دہلی پہنچے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس دربار سے انصاف کی توقع رکھنا محال ہے۔دونوں مذکورہ بھائی مشرق کی طرف چل پڑے اور ڈھاکہ میں سکونت اختیار کرلی۔

(۵۴) مراد ہے انگریزی سکہ جوڈوگرہ سکہ سے دوگنی قیمت کا تھا اور ۱۸۴۶ء سے ۱۸۸۵ء تک رائج تھا۔

(۵۵) ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ء)۔

(۵۶) ۱۳۰۴ھ۔

(۵۷) ۱۴۶۴ء۔

(۵۸) ۱۴۴۴ء۔

(۵۹) ابرہیم خان، امیر الامرا علی مردان خان کا فرزند رشید تھا۔چھبیسویں سال میں سن ۱۰۶۳ھ میں (۱۶۵۲ء) صاحبقران ثانی کی پیش گاہ سے فضیلت کی بناپر خطاب خان سے سرخروئی پائی ۔ باپ کی وفات کے بعد اکتیسویں سال میں چہار ہزاری اور تین ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوا۔سموگڈھ کے محاربے میں داراشکوہ کی فوج کے میمنہ کا منتظم تھا۔کم اندیشی اور ناتجربہ کاری سے شکست کھانے کے بعد شاہزادہ مرادبخش کی رفاقت اختیار کرنے کو اپنا مقصود بنالیا۔اس کے زوال کے بعد ابراہیم خان نے بھی دوسرے ملازمین کی طرح خجالت کی سجدہ گاہ پر ماتھا رگڑنے کی سعادت حاصل کی لیکن ان ہی ایام میں کسی وجہ سے منصب سے معزول ہوکر دارالخلافہ میں سالیانہ وظیفہ پر گذربسر کرنے لگا۔دوسرے سال پیشگاہ خلافت سے پانچ ہزاری اور پانچ ہزار سوار کے منصب کے ساتھ کشمیر کی حاکمیت پر مامور ہوا۔گیارہویں سال میں بہار کی حاکمیت کی اجازت مل گئی۔پھر انیسویں سال میں نوکری چھوڑ کر گوشہ نشین ہوگیا ۔اکیسویں سال میں قوام الدین خان کا تبادلہ ہوجانے سے کشمیر کی صوبہ داری پر نامزد ہوا۔اکتالیسویں سال میں سپہدار خان کا تبادلہ ہوجانے پر الہ آباد کا نظم ونسق سنبھالنے گیا اور اس کے بعد لاہور کی حاکمیت مل گئی۔ چوالیسویں سال میں جب یہ صوبہ شہزادہ شاہ عالم کے لئے متعین ہوا تو خان مذکور کشمیر کے تحفظ پر مامور ہوا۔چھیالیسویں سال میں احمد آباد کی صوبداری پر فائز ہوا اور ابھی احمد آباد میں بیٹھا جانے کی جگہ کو گرم بھی نہ کرپایا تھا کہ خلد مکان کے واقعہ (مرگ) کی خبر پہنچی۔چندہ ماہ تک کابل کی صوبہ داری کے بعد ابراہیم آباد کے سودھرہ مقام پر جو لاہور سے تیس کروہ دور ہے اور جو گویا

اس کا وطن تھا، قدرتی موت سے وفات پائی۔ ابراہیم خان کے دو بیٹے تھے زبردست خان اور یعقوب خان اور دونوں باپ کی زندگی میں اور اس کے بعد بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے (ماثر الامرا ص ۲۹۵ تا ۳۰۱)۔

(۶۰) یعنی سید جمال الدین محدث کا مقبرہ۔ سید جلال الدین حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کے تربیت یافت گان میں سے تھے۔ سلطان قطب الدین کی التجا پر آپ کو حضرت امیرؒ سے کشمیر میں تعلیم و تربیت و آداب و دین کو عام کرنے کے لئے سکونت اختیار کرنے کی اجازت مل گئی اور آپ زندگی کے اواخر تک سارے علاقے کو فیض بخشتے رہے۔ رحلت کے بعد آروٹ محلے میں دریای بہت کے کنارے کے نزدیک آسودہ ہوئے۔ یہ محلّہ اپنے زمانے میں عروۃ الوثقی کے نام سے مشہور تھا (واقعات کشمیر ص ۳۹)۔

(۶۱) ۱۸۷۲ء۔

(۶۲) پتھر مسجد (مسجد سنگین)۔

(۶۳) ۱۶۲۲ء۔

(۶۴) ۱۶۵۸ء۔

(۶۵) راجہ سکھ جنون مل کھتری قوم سے تھا۔ اصل اسکی پنجاب کے خوشاب ضلع کے بھیرہ قصبے سے ہے۔ کابل میں پیدا ہوا اور وہیں اسکی پرورش ہوئی۔ اول احمد شاہ کے وزیر شاہ ولی خان کی خدمت میں تھا اور ذاتی اہلیت کی وجہ سے صوبہ داری کے رتبے پر پہنچا۔ صوبہ داری کی ابتداء میں مسلمانوں کا خاصا خیال رکھتا تھا چنانچہ سید غلام علی آزاد بلگرامی مصنف خزینۃ العامرہ، جو اس کا ایک ہم زبان تھا، اسکی ستائش کرتے ہوئے لکھتا ہے "مشار الیہ ایک خوش رو اور شائستہ صفات سے آراستہ اسلام سے بہت قریب جوان آدمی تھا۔ کشمیر کے باغات اور بزرگوں کے تمام مزارات کی مرمت کی ۔ ہر روز دیوان سے فارغ ہوکر دو سو مسلمانوں کو اپنے سامنے رنگ رنگ کے کھانے کھلواتا تھا۔ ہر ماہ گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو نیاز کا کھانا پکوا کر لوگوں میں بانٹ دیتا تھا۔ آنے جانے والوں کے حق میں خواہ درویش تھے یا کوئی اور مراعات سے کام لیتا تھا۔ ہفتے میں ایک بار مشاعرہ منعقد کرتا تھا۔ جس میں کشمیر کے سبھی شعراء حاضر ہوجاتے تھے اور مجلس کے آخر میں دستر خوان بچھاتا تھا۔ نامی گرامی پانچ شاعروں کو جن کے ہمراہ دس دس آدمی معاون کے طور پر مقرر تھے کو حکم دیا کہ آبادی کے آغاز سے خود اس کے اپنے زمانے تک کشمیر کی تاریخ لکھیں۔ ان پانچ آدمیوں کا رئیس محمد توفیق تھا جس کا تخلص توفیق تھا اور اصلی نام کشمیری میں لالہ جو تھا۔ آج کل اس شخص کا شعر گوئی میں کوئی ثانی نہیں" (مطبوعہ نول کشور۔ کان پور ۱۸۷۱ء ص ۱۱۵) لیکن بعد میں پنڈت مہاند کو اپنا وزیر بنا کر مسلمانوں کے درپی آزار ہوگیا۔ اس سے مسلمان اس سے بددل ہوگئے جس کے نتیجے میں اسے معزول کر دیا گیا۔ اس بارے میں اس وقت کا ایک شاعر کہتا ہے۔

کشمیر گرفت بار دیگر سلطان احمد بہ زور شمشیر   فرمود زبان تیغ تاریخ او فتح نمود باز کشمیر

تلخیص از کشمیر جلد ر ص ۳۱۱ تا ۳۱۳)۔

(۶۶)   تیمور شاہ اور زمان شاہ درانی کے عہد میں کشمیر کا صوبہ دار۔ صوبہ داری کی مدت ایک سال اور دو ماہ (۱۷۹۲ء) سے ۱۷۹۳ء تک۔

(۶۷)   ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ء)۔

(۶۸)   ۱۰۸۹ء تا ۱۱۰۱ء (۴۸۲ھ تا ۴۹۵ھ)۔

(۶۹)   اصل کتاب میں ایسے ہی ہے۔

(۷۰)   میر عنایت اللہ خان، قاضی موسیٰ شہید کے اولادوں میں سے تھے۔ عنایت اللہ خان کی والدہ نے جس کا نام مریم تھا، اپنی والدہ جان بی بی دختر ملا شرف الدین میر عدل، جو سرکار شاہجہان بادشاہ کی بیگمات کی معلّمی اور اتالیقی کی خدمت کے ساتھ منسلک تھی۔ عالمگیری علم بلند ہونے پر اپنی بیٹی مریم مذکور کو بادشاہ دولت خانہ میں بار یاب کرای۔ آہستہ آہستہ اس کے کام میں ترقی ہوئی اور نواب زیب النساء بیگم (باچساہ کی دوسری بیٹی) کی سرکار میں کمال محرمیت کو پالیا اور اپنے بیٹے میر عنایت اللہ خان کو حضور میں بلوا کر بادشاہ عالمگیر کے دربار میں مقرب بنا دیا۔ عنایت اللہ خان کے خاندان کا کمال عروج شاہ عالم بہادر بادشاہ کی سلطنت کے زمانے میں تھا۔ جب کہ خود میر عنایت اللہ خان میر سامان اور اس کا بیٹا ہدایت اللہ کشمیر کا صوبہ دار تھا۔ میر عنایت اللہ خان کشمیر کی صوبہ داری کے مرتبے پر فائز ہوا۔ پہلی بار ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) میں جہاندار شاہ کے عہد میں۔ اس بار اسکی صوبہ داری کی کل مدت آٹھ ماہ اور نو دن تھی۔ بقول خواجہ اعظم اس بار سال ۱۱۲۴ھ کے ربیع الاول کے بار اواخر میں اسکے قدم کشمیر میں داخل ہوئے۔ سال ۱۱۳۲ھ میں (۱۷۱۹ء) بادشاہ محمد شاہ کے عہد میں عنایت اللہ خان نے دوسری باری کشمیر کی صوبہ داری کا اعتبار پایا۔ اور ابھی ایک سال نہیں گذرا تھا کہ عنایت اللہ خان کی موت کا ناگزیر واقعہ بادشاہ کے حضور میں ہوا۔ سال ۱۱۳۷ھ میں۔ عنایت اللہ خان کا ہمزمان خواجہ اعظم لکھتا ہے "عنایت اللہ خان حسن سیرت، حسن صورت، کمال وقار و تمکین میں ممتاز تھا...... الا کہ صوبہ کی اکثر خدمات اس کے رشتہ داروں کے پاس تھیں۔" (واقعات کشمیر ر ص ۲۱۲ / ۲۴۱)۔

(۷۱)   ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) کو غالباً یہاں پر کاتب سے سہو ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ میاں ہاشم کے خدام کے لئے خانیار کی یہ خانقاہ ۱۱۲۴ھ اور ۱۱۳۷ھ کے درمیانی سالوں میں بنی ہوگی جو کشمیر میں عنایت اللہ خان کی صوبہ داری کا وقفے وقفے کا زمانہ ہے۔ ۱۰۵۲ھ کا سال اس لئے صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان ایام میں ہندوستان کی سلطنت کا تعلق شاہجہان بادشاہ سے تھا اور کشمیر کی صوبہ داری اس کے چھوٹے بیٹے شہزادہ مراد سے متعلق تھی۔ عنایت اللہ خان مذکور عالمگیری امراء اور زیادہ تر جہاں دار شاہ اور محمد شاہ بادشاہ کے امراء میں محسوب ہوتا ہے۔ سال ۱۰۵۲ھ کی درستی کے

بارے میں خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کا یہ قول بھی ملحوظ رہنا چاہے جب کہ وہ کہتا ہے:: ''کشمیر کے صوبہ دار نواب عنایت اللہ خان نے خانقاہ کے مصارف کے لئے کافی رقم مقرر کر کے چھوڑی۔''

(۷۲) تقویٰ شعار میاں محمد ہاشم چشتی خانیاری سوداگر قبیلے سے تھے۔ ایام شباب میں سفر اختیار کیا اور پٹنہ چلے گئے۔ وہاں سے میاں چشتی کشمیری، جو کوٹوال قبیلے سے تھے، کی خدمت میں جا کران کے مرید ہو گئے۔ کافی عرصے کے بعد اپنے مرشد سے رخصت پا کر وطن لوٹ آئے اور خانیار میں سکونت اختیار کی۔ کچھ وقت گذارنے کے بعد شادی کی، صاحب اولاد ہو گئے اور گھر اور خانقاہ تعمیر کی۔ کشمیر کے صوبہ دار نواب عنایت اللہ خان نے خانقاہ کے مصارف کے لئے کافی رقم مقرر کر کے چھوڑی۔ سال ۱۱۱۸ء میں فوت ہوئے اور گھر کے ساتھ جس کی احاطہ بندی کی گئی تھی دفن ہوئے (واقعات کشمیر ص/۲۰۶)۔

(۷۳) شیخ غلام محی الدین کشمیر کا حاکم۔

(۷۴) ۱۸۸۴ء۔

(۷۵) ۱۱۹۵ء۔

(۷۶) ۱۸۸۴ھ۔

(۷۷) ۱۸۷۱ء۔

(۷۸) ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء)۔

(۷۹) ۱۸۶۰ء۔ غالباً یہ سال سہو کاتب کی وجہ سے لکھا گیا ہے کیونکہ مہاراجہ گلاب سنگھ کا انتقال اس سے تین سال پہلے ہو چکا تھا۔ کشمیر کے سب ہی مورخین مہاراجہ رنبیر سنگھ کا سال جلوس ۱۸۵۷ء قرار دیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بیج بارہ کی خانقاہ کا گلاب سنگھ کے ہاتھوں اکھیڑ دیئے جانے کا سال ۱۸۶۰ء کی بجائے کوئی اور سال غالباً ۱۸۴۷ء ہوگا۔

(۸۰) واقعات کشمیر/ص ۴۲۳۔ تاریخ کشمیر حیدر ملک چاڈورہ (قلمی ص ۴۵)۔

(۸۱) ۱۸۸۴ء۔

(۸۲) ۱۷۲۶ء۔ محمد شاہ پادشاہ غازی کے عہد میں خلیل اللہ خان کے فرزند عقیدت خان کی صوبہ داری میں (۱۱۳۷ھ تا ۱۱۴۰ھ = ۱۷۲۴ء تا ۱۷۲۷ء)۔

(۸۳) اصل کتاب میں ایسے ہی ہے۔

(۸۴) ۱۸۰۳ء۔

(۸۵) ۱۲۲۰ء(۱۸۰۵ء)۔

(۸۶) ۱۸۰۵ء

(۸۷) ۱۸۴۵ء۔

(۸۸) ۱۲۶۱ھ۔

(۸۹) ۱۲۷۱ھ(۱۸۵۴ء)۔

(۹۰) ۱۸۷۹ء۔

(۹۱) ۱۸۸۵ء۔

(۹۲) ۱۳۱۳ھ(۱۸۹۵ء)۔

(۹۳) ایضاً۔

کشمیر کا پشمینہ

کشمیر کے نادر اختراعات کے نفائس میں بس ایک عجیب و غریب تحفہ ہے پشمینہ کا کپڑا جس کی ساخت، صفائی، نزاکت، خوشنمائی، خوبصورتی، دیرپائی، نرمی، گرمی، مضبوطی اور رنگینی کی نظیر دوسرے ممالک میں ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وقت کے بادشاہ اور امراء اس کے لباس پر افتخار کرتے ہیں اور اسے باعث توقیر جانتے ہیں۔ شہروں اور ملکوں کے تاجر اس کی تجارت سے ثروت و دولت کے حصول کی امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔ اس کی صنعت وحرفت کے پھیل جانے سے متعلق قدیم محققین بیان کرتے ہیں کہ سال ۷۸۱ھ میں قطب ربانی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے بابرکت قدوم سے ملک کشمیر کو دوسری بار تازگی بخشی اور دو سال اور چند مہینوں کی مدت میں سیر و سیاحت کے دوران اس ملک میں اسلام کو رواج و رونق دینے میں اضافہ فرمایا۔

سال ۷۸۳ھ (۱) میں لداخ کے راستے سے ترکستان کی سیاحت کرنے کی خواہش سے ارادہ عزم کی علم کو بلند کرتے ہوئے آپ نے تین سال کی مدت میں اس سعادت خیز ملک میں دین قدیم کو وقار اور زیادگی بخشی۔ پہاڑوں کے برفانی سفر میں آپ نے ایک موزہ اپنے پاؤں میں ڈال رکھا تھا جو پشمینہ والی بکری کے بچے کی شفاف کھال سے بنا تھا۔ اس کی نرمی اور گرمی کو محسوس کر کے آپ کو خیال آیا کہ اگر مذکورہ بکری کے بچے کی اون سے کپڑا اور لباس تیار ہو جائے تو اس کی نرمی اور گرمی البتہ مفید تر ہوگی۔ اسی لئے واپسی پر آپ نے شال کی اون کے چند سیر اپنے ساتھ اٹھا لئے اور ۷۸۵ھ (۲) میں اس ملک میں رونق افزائی

فرمائی اور مذکورہ اون کی موکشی کرانے اور اسے کتوانے کے بعد پٹو (۳) کا ایک تھان (۴) بنوایا۔ اس کی صفائی اور نرمی اور گرمی دیکھ کر سلطان قطب الدین متعجب ہوا۔ اسنے فوراً ہی تبت کے علاقہ جات کے تاجروں کے ذریعے سے شال کی اون منگوائی جس سے یہاں پہنچنے کے لئے پٹو کے تھان ہر سال بنواتا رہا۔

اس کے عہد کے بعد میرزا حیدر اور حکام اور یہاں کے امیروں نے پشمینے کا پٹو اپنی فرمائش سے بنوا کر پہننے لگے (۵)۔ سال ۹۴۷ھ میں مرزا حیدر کشمیر کا حکمران بن گیا۔ نغر بیگ نام کا ایک شخص، جو خوقند (۶) کا تھا اور یہاں کے لوگ اسے نقد بیگ کے نام سے پکارتے تھے اور کہتے ہیں کہ اس کا خانساماں تھا، کپڑا بننے کے فن سے بخوبی واقف تھا، اس نے سادہ پشمینے سے دوپٹ والی ایک چادر آدھ گز چوڑائی کی موکشی اور صفائی کرنے کے بعد مرزا حیدر کے لباس کے خیال سے تیار کر کے اس کو دکھائی۔ مرزا حیدر نے پوچھا: ''یہ کیا ہے'' ؟ کہا: ''شال'' (خوقند اور شکستان وغیرہ جگہوں کے لوگ اوڑھنے کی چادر کو شال کہتے ہیں۔ چنانچہ وسط ایشیا کے پہاڑی علاقوں سے ایک طرح کی چادر آتی ہے جسے شالکی کہتے ہیں۔) مرزا حیدر نے پوچھا: ''یہ ایک شال ہے یا دوشال''؟ (کہتے ہیں دوشال نام پڑنے کی وجہ یہی ہے۔) اسے ایجاد کرنے کے پیش نظر مرزا حیدر نے اسے انعام سے نوازا اور اسکے پھر سے بنانے کے لئے اسے کہا۔

ایک روز ایک شاگرد پشمینے کی ایک پٹ بن رہا تھا کہ نغر بیگ نے کسی بنا پر اسکے چہرے پر طمانچہ مارا جس کے صدمے سے اسکی ناک سے خون کے قطرے بہہ کر پشمینے کی چادر کی سطح پر ایک قطار کی صورت میں گر پڑے۔ نغر بیگ کو پشمینے کی سطح پر خون کے یہ قطرے بڑے خوبصورت دکھائی دیئے اور اسنے اپنی روشن فکری سے پشمینے کی تاروں کو سرخ و سبز اور

زرد رنگوں میں رنگنے کے بعد انہیں ایک شاخ کی تیلیوں میں مروڑ کر پشمینے کو رنگین نقطوں کے ہمراہ بُن لیا جیسے کہ شال کی بکری کا پشمینہ سرخ وسبز نقطوں کے ہمراہ بنا ہوا ہوتا ہے اور اولین اختراع اس کی نوع یہی ہے۔

کشمیر کے زیرک طبع لوگوں نے رفتہ رفتہ اسے روز بروز ترقی دی اور زنجیر دار اور کنارہ دار شالیں ایجاد کیں اور نقطوں اور لکیروں کے ہمراہ شال بنانے لگے۔ پھر اس کے بعد دہلی کے بادشاہ اس ملک پر قابض ہو گئے۔ چونکہ ہندوستان میں پشمینہ کی اتنی ضرورت نہ تھی لیکن پھر بھی جاڑوں میں پہننے کو پسند کرتے تھے اور یہاں کے لوگوں نے اسکی صفائی اور نزاکت میں ایسی حرفت اور مہارت کا مظاہرہ کیا کہ آدھ گز چوڑائی والے ایک پٹ کی چادر کو آزماتے ہوئے انگوٹھی کے دائرے سے گذار دیا ہے۔

محمد شاہ چغتائی کے عہد میں یہاں کے چاق وچوبند ہاتھوں والے کاری گروں نے شال کے حواشی پر طرح طرح کے رنگوں میں پھول کاری کا اختراع کر کے اسے بادشاہ کے نظروں میں لے آئے بادشاہ کو پسند (۷) آیا اور سال میں اسکی فرمائش پر چالیس پچاس ہزار بوٹی والے شال اس کے لئے تیار کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے شال کو یہاں کے لوگ محمد شاہی بوٹی کہتے تھے۔

سال ۱۱۶۵ھ (۸) میں کشمیر کا ملک افغان بادشاہوں کے قبضے میں چلا گیا۔ سرد ملک ہونے کی وجہ سے پشمینے کے طلب گار ہو گئے۔ یہاں کے لوگوں نے اسکی صنعت وحرفت میں روز بروز نزاکت وخوبصورتی کر کے اس کے جام وار (۹)، لکیر دار، بوٹی دار اور دور دار دوپٹ والی چادریں وغیرہ اقسام ایجاد کئے اور اسکی تجارت اس حد تک بڑھ گئی کہ ایران، افغانستان اور ترکستان میں اس کی شہرت ہوگئی اور روس کے ملک میں بھی اسے پسند کیا گیا۔

روس کے تاجروں نے جورہ اور قصابہ کا اختراع کر کے اسکی تجارت کو دنیا کی انتہائی بستیوں تک پہنچادیا۔

عبداللہ خان کے عہد میں ایک نابینا سید یحییٰ بغداد سے آیا تھا۔ جاتے وقت عبداللہ خان نے اسے ایک نارنجی دوپٹ کا پشمینہ شال دیا۔ مصر پہنچ کر سید مذکور نے اس دوپٹ والے مذکورہ شال کو بادشاہ مصر کے حضور میں تحفہ کے طور پر گذار دیا۔ ان ایام میں نپولین بونا پارٹ کا سکریٹری پولین مصر آیا ہوا تھا۔ مصر کے بادشاہ نے یہ نارنجی دوپٹ کا شال اسے ہدیہ میں دے دیا۔ اہل فرانس نے اسے دیکھ کر پسند کرلیا اور فرانس کے تاجر وہاں کے لوگوں کی خواہش پر کشمیر آگئے اور دوپٹ والے نقش والے شال اور قصابوں کی مختلف اقسام میں بنائے جانے کی فرمائش کی اور پشمینہ کی ایسی گرم بازاری رائج ہوگئی کہ ایک کارخانہ دار میرزا محمد علی نے پشمینہ کا دوپتہ والا شال ساڑھے بارہ ہزار شاہی چھرے کے روپیوں میں فروخت کیا۔ کارخانہ داروں نے خاصی مال و دولت کمائی اور پست فطرت ہونے کے باعث فرعون کی سی اکڑفوں کرنے لگے۔ چنانچہ تمباکو کے حقوں میں پانی کی جگہ دودھ بھر دیتے تھے اور دن رات نغمہ گری، عیاشی، شراب خوری اور بدکاری کرنے لگے۔

اس حقیقی انتقام لینے والے نے ایک وسیلہ پیدا کر دیا جس سے فرانس اور پروشہ (۱۰) کے درمیان ۱۲۸۶ھ (۱۱) میں جنگ چھڑ گئی۔ اہل فرانس سے دو کروڑ روپے جرمانہ اور ہرجانہ کے طور پر وصول کئے گئے اور وہ سب مفلس اور بے برگ و نوا بن گئے اور پشمینہ کی خریداری سے دستبردار ہو گئے۔ نیز یورپی لوگوں کے دلوں سے بھی اس کی خواہش مٹ گئی۔ فوراً ہی پشمینہ کی کساد بازاری اس حد تک پہنچ گئی کہ دوپٹ والے شال اور قصابے بننا موقوف ہو گیا اور پشمینے کے تاجر دیوالیہ (۱۱) ہو گئے۔

یادداشتیں

(۱) ۱۳۸۱ء۔

(۲) ۱۳۸۱ء۔

(۳) اونی کپڑا (توزک جہانگیری ص ۳۰۵)۔

(۴) توپ۔

(۵) پنڈت آنند کول بامزئی (جموں کشمیر سٹیٹ ص ۲۲) جس کی معلومات رسالہ درفن شالبافی (تصنیف حاجی مختار شاہ اشائی مطبوعہ کوہ نور پریس لاہور ۱۸۸۷ء) پر مبنی ہیں، کا کہنا ہے کہ شالبافی کا فن کشمیر میں بہت پرانا ہے۔ یہ فن کوروں اور پانڈوں کے زمانے میں موجود تھا۔ چنانچہ روم کے سی زر اور اشوک اعظم کے عہد میں شال پہننا درباریوں کیلئے باعث فخر و مباہات تھا۔

(۶) فرغانہ کا دارالخلافہ۔ اب روس میں جمہوریہ ازبکستان کا دریائے سیر کے کنارے پر واقع ایک شہر ہے۔ آج کل یہ شہر چاقو اور ریشم اور کپاس کی صنعت کا مرکز مانا جاتا ہے۔ سال ۱۹۲۶ء میں اس کی آبادی ۶۹۳۲۴ اشخاص پر مشتمل تھی (کشیر جلد ۲ ص ۵۶۳ حاشیہ ۲)۔

(۷) شال کے ساتھ محبت صرف محمد شاہ بادشاہ کو ہی نہیں تھی بلکہ تمام سلاطین مغلیہ نے اسکی تحسین کی ہے۔ آئین اکبری میں ابوالفضل لکھتا ہے: ''اعلیٰ حضرت کو شال کے ساتھ سخت محبت ہے''۔ جہانگیر نے توزک جہانگیری میں (ص ۳۰۵) تقریباً اسی خیال کا اظہار جلال الدین اکبر کے بارے میں کیا ہے۔ اسکی عبارت یوں ہے: ''حضرت عرش آشیانی نے کشمیر کے شال کو پرم نرم کا نام رکھا ہے۔ کثرت شہرت کی وجہ سے اسکی تعریف کرنے کی حاضت نہیں''۔

(۸) ۱۷۵۵ء۔ لیکن صحیح ہے ۱۷۵۲ء (ملاخط ہو ویلی آف کشمیر ص ۱۹۶۔ کشیر ص ۲۹۷)۔

(۹) مور کرافٹ اور ٹریبک (کشمیر کے دو انگریز سیاح ۱۸۱۹ء۔ ۱۸۲۵ء) جنہوں نے پشمینے کی صنعت کا مکمل مطالعہ کیا ہے۔ شال کی اقسام کو یوں بیان کرتے ہیں:

(۱) قصابہ...... عورت کی رومال ہے جو نقاب میں استعمال ہوتی ہے۔ شال کی یہ قسم مربع ہوتی ہے۔ اور طول و عرض میں ڈیڑھ گز یا ڈھائی گز۔ اس کی بھی یہ قسمیں ہیں (الف) لکیردار، قیمت تین سو سے پانچ سو روپے تک۔

(ب) مہرمت، پچاس سے تین سو روپے تک۔ (ج) اسلمی، تیرہ جماوار قسموں کے ہمراہ۔ انکے علاوہ ذیل کی قسمیں بھی قصابہ میں آتی ہیں۔ (د) چہار باغ۔ تین سو سے ساڑھے تین سو روپے تک۔ (ر) حاشیہ، ایک سو سے ایک سو پچھتر روپے تک۔ (س) چاند، پچاس سے دوسو روپے تک۔ (ط) چھوتا ہی ڈیڑھ سو روپے سے ساڑھے چار سو روپے تک، (ع) ششن منھتی، پچیس روپے سے دوسو روپے تک (ف) فرنگی، سو روپے سے پانچ سو روپے تک۔ روس کو برآمد ہوتا ہے۔ (ق) تار آرمینی۔ سو روپے سے دوسو پچاس روپے تک (ایران اور آرمینیہ کو برآمد ہوتا ہے) (ل) تار رومی۔ ایک سو بیس سے تین سو تک، ترکی کو برآمد ہوتا ہے۔ (م) سادہ، بارہ سے پندرہ رتک۔ گھروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) شملہ یا کمر کا پٹہ: ایشیا کے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ لمبائی آٹھ گز اور چوڑائی ڈیڑھ گز۔ اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ قیمت پچاس سے دو ہزار روپے تک۔

(۳) دوشالہ: سو سے ڈیڑھ سو تک۔ صرف تبت کو برآمد ہوتا ہے۔

(۴) گاش پیچ یا پٹکا یا دستار: لمبائی آٹھ سے دس گز تک اور چوڑائی ایک گز، رنگ مختلف۔ ایک قسم اس کی دو پل والی اور دوز نجیروں اور دو حاشیہ والی ہوتی ہے۔ ڈیڑھ سو روپے سے آٹھ سو روپے تک۔

(۵) مندیلہ: اسکی ایک قسم زنجیر دار ہوتی ہے اور دوسری بغیر زنجیر کے۔ آخری قسم لمبائی میں آٹھ گز سے دس گز تک اور چوڑائی میں بارہ گز۔

پشمینہ کی باقی اقسام مختصر طور پر یہ ہیں۔ بال پوش: قیمت تین سو سے ایک ہزار روپے تک۔ گلوبند: بارہ روپے سے تین سو روپے تک۔ پستان بند: پانچ روپے سے ایک سو تیس روپے تک۔ لنگوٹہ: پندرہ روپے سے تیس روپے تک۔ پوستین: پانچ سو سے ایک ہزار تک۔ اپچ: دو روپے سے دس روپے تک۔ ازار بند: ایک روپے سے پندرہ روپے تک۔ تکیہ: جاموار کی قیمت کا۔ خلیلہ: آٹھ آنے سے دو روپے تک۔ طاق پوش: جاموار کی قیمت کا۔ خوان پوش: تیس روپے سے پانچ سو روپے تک۔ آنند کول بامزئی (ص ۳۲ جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ) کے بقول اب یہ چیزیں پشمینے کی رائج ہیں۔

(۱) سادہ پشمینہ۔ (۲) جامہ وار ایک رخ کا اور دو رخوں کا مختلف اقسام میں۔ (۳) لمبا شال بغیر حاشیہ اور پل اور کونے کے۔ (۴) ساڑی (وہ چادر جسے عورتیں ازار اور قمیض کی جگہ اپنے بدن پر لپیٹ لیتی ہیں۔ (۵) کلاہ اور چوغے۔

پل = کشیدہ کاری کو کہتے ہیں جو شال کے دونوں سروں پر کی جاتی ہے۔ ڈھور = کشیدہ کاری شال کے چاروں کونوں میں۔ کونج = گلدستے جو شال کے کونوں پر بنے جاتے ہیں۔ بوٹہ = وہی کونج ہے جس کا ذکر ہوا۔ قیمت پینتالیس روپے سے ستر روپے تک۔ (۶) خالین پشمینہ = بیس سے چالیس روپے تک۔ (۷) نقش = دوسو سے پانچ سو تک۔ (

۸) چہار خانہ = لمبائی مقرر نہیں۔ چوڑائی ڈیڑھ گز۔ پانچ روپے سے دس روپے تک۔ (۹) گلبدن = لمبائی مقرر نہیں۔ چوڑائی چودہ گرہ سے ایک گز تک پانچ سے چھ روپے تک۔ (۱۰) لنگی = لمبائی ساڑھے تین گز اور چوڑائی ڈیڑھ گز۔ پچاس روپے سے ستر روپے تک۔ (۱۱) تخین یا کلاہ = آٹھ آنے سے چار روپے تک، (۱۲) جراب یا موزہ چھوٹا = ایک روپے سے چار روپے تک۔ (۱۳) موزہ پشمینہ = پانچ سے پچیس روپے تک۔ (۱۴) سکاب پوش (شامیانے) = تین سو سے پندرہ سو روپے تک، (۱۵) در پردہ (پردہ) = جماوار کی قیمت۔ (۱۶) کجاری گھوڑے کی = ایضاً۔ (۱۷) ہاتھی کی کجاری۔ سکھوں کے زمانے میں شال کی صنعت عروج پر تھی۔ کشمیر کا سیاح مور کرافٹ (۱۸۲۲ء) میں لکھتا ہے: ''شال کی صنعت سے کشمیر کو جو آمدنی ہوتی ہے وہ سالانہ تقریباً پنتیس لاکھ روپے ہے''۔

(۱۰) جرمنی۔

(۱۱) ۱۸۶۹ء لیکن لارنس مذکور نے ۱۸۷۰ء لکھا ہے نیز اسکے بقول شالبافی کی صنعت کو دوسرا صدرمہ ۱۸۷۷ء میں پہنچا جبکہ قحط نے کشمیر کے لوگوں کو بے حال کر دیا۔ (ویلی آف کشمیر ص ۳۷۵)۔

(۱۲) یعنی مفلس اور بیچارہ۔

داغ شال (۱) کی کیفیت

حکومت افغان بادشاہوں کے زمانے میں زعفران اور غلہ جات کو جو حکومت کے مال میں شامل تھے بازار کی قیمتوں میں اضافہ کرنے کے بعد ان کو شہر باشوں میں بھاری قیمت میں بیچتی تھی۔ اس تاوان ونقصان سے شہر والوں کی خرابی اور بربادی ہوئی۔ بالخصوص شالبافوں کی جن کی اس زمانے میں تین نفری والی چار سو دکانیں تھیں۔ غلے کی قیمتیں بڑھانے سے پریشانی بہت زیادہ بڑھ گئی۔

حاجی کریم داد خان (۲) کے زمانے میں زعفران اور غلے کی قیمتوں کو بڑھانا بند کر دیا گیا۔ اس کے عوض شالباف طائفے کو ہر دکان سے ٹیکس (۳) کے طور پر معمولی سی نقد رقم ادا کرنے کی تجویز ہوئی اور اسے قصور شالی کا نام دیا گیا۔ اس کے بعد پنڈت دلا رام قلی (۴)، جو اس کا پیش کار تھا، کے مشورے پر ہر ایک پشمینہ تھان پر باج مقرر کیا گیا۔ چنانچہ پشمینہ تھان کو داغ شال کی کچہری (۵) میں لا کر اسکی قیمت طے ہونے کے بعد ہر روپے پر آدھ پائی باج کی ادائیگی مقرر ہوئی۔

کہتے ہیں داغ شال کو پہلے دن گیارہ فلوس کی آمدنی ہوئی۔ اس کے بعد تھانوں کی چوری ہو جانے اور کارسازی کی نگرانی کے لئے شقدر یعنی محافظ ہر جگہ مقرر کئے گئے۔ جونہی دو ایک ٹکڑے بنے جاتے تھے، کاٹ کران کو داغ شال کی کچہری میں لے جاتے تھے اور جب تھان بن جاتا تھا تو اس پر داغ کر کے اسے شالباف کے ضامن دلال کے حوالے کر دیتے تھے اور تھان کا محصول وصول کرنے کے بعد اسے بیچنے کی آزادی کی اجازت لکھ کے

دیتے تھے۔ پشمینہ کو ضبط کئے جانے کا طریقہ یوں تھا کہ اگر کسی کے پاس سے داغ کئے بغیر پشمینہ ظاہر ہوتا تو اسے عمر قید کی سزا اور مکمل طور پر اس کے جائیداد کی قرقی ہو جاتی۔ اس کے بعد ہر کہ آمد بر آن مزید نمود۔

مختار الدولہ (۶) کے عہد میں روپے کیلئے ایک پائی داغ کے محصول کے طور پر مقرر ہوئی۔ عطا محمد خان (۷) کے زمانے میں اٹھارہ ہزار دکانیں تھیں۔ عظیم خان (۸) کے زمانے میں چوبیس ہزار دکانوں کی گنتی ہوئی اور ہر دکان پر سال کیلئے دس خروار شالی قیمت بڑھا کر تھان کے تیار ہو جانے کے بعد باج میں شامل کر کے وصول کر لیتے تھے۔

رنجیت سنگھ کے عہد میں کل چھ ہزار دکانیں تھیں۔ ہر روپے پر تین آنے باج مقرر ہوا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی بدعتیں رائج ہوئیں اور ہر دکان کے لئے بارہ خروار شالی تین روپے کی بڑھائی گئی قیمت پر مقرر ہوئی اور یہ قیمت بازار کے نرخ سے دو روپے زیادہ تھی۔ یہ بات قابل بیان ہے کہ اس وقت ایک فہمیدہ اور دور رس آدمی جواہر مل داغ شال کا داروغہ ہو چکا تھا۔ اس نے لوگوں کی آسائش نیز پشمینہ کی قیمت بڑھانے کے لئے پشمینہ کے تھان میں بازار کی قیمت کے مقابلے میں چار گناہ اضافہ کر کے محصول اور شالی کی قیمت مقرر کی اور باقی قیمت کی برات اس شالباف کو دیتا تھا جو باقی دار ہوتا تھا۔ وہ روپے میں چار آنے کم کی رقم مقدر وصول پاتا تھا۔ اس طرح سے شالباف اپنے تھانوں کو عمداً داروغہ کے ہاتھ بیچ دیتے تھے اور تاجر لوگ مجبوراً دروغہ سے خریدتے تھے۔ اس اضافہ کے باج اور بدعتوں کے باوجود شال بافوں کو راحت محسوس ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے میں سولہ ہزار دکانیں آباد ہو گئیں۔

کرپا رام (۹) کے عہد میں اس کا برہمن مصر بولا ناتھ داغ شال کا دروغہ ہوا۔ اس نے تین نفری والے ہر دکان پر ۷۵/روپے باج مقرر کر کے شالی کی بڑھائی گئی قیمت کو

جواہرمل کے دستور کے مطابق قائم رکھا اور وہ داغ شال کے باج کو چنگی کے محصول کے ہمراہ بارہ لاکھ روپے کی رقم کی صورت میں خزانے میں داخل کیا کرتا تھا۔

میاں سنگھ (۱۰) کے زمانے میں بولا ناتھ کے ظلم اور قحط کی مصیبت کی وجہ سے کل بارہ سو دکانیں رہ گئیں۔ شالی کی ایک خروار کی قیمت ۔۔۔۔ روپے تھی۔ میاں سنگھ نے پہلے سال ہر دکان کیلئے دو روپے ہر خروار شالی پر قیمت بڑھا کر بیس خروار مقرر کئے اور دوسرے سائل جواہرمل کے آئین کو رائج کر دیا۔ چار سال کی مدت میں تین نفری والی چھ ہزار دکانیں آباد ہو گئیں۔ اس کے بعد داروغہ کا عہدہ رام دیال کے پاس آ گیا۔ اس نے شالبافوں کو کارخانہ داروں کے حوالے کر کے پہلے ہی سال ہر دکان کیلئے اٹھانوے اور دو روپے کے حساب سے شالی کی مقدار بیس خروار اور ایک روپے گیارہ آنے کے حساب سے پانچ خروار خوش خرید کے بطور مقرر کر دیا۔ اور حکم قطعی نافذ کر دیا کہ کسی بھی کارخانہ دار کا شاگرد کسی دوسرے کارخانہ دار کی دکان پر نہ جائے یعنی پہلی ہی تقسیم کے دن جو کوئی کسی کی دکان میں بیٹھ گیا سو بیٹھ گیا اور وہ تا ابد اس کا غلام ہو گیا۔ اس پابندی کی وجہ سے شالباف نہایت مظلوم ہو کر مفلوک الحال بن گئے۔ کارخانہ داروں نے ان کی نسبت بہت مظالم روا رکھے اور خود مالدار اور ثروتمند ہو گئے۔

دوسرے سال ہر دکان کے لئے ڈھائی خروار کی مقدار بڑھا کر یعنی ستائیس خروار اور آٹھ ترک جس کی قیمت باون روپے مقرر کی گئی، ہر دکان کے لئے داغ شال کے باج کے ہمراہ اور شالی کی قیمت بڑھا کر ایک سو پچاس روپے مشخص ہوئی جس کا نام آئین رکھا گیا۔ غرض کہ شاگرد کام کرے یا نہ کرے معمول کا یہ آئین اسے ادا کرنا ہی تھا۔

شیخ غلام محی الدین (۱۱) کی حکومت میں داروغگی کا عہدہ دلیث (۱۲) نے پایا اور

میاں سنگھ کے مقرر کیئے ہوئے دستور پر باج میں انیس روپے بڑھا کر شالی کی بڑھائی ہوئی مقدار کو میاں سنگھ کے ہی دستور کے مطابق رہنے دیا اور ہر دکان کو ڈھائی نفری دکان مشخص کر کے ہر دکان کیلئے ایک سو ستر روپے بطور باج مقرر کیئے۔ اس زمانے میں کل پانچ ہزار دکانیں تھیں اور بائیس شالبافوں نے ظلم سے مجبور ہو کر انگوٹھے کاٹ ڈالے اور شالبافی کے پیشے سے رہائی پائی۔ حکام کے ظلم کرنے سے کارخانہ داروں کی مصیبتیں بڑی سخت تھیں۔ شیخ امام الدین نے اپنی عاریت کی حکومت میں پابندی اٹھالی اور شالی کی بڑھائی گئی قیمت میں ہر خروار شالی میں دو آنے کم کیئے اور کارخانہ داروں سے تین آدموں کو تین روپے انعام دلوا کر ان کی مزدوری پر چوتھے حصے کا اضافہ کرا کے شال کی قیمت بڑھائی گئی قیمت کے تیسرے حصے کی ادائیگی کارخانہ داروں کے ذمے کر دی اور انہیں تڑپتا چھوڑا اور شاگردوں کے دل خوش کر دیئے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں ستائیس ہزار آدمی تھے اور دکانیں گیارہ ہزار تھیں۔ پنڈت راجہ کاک در بارہ لاکھ روپے پر مع شالی میں بڑھائی گئی قیمتوں کے داغ شال کے محکمے کا ٹھیکہ دار بن گیا اور اس نے شالبافوں کے لئے ہر آدمی پر اڑتالیس چلکی روپے بطور باج مقرر کیئے اور حسب سابق پھر سے پابندی کو عائید کرتے ہوئے شاگردوں کو کارخانہ داروں کی تحویل میں دے کر ان کو ایک دوسرے کی دکان پر جانے سے بالکل منع کر دیا۔ اس اقدام سے شالبافوں پر قہر ٹوٹا اور ظلم اور جبر کے شکار بن گئے اور وہ صبح سے شام تک کام کر کے ایک ہزار تیلیوں پر ساڑھے چار دمڑیاں اجرت پاتے تھے۔ ان میں سے بعض شاگرد مہینے میں سات آٹھ روپے تک کام کر کے ان میں سے شاہی خراج کے طور پر پانچ روپے ادا کر کے دو تین روپے پر قناعت کرتے تھے۔ بعض کمزور شاگرد مہینے میں دو تین روپے تک

کام کر کے حکومت کے باقی دار ہو جاتے اور بھیک کے کشکول سے روٹی کھاتے تھے۔

سال ۱۹۲۴ بکرمی (۱۲۸۴ھ) میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اڑتالیس چلکی روپیوں کے باج سے گیارہ روپے کم کر دیے اور شالی میں بڑھائی گئی قیمت پر جو ہر آدمی کیلئے دو روپے چار آنے چلکی کے حساب سے پندرہ خروار شالی کی مقدار مقرر تھی، چار آنے معاف کیئے اور ماہوار نقدی کے عوض پشمینے کی جنس دینے کا حکم دیا اور دس سال تک شاہی باج اور شالی میں بڑھائی گئی قیمت کے عوض کارخانہ داروں سے پشمینے کی جنس لیتے تھے۔

کساد بازاری کی وجہ سے مذکورہ مہاراجہ کو پشمینے کے تھانوں میں کلی طور پر نقصان اٹھانا پڑا اور سرکاری اہلکاروں نے بھی کافی خورد برد کیا۔ چونکہ کساد بازاری کے سبب کارخانہ دار دن بہ دن خراب ہوتے گئے، اس لئے سال ۱۹۳۳ بکرمی میں (۱۲۹۳ھ) مہاراجہ نامدار نے ستائیس روپے کے باج میں سے سترہ روپے معاف کر دیئے اور سال ۱۹۲۴ھ میں کل گیارہ روپے ہر شخص پر باج مقرر رہوا۔ اور شالی کی بڑھائی گئی قیمت میں سراسر کمی آ گئی۔

سال ۱۲۹۵ھ (۱۹۳۵ بکرمی) (۱۳) میں قحط اور کساد بازاری کی وجہ سے شالباف تباہ ہو گئے اور داغ شال کا عاید کردہ باج کلی طور پر ختم کر دیا گیا۔ اور اسکی جگہ پشمینہ کی روانگی پر ایک سو پر بیس روپے اور شال فروشی نیز پرمٹ پر ایک سو پر گیارہ روپے گویا ہر ایک سو پر کل اکتیس روپے مقرر کر دیئے گئے۔ سال ۱۳۰۳ھ (۱۴) میں یہ رقم بھی حکومت کی منشاء سے کم ہوئی۔

یادداشتیں

(۱) شالبافی کی صنعت جیسا کہ سابقہ حاشیہ بیان ہوا ایک محکمے کے تحت کام کرتی تھی جس کا نام تھا داغ شال۔ کشمیر میں جو بھی شال تیار ہوتی تھی اس پر اس محکمہ کی مہر ڈال دی جاتی تھی۔ پنڈت آنند کول بامزئی (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۲۸) کے بقول داغ شال کا دفتر مجلس رائے (جو سال ۱۶۸۵ء میں پنجاب سے کشمیر میں آ کر آباد ہو گیا تھا اور ایک کروڑ روپے کی جائیداد کا مالک تھا لیکن جو عالمگیر کے عہد میں صوبہ دار کشمیر ابراہیم خان کی حکومت میں فساد و غارت کی نذر ہو گئی) کی حویلی میں واقع تھا۔ سال ۱۸۸۵ء میں جیسے کہ معلوم ہوگا مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے زمانے میں اسے ختم کر دیا گیا۔

(۲) سال ۱۷۷۶ء سے ۱۷۸۳ء تک افغانوں کے عہد میں کشمیر کا حاکم۔

(۳) ٹیکس انگریزی لفظ ہے یعنی سرکاری محصول۔

(۴) آنند کول نے اس نام کو دیا رام لکھا ہے (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۲۹)۔

(۵) کچہری داغ شال یعنی داغ شال کی عدالت۔ لیکن مصنف کا مطلب ہے محکمہ داغ شال۔

(۶) افغانوں کے عہد میں شیر محمد خان مختار الدولہ کشمیر کے حاکموں میں سے تھا (سال ۱۸۰۶ء میں)۔

(۷) کشمیر کا حاکم (۱۸۰۶ء سے ۱۸۱۳ء تک)۔

(۸) ایضاً (۱۸۱۳ء)۔

(۹) ۱۸۲۷ء تا ۱۸۳۱ء۔ سکھوں کے زمانے میں کشمیر کا حاکم۔

(۱۰) مہان سنگھ ۱۸۳۴ء سے ۱۸۴۱ء تک۔

(۱۱) ۱۸۴۱ء سے ۱۸۴۶ء تک۔

(۱۲) صحیح ہے دلیپت۔ کتاب میں درج نام غالباً کاتب کا اشتباہ ہے۔

(۱۳) ۱۸۷۸ء۔

(۱۴) ۱۸۸۵ء۔

کشمیر کی زبان (۱)

پہلے زمانے میں کشمیر کے لوگوں کی زبان خاص سنسکرت زبان تھی۔ جس کے الفاظ میں زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ بگاڑ آ گیا اور ایک دوسرے ہی حالت میں پیدا ہوگئی۔ چنانچہ اب ساگ کو ہاک اور منش کو موھنیو کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے قریبی ممالک میں رفت و آمد کے نتیجے میں اطراف واکناف کے لوگوں کے ساتھ میل جول اور غیر ملکی حکمرانوں کے تسلط کی وجہ سے یہاں کے لوگوں نے ان کی زبانوں کے الفاظ سیکھ کر بول چال میں استعمال کئے۔ چنانچہ ترکوں کی حکومت میں ترکی الفاظ اور ہندی بادشاہوں کے زمانے میں ہندی الفاظ اور درانی بادشاہوں کے زمانے میں فارسی اور پشتو الفاظ اور علمی مہارت کے بموجب عربی الفاظ کو ان میں ملا کے ایک ریختہ زبان ایجاد کر لی۔

واین صاحب کی تحقیقات کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری الفاظ میں پچاس حروف کشمیری کے، دس فارسی کے اور پانچ لفظ ہندی کے اور دو لفظ عربی کے ہیں اور کشمیری و تبّتی اور داردی اور ڈوگری کے اختراعی الفاظ کے تینتیس لفظ مخلوط ہونگے۔ (۲)

کشمیری زبان میں انگریزی اور عربی زبان کی طرح الفاظ کی بہت وسعت ہے۔ نیز اس کے تلفظ میں عجیب آوازیں ہیں جو کسی اور زبان میں پائی نہیں جاتیں۔ چنانچہ ایک حرف کو کئی بار آوازوں میں ادا کرتے ہیں اور ایک لفظ کو کئی معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ کشمیری زبان کے حروف تہجی پینسٹھ تک پائے گئے ہیں۔ بعض دانشمندوں کو اس کے صرف و نحو کا قاعدہ بنانے کا خیال تھا لیکن درست نہیں ہو پاتا۔

یادداشتیں

(۱) کشمیریوں میں یہ زبان کوشر کے نام سے مشہور ہے۔ لارنس اس بات سے متفق ہے (ویلی آف کشمیر ص ۴۵۴) کہ کشمیری کی اصل سنسکرت سے ہے۔ لیکن یہ امر بحث طلب ہے کہ کشمیری زبان کا لکھنے پڑھنے میں کیا کبھی اس ملک میں معمول تھا یا نہیں؟ اور اگر تھا تو رسم الخط کا نام کیا تھا۔ ان دونوں سوالوں کا جواب ابوالفضل نے دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے: ''اگرچہ کشمیریوں کی خود اپنی زبان ہے لیکن ان کی اہم کتابیں سنسکرت میں ہیں۔ اس کے علاوہ اس قوم کا رسم الخط ہی دوسرا ہے جسے وہ قلمی کتابوں میں استعمال کرتے ہیں'' (آئین اکبری جلد ۲ رمترجم جیرٹ ص ۳۵۱)۔ ابو الفضل کے اس قول سے کہ ''اس قوم کا رسم الخط ہی دوسرا ہے'' قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس خط سے مراد ہے شاردا جو بقول لارنس مذکورہ دیوناگری (ہندی) کی ایک قسم ہے جو کبھی کشمیر میں رائج تھا۔ اس وقت خط نسخ نشانوں کی اختراع کے ساتھ، جو کشمیری زبان کے صوتی نظم وضبط کے مناسب ہے، کا رواج ہے۔

(۲) اس ضمن میں وائن کی صحیح رائے یہ ہے: ''ایک صحیح مستند شخص نے مجھے خبر دی ہے کہ کشمیری زبان کے ہر سو الفاظ میں پچیس الفاظ سنسکرت کے، فارسی کے چالیس، ہندوستانی کے پندرہ اور عربی کے دس اور باقی الفاظ تبتی زبان کے ہیں (سفرنامہ وائن جلد ۱ ص ۳۶۸)۔

کشمیر کی تواریخ

کشمیر کے حالات کی تاریخ یادگار تاریخ ہے۔ لیکن حادثات اور زمانے کی گردش سے بعض اگلی تواریخ کا نام زمانے کی تختی سے مٹ چکا ہے۔ ہم یہاں پر چند تواریخ کا ذکر کریں گے۔

ا۔ سنسکرت تواریخ

تاریخ رتنا کر:

راجہ اونتی ورما کے زمانے میں پنڈت رتنا کر نے کلجوگ کے زمانے کے آغاز سے اپنے زمانے تک کے راجاؤں کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ موجودہ وقت میں اسکی نقل عنقا ہو چکی ہے البتہ ملا احمد نے اس کے بعض قصوں کا سلطان زین العابدین کے عہد میں ترجمہ کیا ہے جس کا نشان ملک (کشمیر) میں موجود ہوگا۔

رازہ ترنگنی:

راجہ جے سنگھ کے عہد میں پنڈت کلہن (۱) نے الفاظ کی دشواری کے ساتھ نظم کی ہے۔ اس کے مضامین کمتر ہی سمجھ میں آتے ہیں۔ کتاب کے دیباچہ میں وہ لکھتا ہے کہ

’’پوران کی بارہ جلدوں کو جمع کر کے میں نے یہ کتاب تصنیف کی ہے‘‘۔ اور مذکورہ پورانوں کا اس ملک میں کہیں نام ونشان بھی نہیں۔ اس وقت ملک میں یہی راجہ ترنگنی مشہور ہے۔

مصنف نے اخبار کے غیر وثوق ہونے کی بنا پر کلجوگ کے اوائل کے راجاؤں کو ترک کر دیا ہے اور اس نے جے سنگھ کے عہد تک کے کل ڈھائی ہزار سال کے حالات لکھے ہیں جو البتہ غنیمت ہے۔

اس تاریخ کے علاوہ تاریخ چھولا کر، بھولا راج، پدمہ مہر، کھیم اندر (۲)، سورت، شری ور (۳) اور پراجہ بٹ ملک میں مشہور ہیں اور ہوسکتا ہے ان کے نشان ملک میں موجود ہونگے۔ بوکر صاحب نے جستجو کر کے کھیم اندر کا نسخہ پالیا ہے۔ لیکن اغراق کی بنا پر اسے پسند نہیں کیا۔

زینہ ترنگنی

یہ راجہ ترنگنی کا ضمیمہ ہے۔ جسے پنڈت زونراج (۴) نے سلطان زین العابدین کے حکم سے جے سنگھ کے عہد سے بڈشاہ کے زمانے تک راجاؤں اور سلاطین حالات سے متعلق تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور پنڈت شری ور نے اس کا تکملہ کیا ہے۔

تاریخ اودھ بٹ (۵)

زینہ ترنگنی کا ضمیمہ ہے۔ جس میں بڈشاہ کے عہد سے اکبر شاہ کے زمانے تک کے حالات درج کیے ہیں۔

۲۔ فارسی تواریخ

وقایع ملک کشمیر:

سلطان زین العابدین کے زمانے میں ملا احمد نے رازہ ترنگنی اور رتنا کر کا کلہن پنڈت کے گم کیے ہوئے ۳۵ ر راجاؤں کے حالات کے ہمراہ ترجمہ کر کے رتنا کر کے مطابق برابر لا کر رکھ دیا ہے۔ یہ ترجمہ بلا کسی تعصب اور جانب داری کے کیا ہے اور اسکی عبارت صاف ہے۔

تاریخ ملا نادری:

زین العابدین کے عہد میں تصنیف ہوئی ہے۔ نام معلوم اور جسم معدوم!

تاریخ قاضی حمید:

بڈشاہ کے عہد میں تصنیف کی ہے۔ اسکی نقل نایاب ہے۔

تاریخ ملا حسین قاری(۶):

افواہوں میں مشہور ہے۔ کیفیت اس کی نا معلوم!

منتخب التواریخ:

حسن بیگ (۷) نے......(۸) کے عہد میں تصنیف کی ہے۔اس مؤلف کی کتاب نظر سے نہیں گذری۔

تاریخ سیّد علی (۹):

خواجہ اعظم نے بیان کیا ہے۔شاید ملک میں موجود ہو۔

تاریخ حیدر ملک (۱۰):

جہانگیر شاہ کے زمانے میں راجہ ترنگنی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔لیکن خودستائی اور مذہبی تعصب سے بھری پڑی ہے۔

بہارستان شاہی (۱۱):

راجہ ترنگ نام سے معروف ہے۔اس کے مصنف نے شیعگی کی وجہ سے اپنا نام چھپا کے رکھا ہے۔اس میں بھی راجہ ترنگنی کے ترجمہ کے مطابق جہانگیر شاہ کے زمانے تک کے حالات کی تفصیل درج ہے لیکن خودستائی اور تعصب سے خالی نہیں ہے۔

واقعات کشمیر (۱۲):

خواجہ اعظم دیدہ مری کی تصانیف میں سے ہے۔کشمیر کے راجاؤں اور سلاطین کے

حالات اور حضرات اولیاء نیز علما اور فضلا کے ذکر میں مربوط اور مخلوط طور پر افراسیاب بیگ خان کے زمانے تک اعجاز و اختصار کے ساتھ سادہ عبارت میں لکھی ہے۔ اہل اقوام اسے پسند نہیں کرتے البتہ اہل اسلام کیلئے مفید ہے۔

تاریخ نافعی (۱۳):

محمد زمان نافع نے محمد شاہ غازی کے زمانے تک مسلمان سلاطین کے حالات درج کئے ہیں اور حضرت شیخ حمزہ قدس سرہ اور میر حمزہ کریری کے حالات کو کمال توضیح وتشریح کے ساتھ لکھا ہے۔

تاریخ مولوی ہدایت اللہ متو:

میر داد خان کے عہد تک واقعات کشمیر کا ضمیمہ ہے۔ سلاطین اور حضرات کا ذکر مخلوط طور پر کیا ہے۔

واقعات نظامیہ (۱۴):

مولوی نظام الدین محمد کی تصنیف۔ دیوان کرپارم کے زمانے تک واقعات کشمیر کا ضمیمہ ہے۔ خواجہ اعظم کی متابعت میں سلاطین کے حالات اور حضرات دین کا ذکر کیا ہے۔

شاہنامہ کشمیر:

راجہ سوکھ جیون نے اپنے زمانے میں وقت کے سات شعراء متین، نوید، سامی،

توفیقؔ ، راجحؔ، حسنؔ، اور شائقؔ کو منتخب کر کے انہیں تاریخ کشمیر کو نظم کرنے پر مامور کیا اور ہر شاعر کو ایک حصہ تفویض کر دیا۔ جونہی انہوں نے اس تصنیف کو شروع کیا سوکھ جیون کی آنکھیں خانہ چشم سے اکھیڑ دی گئیں۔

اب اس وقت ملا توفیق کے تصنیف کئے ہوئے دو ہزار شعر اور سامی کے اندازاً ڈیڑھ ہزار طبع زاد شعر دیکھنے میں آتے ہیں اور عبدالوہاب شائق (۱۵)، جس کے ذمہ تذکرہ اولیاء تھا کے تصنیف کئے ہوئے قریب ساٹھ ہزار اور غیر منظّم ابیات موجود ہیں اور باقی مفقود۔

باغ سلیمان (۱۶):

میر سعید اللہ شاہ آبادی کی منظوم کی ہوئی ہے۔ خواجہ اعظم کی پیروی میں سلاطین اور حضرات دین کے حالات جمعہ خان (۱۷) کے عہد تک اعجاز و اختصار کے ساتھ درج کئے ہیں۔ اہل اقوام کو مرغوب خاطر نہیں۔

لُبّ التوّاریخ (۱۸):

ملّا بہاؤالدین نے شیخ غلام محی الدین کے عہد تک راجاؤں اور سلاطین کے حالات مختصر طور پر بیان کئے ہیں۔

تحقیقات امیری:

خواجہ اعظم، مولوی ہدایت اللہ اور مولوی نظام الدین محمد کی عبارت میں خواجہ امیر الدین پکھلی وال نے حکام و سلاطین اور حضرات دین کے حالات میں شیخ محی الدین کے

عہد تک تالیف کی ہے اور غیر منظّم رہی ہے۔(۱۹)

منتخب التوّاریخ(۲۰):

منشی نراین کول نے عالمگیر بادشاہ کے عہد تک کے راجاؤں اور سلاطین کے حالات کو اختصار کے ساتھ انصاف سے کام لے کر بیان کیا ہے۔

مجموعہ تواریخ(۲۱):

اس کا مصنف بیربل پنڈت کا چور ہے۔ راجاؤں اور سلاطین کا ذکر خواجہ اعظم کی تاریخ کے مطابق شیخ غلام محی الدین کے زمانے تک کیا ہے۔

عبارتوں کی وسعت، الفاظ کی رنگینی اور طوالت کلام میں ابوالفضل کو بھی پیچھے چھوڑا ہے لیکن نہ تحقیق پر مبنی ہے اور نہ ہی انصاف پر۔ بس ایسے ہی قصے کہانیاں لکھی ہیں۔ صرف ہندوؤں کیلئے مرغوب خاطر ہے اور کارآمد۔

گلزار کشمیر(۲۲):

دیوان کرپارام کی تصنیف جو مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانے تک مختصر اور رنگین عبارت اور سنگین الفاظ میں زائد حالات کے ہمراہ تفصیل سے لکھی ہے۔

خلاصۃ التواریخ(۲۳):

میرزا سیف الدین نے کمال عرق ریزی سے راجہ ترنگنی کا نئے سرے سے ترجمہ

کرا کے مہاراج گلاب سنگھ کے عہد تک مختصر سی ذکر کے ساتھ مرتب کیا ہے۔لیکن لوگ اس کے مطالعہ سے محروم ہیں۔

وجیز التواریخ (۲۴):

ملا عبدالنبی خانیاری نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانے تک حضرات کے ذکر کے ساتھ مختصر طور پر مرتب کیا ہے۔

تاریخ کشمیر:

پنڈت دیارام کاتب نے یہ مختصر اور منظوم تاریخ مہاراج ...... (۲۵) کے عہد تک مرتب کی ہے۔

۳۔انگریزی تواریخ

ناردون باریا (۲۶):

مسٹر درو صاحب نے مہاراج کے سارے ملک لداخ اور جموں وکشمیر وغیرہ کے تمام حالات مختصر اور مناسب طور پر درج کئے ہیں۔

تاریخ انس صاحب (۲۷):

مسٹر انس نے چودہ سال تک کشمیر کی کیفیت کے بارے میں تحقیق کر کے مختصر طور پر

سلاطین وغیرہ کے بارے میں لکھی ہے۔

۴۔ اُردو تاریخ (۲۸)

گلدستہ کشمیر (۲۹):

پنڈت ہر گوپال نے اُردو زبان میں لکھی ہے اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد تک راجاؤں اور سلاطین کے حالات انتہائی جانب داری اور کمال تعصب کے ساتھ مختصر طور پر بیان کیے ہیں۔ اہل اقوام کی نظروں میں پسندیدہ کتاب نہیں۔

ان تواریخ کے علاوہ کشمیر کے حکام اور سلاطین کے حالات دوسرے ملکوں اور شہریوں کی تواریخ جیسے تاریخ رشیدی (۳۰)، تاریخ آئین اکبری، ناسخ التواریخ اور جام جہاں نما وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

یادداشتیں

(۱) راجہ ہرش (۱۰۷۹ء تا ۱۱۰۱ء) کے وزیر چمپاک کا بیٹا پنڈت کلہن ڈاکٹر صوفی کے بقول برہمن قبیلے سے ہے۔ اس کا نام کلہن پراکرت (مروجہ زبان) میں کلیان سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی سنسکرت میں خوشی و مسرت کے ہیں۔ مذہب کے لحاظ سے کلہن شو کا معتقد تھا لیکن اس کے باوجود اسے بدھ کا بھی مداح تصور کیا جاتا ہے۔ جس چیز نے اسے مشہور آفاق کر دیا وہ ہے اسکی کتاب راج ترنگنی جو تقریباً سال ۱۱۴۸ء تا ۱۱۴۹ء میں راجہ جے سنگھ کے زمانے میں اختتام کو پہنچی۔ سر اورل سٹاین مترجم راج ترنگنی کی رائے اسکے بارے میں یہ ہے کہ: "کلہن کو تنقیدی نظر سے دیکھا جانا چاہئے کیونکہ اسکی تاریخوں کا سلسلہ بے اعتبار اور اسکے ماخذ نادرست اور اس کا دل نذرات وہدیا کی طرف مائل ہے۔" مذکورہ راج ترنگنی سات ابواب میں بٹی ہوئی ہے اور ہر باب کو ترنگ (موج) کا نام دیا گیا ہے۔ ہر ترنگ کے مصرعوں کی تفصیل یوں ہے: (۱) ۳۷۳ مصرعے (۲) ۱۷۱، (۳) ۵۳۰، (۴) ۷۲۰، (۵) ۴۸۳، (۶) ۳۶۸، (۷) ۱۷۳۲، (۸) ۳۴۴۹۔ آر۔ ایس۔ پنڈت کے کہنے کے مطابق راج ترنگنی پرتھوی راج چوہان کی شکست سے پچاس سال پہلے اور کشمیر میں شہمیری خاندان کے آنے سے دو صدیاں قبل لکھی گئی۔ راج ترنگنی کا اولین ترجمہ فارسی میں سلطان زین العابدین کے حکم سے کیا گیا۔ تب اس کا نام بحر الاسمار تھا۔ اس کے بعد جلال الدین اکبر کے عہد میں اسکی تکمیل اور نظر ثانی کے لئے ملا عبد القادر بدایونی کا تعین کیا گیا۔ جہانگیر شاہ بادشاہ کے عہد میں ملک حیدر چاڈورہ نے راج ترنگنی کو مختصر کر کے اسکا نام تاریخ کشمیر رکھا۔ سال ۱۸۳۵ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ نے راج ترنگنی کے قلمی نسخے کو، جو ولیم مور کرافٹ کے قلمی نسخے پر مبنی تھا، منتشر کیا۔ سال ۱۸۵۳ء میں ایشیاٹک سوسائٹی پریس کے اہتمام سے راج ترنگنی فرانسیسی میں ترجمہ کے ہمراہ شائع ہوئی۔ ۱۸۹۲ء میں سر اورل سٹاین نے راج ترنگنی کے نسخے کو تنقید کے ساتھ ممبئی چھاپ خانے سے شایع کیا۔ آٹھ سال بعد اسی شخص نے راج ترنگنی کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور اسے ۱۹۰۰ء میں چھاپ دیا۔ رنجیت پنڈت کے بقول یہ ترجمہ بھی نامکمل تھا۔ چنانچہ سال ۱۹۳۵ء میں موتی لال نہرو کے داماد رنجیت پنڈت نے، جب کہ وہ جیل میں تھا، راج ترنگنی کا مکمل ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر صوفی نے اس ترجمے کی بڑی تعریف کی ہے۔ اُردو زبان میں بھی راج ترنگنی کا پنڈت اچھر چند شاہ پوری کا ترجمہ یادگار ہے۔ یہ ترجمہ، جو ۱۹۱۲ء میں ہوا ہے، چھپ چکا ہے۔

(۲) پرکاش اندر کا بیٹا کھیم اندر برہمن ہے۔ راجہ اننت کے زمانے میں اس جگہ پیدا ہوا جہاں آج نشاط باغ ہے۔ اسکی صحیح تاریخ ولادت کے بارے میں اگرچہ مورخ خاموش ہیں لیکن اس کے ادبی کارناموں کی رو سے قیاس کیا

گیا ہے کہ ۱۰۳۷ء سے ۱۰۶۶ء تک کے درمیان سالوں میں پیدا ہوا۔ کھیم اندر اپنے باپ کے تین بیٹوں میں سے ایک بیٹا تھا۔ کھیم اندر کو صرف ونحو، موسیقی، مصوری اور صنعت ودستکاری جیسے نجاری اور آہنگری کے ساتھ ساتھ خوش خطی میں خاصی دستگاہ تھی۔ ۲۵ر سال کی عمر میں بیاہ کیا اور ایک بیٹا سوم اندر جو راجہ اننت کا اتالیق تھا اس سے باقی رہا۔ کھیم اندر کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں سے درپ دلن نیریزی (غرور کو بجھا دینا) دیش اپدیش (حکومت کے بارے میں نصائح) اور برہت کتھا (قصے اور روایات)۔ کیتھ نے ان تصنیفات پر مفصل بحث کی ہے۔ (کشمیر جلد ار ص ۶۰)۔

(۳) شری ور بڈشاہی عہد کے مورخین میں سے ہے۔ جون راج کی موت کے بعد اسکی تاریخ کی تکمیل کرنے کی وجہ سے تاریخی شہرت پا چکا ہے۔ ڈاکٹر صوفی نے اسے کلہن پنڈت کا نقال کہا ہے۔ شری ور کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مولانا جامی کی یوسف زلیخا کا سنسکرت زبان میں ترجمہ کیا (سال ۱۵۰۵ء) اور اسے کتھا کوٹکا کا نام دیا۔ سال ۱۹۰۹ء میں یہ کتاب نرنے ساگر چھاپخانہ بمبئی میں چھپ چکی ہے (کشمیر جلد ار ص ۱۶۷)۔

(۴) سنسکرت زبان کے ان محققین میں سے ہے جو سلطان زین العابدین کے دربار میں جمع تھے۔ علم سے اتنی محبت تھی کہ اتھرو وید پڑھنے کے لئے مہاراشٹر گیا اور وہاں سے لوٹنے کے بعد بڈشاہی دارالمصنفین کے مہتمم شری بٹ کے حکم سے کشمیر میں وید کی تعلیمات کو پھیلانے کے کام میں مصروف رہا۔

(۵) خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے واقعات کشمیر کی تمہید (ص ۳) میں اس تاریخ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بقول تاریخ ملا حسین قاری ملک حیدر چاڈورہ کی تاریخ سے پہلے لکھی گئی تھی۔

(۶) حسن ابن محمد المخا کی شیرازی۔

(۷) اصل نسخہ میں ایسے ہی ہے لیکن کشمیر جلد اول میں ڈاکٹر صوفی کے فارسی نسخہ جات سے متعلق بیان سے معلوم ہے کہ حسن بیگ کی تاریخ منتخب التواریخ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں سال ۱۰۱۹ء میں لکھی گئی۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کابل میں ایم غبار معرفت آریانا جادہ ابن سینا (زیر نمبر ۲۳) کے پاس موجود ہے۔

(۸) اس کتاب کا ایک نسخہ مولوی محمد شاہ سعادت ساکن محلہ نوہٹہ سرینگر کے پاس موجود ہے۔ (کشمیر جلد اول)۔

(۹) ملک حیدر چاڈورہ کے متعلق اور اسکی تاریخ کے بارے میں یہی رائے خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے بھی ظاہر کی ہے۔

(۱۰) کشمیر کی تاریخ ہے سال ۱۰۲۳ھ کے آغاز سے (۱۶۱۴ء)۔ بقول اے سٹوری کشمیر میں مسلمانوں کے عہد کے بارے میں اس میں مکمل بحث کی گئی ہے۔ اس کے نسخے کتابخانوں میں زیر نمبر فہرست ریو (۲۹۷-A اور ۲۹۷-B نیز فہرست ایتے زیر نمبر ۵۰۹ر موجود ہیں۔

(۱۱) خواجہ محمد اعظم دیدہ مری فرزند خیر الزمان خان کشمیری مجددی سال ۱۱۰۱ھ یا ۱۱۰۲ھ (۱۶۸۹ء یا ۱۶۹۰ء) میں پیدا ہوئے۔ خواجہ اعظم شاگرد تھے ملا عبداللہ مراد بیگ، کامل بیگ اور میر ہاشم وغیرہ کے۔ طریقت میں ملا مراد نقشبندی (وفات ۱۱۳۴ھ = ۲۲۔ ۱۷۲۱ء) کے مرید با اخلاص تھے۔ سال ۱۱۸۵ھ میں (۷۲۔ ۱۷۷۱ء) گردو کے درد کی وجہ سے فوت ہوئے۔ خواجہ اعظم کثیر تصنیفات والے تھے۔ موسیو سی اے سٹوری نے (پرشین لٹریچر حصہ ۲ رص ۶۸۳) یہ کتابیں ان سے منسوب کی ہیں: (۱) فیض مراد (اپنے مرشد کی سوانح حیات اور اقوال کے بارے میں)۔ (۲) فوائد المشائخ (فقر سے متعلق)۔ (۳) رسالہ اصابتہ الخیر۔ (۴) تجربات الطالبین۔ (۵) اشجار الخلد۔ (۶) ثمرات الاشجار۔ (۷) شرح کبریت الاحمر۔ واقعات کشمیر کے قلمی نسخے یورپ اور ایشیا کے اکثر کتابخانوں میں پائے جاتے ہیں۔

(۱۲) ڈاکٹر صوفی کے بقول (کشمیر جلد ۱ رص ۷۵ تمہید) اس کتاب کا ایک نسخہ مولوی محمد شاہ سعادت ساکن نوہٹہ سرینگر کے پاس موجود ہے۔

(۱۳) ڈاکٹر صوفی مذکور کے بقول اس کتاب کا ایک نسخہ خواجہ غلام محمد نقشبندی احراری مجددی، خانیار سید واری کے پاس موجود ہے۔

(۱۴) شاہنامہ کا یہ حصہ سرینگر کے مرحوم وزیر وزارت میرزا غلام مصطفیٰ کے خاندان میں موجود ہے (دیکھئے تذکرہ مخطوطات فارسی کشمیر جلد اول)۔

(۱۵) ابجدی حساب سے باغ سلیمان کے اعداد کا مجموعہ ۱۱۹۴ ر ہے اور غالباً یہی اس کتاب کا سال آغاز ہے کیونکہ کشمیر میں حاکم کی حیثیت میں جمعہ خان کا وردو سال ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) میں ہوا تھا۔ اس کتاب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ فارسی تواریخ نویس کشمیر کو باغ سلیمان کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ یہ سر زمین انکے نزدیک حضرت سلیمانؑ کے داخل ہونے کا مقام ہے۔ باغ سلیمان کی نقلیں حکومت جموں و کشمیر کے محکمہ ریسرچ اینڈ پبلی کیشن اور حیدر آباد دکن کے کتابخانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ ریسرچ لائبریری میں موجود نسخے کے اوراق کی تعداد ۲۵۲ ر ہے۔

(۱۶) جمعہ خان ہولک زئی درانی افغانوں کے عہد میں (۱۷۵۲ء۔ ۱۸۱۹ء) کشمیر کے حکام میں سے تھا۔ احسن التواریخ کے مصنف مفتی عزیز الدین کے بقول جمعہ خان نے ۲۷ رماہ شعبان المعظم ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) میں کابل سے پکھلی کیلئے روانگی اختیار کی اور رمضان کے مہینے میں کشمیر داخل ہوا۔ جمعہ خان مسلسل چار سال تک کشمیر کی صوبہ داری پر فائز رہا۔ بالآخر اسہال کی بیماری سے ۱۷۹۳ء میں وفات پائی۔ اول سید قمر الدین خوازرمی (وفات ۹۰۷ھ = ۱۵۰۱ء) کے احاطے میں دفن ہوا لیکن بعد میں اسکی لاش کو قندھار لے جایا گیا۔

(۱۷) اسکا ایک نسخہ برٹش میوزیم اور دوسرا ریو کی فہرست (جلد۳/a/۹۵۷) میں موجود ہے۔

(۱۸) یعنی ۱۸۴۵ء(۱۲۶۱ھ)۔

(۱۹) اپنی اس کتاب کے سبب تالیف کے بارے میں نارائن کول عاجز کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ "اعلیٰ حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی کے چوتھے سال جلوس (مطابق ۱۱۲۲ھ) میں صوبہ کے نائب دیوان عارف خان نے سنسکرت کی راجہ ترنگ کتاب کے بارے میں مجھ حقیر سے کہا کہ ملک حیدر کا کیا ہوا ترجمہ مبالغہ اور طوالت کلام کی وجہ سے خاص و عام لوگوں کی طبایع کو مرغوب نہیں اسے کلہن پنڈت اور دوسرے مورخین کی تواریخ سے جو قابل اعتماد ہوں مقابلہ کیا جانا چاہیے۔ اور ایک ایسا فارسی ترجمہ کیا جائے جو منشیانہ تکلفات سے خالی ہو تا کہ مطالعہ کرنے والوں کے دل گران بار نہ ہو۔" (ورق ۳/ اور ۴/)

(۲۰) اس کا ایک نسخہ ریسرچ اینڈ پبلی کیشن محکمہ حکومت جموں و کشمیر کے کتابخانے میں اور دوسرا سری رنبیر سنگھ کتابخانے (جموں) میں موجود ہے۔

(۲۱) سال ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۱ء میں لاہور سے چھپی ہے۔ ابتداء میں ۱۸۷۰ء اور اختتام میں ۱۸۷۰ء درج ہے (پرشین لٹریچر سکشن ۲/ مولفہ سی اے سٹوری ص ۶۸۶)۔

(۲۲) اس کتاب کا ایک نسخہ سرینگر کے صدر بلدیہ میرزا کمال الدین شیدا بی، اے کے پاس اور دوسرا ایڈن برگ یونیورسٹی کے کتابخانہ میں عربی اور فارسی مخطوطات کی فہرست میں شمارہ ۲۳۴ کے تحت موجود ہے۔ کشیر کے مصنف کی روایت کے مطابق (جلداول ص ۵۸) وقایع نویس میرزا سیف الدین نے آغاز سے سال ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۱ء) تک کی کشمیر کی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ اس کے ۱۷/ اوراق ہیں حجم "8x5" ہے اور سطروں کی تعداد تیرہ ہے اور ہر سطر لمبائی میں تین انچ ہے۔ عمدہ نستعلیق خط میں ہے اور آخر میں مصنف کا نام میرزا سیف الدین ۸ ۱۲۷ھ سال کے ہمراہ درج ہے۔ میرزا سیف الدین کے بھائی میرزا محی الدین نے اس کام کو جاری رکھتے ہوئے ۲۲/ اکتوبر ۱۸۶۱ء میں اختتام کو پہنچایا۔

(۲۳) ڈاکٹر صوفی کی روایت کے مطابق (کشیر جلداول ص ۵۶) مذکورہ کتاب تین حصوں میں ہے اور مجموعی طور پر ۶۰۴ صفحات کی ہے۔ پہلے حصے میں ۵۰/ صفحات، دوسرے میں ۴۵۴/ اور تیسرے میں ۱۰۰/ صفحات ہیں۔ وجیز التواریخ سال ۱۲۷۴ھ میں (۱۸۵۷ء) مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں اختتام پذیر ہوئی۔ اس کتاب کا ایک نسخہ مفتی محمد شاہ صاحب سعادت کے پاس موجود ہے۔

(۲۴) اصل کتاب میں ایسے ہی ہے۔

(۲۵) مراد ہے ناردرن بیرر آف انڈیا مصنفہ فرڈرک ڈریو صاحب (Frederic Drew)۔ مذکورہ کتاب

سال ۱۸۷۷ء میں ایڈورڈ سٹین فورڈ (Edward Stanford) کے اہتمام سے لندن میں شائع ہوئی ہے۔

(۲۶) مراد ہے ویلی آف کشمیر مصنفہ سیر والٹر لارنس صاحب (وائسرائے ہند کے معتمد خصوصی)۔ یہ کتاب ۱۸۹۵ء میں ہنری فورڈ کے اہتمام سے آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کے چھاپخانے میں چھپی ہے۔ حسن نے ہر جگہ لارنس صاحب کو انس صاحب لکھا ہے۔ شائد یہ قوم کی عادت ہے کہ اپنی سہولت کے مطابق وہ الفاظ کے ساتھ سلوک کرتی ہے جیسے کشمیر کے مروجہ الفاظ سے ظاہر ہے۔

(۲۷) یہ عنوان کتاب کے مترجم کا ہے۔

(۲۸) مطبع فارسی آریہ لاہور سے سنگی چھاپ میں ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

(۲۹) اس کتاب کا ایک نسخہ سری رنبیر سنگھ کتابخانہ جموں میں موجود ہے۔

کشمیر کا سنہ

وقایع کشمیر کے مصنّف کا بیان ہے کہ خطہ کشمیر میں راجاؤں کے زمانے تک سات رکھشیر وں (۱) کا سنہ رائج تھا۔ جب رینچن شاہ نے اسلام کا خلعت پہنا اس نے تحریروں، احکامات اور معمول کے معاملات میں ہجری سنہ کو رواج دیا۔ لیکن مہینوں کے نام مشہور نہیں ہو پائے۔ اسکے بعد سلطان شمس الدین نے اپنے عہد میں کشمیری سنہ ایجاد کیا اور اس کی ابتداء رینچن شاہ کے جلوس سال ۷۲۵ھ سے کی اور مہینوں کے نام کشمیری زبان میں یز د جردی (۲) سنہ کے مطابق جاری کیئے۔ چنانچہ ماہ حمل کو وہک، ماہ ثور کو جیٹھ، ماہ جوزا کو ہار، ماہ سرطان کو شراون، ماہ اسد کو بادریت، ماہ سنبلہ کو آشت، ماہ میزان کو کارتک، ماہ عقرب کو مونجھر ، ماہ قوس کو پوہ، ماہ جدی کو ماگ، ماہ دلو کو پھاگن اور ماہ حوت کو چھتیر کے ناموں سے تشہیر ہوئی۔ اور اس سنہ کے نوروز کو ماہ حمل کے دوران چیت سودی کا تیسرا دن مقرر کیا اور اس دن کا نام سونت (۳) رکھا جسے کشمیر کے لوگ عیدوں کی طرح مناتے تھے۔ کشمیر کے لوگوں کا قمری مہینہ ہندوستانیوں کے قمری مہینے سے کل تیرہ دن آگے ہے اور شمسی مہینے کے ساتھ غالباً بیس سے تیس دنوں کا فرق رکھتا ہے۔ یعنی ہندوستانیوں کا شمسی مہینہ اگر ہار کا مہینہ ہو تو اہل کشمیر اسے شراون کہتے ہیں۔

جاننا چاہے کہ شمسی سال کے معمول کے ایام ہیں تین سو پانسٹھ (۴) دن اور ساڑھے سولہ گھڑیاں، اور قمری سال کے معروف ایام ہیں تین سو چون (۵) دن اور بائیس گھڑیاں۔ اس طرح سے قمری سال شمسی سال کے مقابلے میں گیارہ دن چھ گھڑی کم اور

زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ تین سال کے ایام میں غالباً ایک مہینے کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اس مہینے کا نام لود رکھا گیا ہے۔

سلطان شمس الدین نے موسم اور تخم ریزی کے اوقات کے تحفظ کے لئے قمری سال کے زراعت کو شمسی سال کے ساتھ متوازن اور برابر کر دیا اور حکم دیا کہ دو سال اور نو مہینوں کی مدت ختم ہو جانے کے بعد لود کے مہینے کو اسی نویں ماہ کے نام کے حساب سے متروک کر دیا جائے یعنی دو مہینوں کو ایک ہی نام سے مان لیا جائے۔ اس کے حکم کے مطابق کشمیری سنہ حساب و کتاب اور لکھنے پڑھنے اور عرس اولیاء وغیرہ میں کلی طور پر رواج پا چکا۔ لیکن اہل کشمیر اپنے سلیقے کے بموجب سنہ مذکور میں اکائیوں کا ہی استعمال کرتے تھے اور صدیوں کے استعمال کو ترک کرتے تھے۔ چنانچہ اس طرح کی مثالیں اس زمانے کے بعض مقبروں اور تعمیرات کی تختیوں پر موجود ہیں۔ کوہ سلیمان کے بت خانے کے ستون پر پچاس اور چار لکھا ہوا ہے۔ جب کہ اس وقت تک ایک سو چون کشمیر سنہ کے سال گذر چکے تھے گویا ایک سو سال کو ترک کر کے کل چون سال لکھے گئے ہیں۔

اس ملک کی حکومت جب چغتائی بادشاہوں کے ہاتھوں میں آ گئی انہوں نے کشمیری سنہ کو منسوخ کر کے ہجری سنہ اور اپنے جلوس کے سنہ کو رائج کیا لیکن عربی مہینوں کے نام لوگوں کی زبان پر نہیں چڑھ سکے۔ اب تک اس ملک کے کسان لوگ مہینوں کے نام کشمیری زبان میں ہی استعمال میں لاتے ہیں۔

لاہور کے سکھوں کے زمانے کی ابتداء سے اس ملک میں پھر سے بکرمی سنہ رائج ہو گیا۔ اب ہندوستانیوں اور کشمیریوں کے حسابات خلط ملط ہو کر چلتے رہتے ہیں اور عوام میں یہ لیاقت نہیں کہ لود مہینے کو ترک کر کے اپنے حساب کو برابر رکھیں۔ اسی لئے تیسرے سال

میں لود مہینے کے لئے فتور و قصور واقع ہو جاتا ہے۔ خاص کر آستانوں کے بعض میلوں میں جو کشمیری حساب سے مقرر ہیں۔ لود مہینے کو ترک نہ کئے جانے کے سبب سخت اختلاف وجود میں آجاتا ہے جس کی وجہ سے دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے بابا آیت اللہ سلر نے جو ایک کامل نجومی تھا زیچ کے حساب کے بموجب اصلی کشمیری سنہ کے قاعدے کا استخراج کیا ہے کہ جب بھی اصلی تاریخ میں کوئی فتور واقع ہو جائے تو ہندوستانیوں کی تاریخ پر عمل کیا جائے۔ ایسا کرنے سے کوئی بھی فرق نہیں پڑے گا۔ چنانچہ اس کتاب کے مولف نے تیس سال کی مدت تک اس طریقے کو آزمایا اور کبھی بھی کوئی انحراف نہیں پایا۔ بعض جاہل لوگ تعصب کی بنا پر اسے قبول نہیں کرتے ہیں۔

میلہ عرس حضرت شیخ العالمؒ	۲۶/ پوہ	مگر گٹہ پچ (۶)	میلہ عرس حضرت ہردی ریشیؒ	غرہ پوہ	کاتک زونہ پچ
میلہ بابا نصیب الدین غازیؒ	۱۴/ ہار	جیٹھ کٹہ پچ اول	میلہ عرس زین الدین ریشیؒ	۱۲/ دھک	چھتیر زونہ پچ۔ چودھویں
میلہ بابا حنیف الدینؒ درمہ گام	۷/ وہک	چھتیر زونہ پچ نہم	میلہ میر حیدر باباؒ۔ تولہ مولہ	۸/ بادرپت	ساون زون پچ دسویں
میلہ شوگ بابا صاحبؒ پانپور	۲۱/ پوہ	مگر گٹہ پچ ہشتم	میلہ عرس بابا پیام الدین ریشیؒ	۳/ دھک	چھتر زونہ پچ۔ پانچویں
میلہ عرس بٹہ مالو صاحبؒ	۲۴/ جیٹھ	بساکھ گٹہ پچ۔ گیارھویں	میلہ عرس شیخ بہاء الدین گنج بخشؒ	۳/ جیٹھ	چیت سودی۔ پانچویں۔

یادداشتیں

(۱) سپت رشی سنہ یالو کک سنہ نہ صرف کشمیری برہمنوں میں رائج ہے بلکہ جنوبی پہاڑوں کے سارے علاقے مثلاً چمبہ، کانگڑہ اور منڈی میں بھی آج تک استعمال میں ہے۔ (تمہید راج ترنگنی جلد ا رص ۵۸ رترجمہ سٹائن)۔ ابو ریحان البیرونی کی تصنیف الہند (جلد ۲ رص ۸) کے حوالے سے پروفیسر بوہلر نے ثابت کیا ہے کہ لوکک سنہ کا آغاز اول چیت ماہ شدی (نصف روشن چاند) ۲۵ کالی کے اختتام سے یا ایک قول کے مطابق ۷۶-۳۰۷۵ء ق م سے ہوا۔ سٹائن کے بقول لوکک سنہ کی دریافت کی ابتداء سے ہندوستان کے واقعات نگاروں نے اپنے بیانات اس سنہ سے مربوط کئے۔ کشمیر میں لوکک سنہ کا حساب چیت ماہ کے نصف روشن کی ابتداء سے کیا جاتا ہے۔ اس نہ سے اب تک (۱۹۵۲ء) ۵۰۲۶ سال گذر چکے ہیں اور اس وقت ۵۰۲۷ رواں سال جاری ہے (مذکورہ تمہید ص ۵۸)۔

(۲) یزدجردی سنہ فارسی تاریخ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ اس تاریخ کی ابتدا یزدجرد بادشاہ کی بادشاہت کے آغاز سے ہوتی ہے۔ یزدجردیوں کے سال کے دنوں کی تعداد رومیوں کے سال کے برابر ہے لیکن ہر ماہ کو تیس دن شمار کرتے ہیں۔ اسفندار مہینے میں پانچ روز بڑھا دیتے ہیں اور اسے خمسہ مسترقہ کہتے ہیں۔ (حاشیہ اکبرنامہ جلد ۲ رصفحات ۵ اور ۱۱)۔

(۳) کشمیری میں بہار کو کہتے ہیں۔ س پر پیش، ن پر غنہ اور باقی حروف ساکن۔

(۴) ایک گھڑی انگریزی ۲۴ ردقیقہ (منٹ) یا ۲x۱/۲ گھڑیاں ایک انگریزی گھنٹے کے برابر ہیں۔ اس طرح سے حسن کے حساب سے ایک شمسی سال تین سو پانسٹھ دن، چھ گھنٹے اور چھتیس منٹ کا ہوتا ہے۔ اور یہ اسکے برعکس ہے جسے اکبرنامہ کے حاشیہ پر (جلد ۲ رص ۱۱) مولوی محمد صادق علی نے لکھا ہے کہ ایک شمسی سال تین سو پانسٹھ دن اور ایک چوتھائی کا ہوتا ہے۔

(۵) لیکن مولودی محمد صادق علی کے بقول قمری سال تین سو پچاس دن اور بائیس گھڑی کا ہوتا ہے۔

(۶) گٹہ پچ [کشمیری میں تاریکی اور پچ یا پچھ یعنی پندرہ روز جسے ہندی میں کشن پچھ اور ودی بھی کہتے ہیں]۔ ہر قمری ہندوستانی مہینے کی پندرھیوں تاریخ سے انتیسویں تاریخ تکھوتا ہے جو تاریکی کے دن ہوتے ہیں اور اس کے مقابلے میں زونہ پچ ہوتا ہے (زون کشمیری میں چاند اور پچ اول معنی میں) یا شکل پچھ یا شدی جو اول ہندی ماہ سے چودھویں تاریخ تک ہوتا ہے۔

کشمیر کے مکانات

قدیم زمانے میں اس گلستان زمین کے رہنے والے لکڑی کے تراشے (۱) ہوئے دوطبقہ اور تین طبقہ اور پانچ طبقہ والے مکانات کمال استواری کے ساتھ بناتے تھے۔ لیکن یہ آگ کی وارداتوں میں تباہ ہو جایا کرتے تھے۔ تب دو طبقے والے مکان پتھر اور اینٹ کے بلند کئے گئے جو بھونچال سے گر جاتے تھے۔

پھر میرزا حیدر کاشغری کی تدبیر سے تین طبقے اور چار طبقے والے مکان بنائے گئے جو لکڑی، اینٹ اور پتھر سے مرکب تھے اور انہیں بھونچال سے کمتر نقصان پہنچا تھا۔ تب سے ایسے ہی مکانات بنانے کا رواج ہے۔ کھڑکیوں کے طاق، پنجرے اور حمام اور چٹائی کا فرش یہ سب میرزا حیدر کے اختراعات (۲) میں سے ہیں۔

یہاں کی چھت دونوں طرف سے سلامی دار ہوتی ہے۔ شہر میں چھت پر پہلے لکڑی کے تختے بچھائے جاتے پھر ان کے اُوپر بھوج پتر کا فرش بچھایا جاتا ہے اور اسکے اُوپر مٹی ڈال دی جاتی ہے۔

دیہات کے اطراف میں دو طبقی اور تین طبقی مکانات کچی اینٹوں کے بنائے جاتے ہیں۔ جن کے نچلے طبقے میں حیوان اور وسطی طبقے میں لوگ خود رہتے ہیں۔ جب کہ اُوپر کے طبقے میں جاڑے کا سامان ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ چھتوں کو گھاس سے ڈھک دیتے ہیں۔

کشمیر کی کشتیاں

اس ملک کی کشتیوں کے کئی قسم ہیں۔ جن میں سوار ہو کر اننت ناگ سے بارہمولہ تک دریائے بہت کے بیچ میں سے گذرتے ہیں۔ اور باربرداری وغیرہ نیز سیر وتماشا کے لئے ڈل اور ولر جھیلوں میں بڑی کارآمد ہیں۔ مثلاً:

پہلی قسم:

لَرِہ ناوٗ (۳):

اس کی لمبائی تیس گز سے چالیس گز تک اور چوڑائی چار پانچ گز کی ہوتی ہے۔ دونوں طرف سے نوکدار اور پانی کی سطح سے اوپر رہتی ہے۔ اس کے درمیان میں قد آدم کے برابر ایک طبقہ ہمراہ چھت کے بناتے ہیں جس کے اُوپر ایک کمرہ بنایا جاتا ہے یا جس کے نیچے سلاطین اور حکام بیٹھا کرتے ہیں اور دونوں جانب سے چالیس پچاس ملازم لوگ بیٹھ کر چپوؤں سے چلا کر اسے دوڑاتے ہیں۔

دوسری قسم:

پرندہ:

اس کی لمبائی بیس گز سے تیس گز اور چوڑائی تین چار گز تک ہوتی ہے۔ اس کے نوک پر متحرک گنبد جیسا گنبد والا ایک مربع بنگلہ (۴) بنایا جاتا ہے جس میں سلاطین و حکام

بیٹھتے ہیں اور دوسری نوک تک ملاح بیٹھ کر اسے پانی کی سطح پر دوڑاتے ہیں۔ پہلی قسم کے مقابلے میں یہ تیزی کے ساتھ دوڑتی ہے۔ یہ دونوں کشتیاں خاص سلاطین و حکام کے لئے ہیں۔

تیسری قسم

ڈونگہ:

اس کی لمبائی بیس گز سے تیس گز تک اور اندازاً چوڑائی تین چار گز ہوتی ہے اور یہ سواری اور بار برداری (۵) کیلئے مقرر ہے۔ اس کے وسط میں خاص لوگوں کیلئے ایک کمرہ بیٹھنے کیلئے مخصوص ہوتا ہے اور کمرے کے دونوں طرف تختوں سے بند دو صندوق ہوتے ہیں جن میں سامان رکھ دیتے ہیں اور خدمتگاران پر بیٹھا کرتے ہیں۔ اس کے ایک طرف صندوق کے ساتھ کھانا پکانے کیلئے ایک جگہ مقرر ہے۔ اس کے دنوں نوکوں پر ملاح بیٹھ کر کشتی کو پتواروں سے حرکت میں لاتے ہیں۔ کشتی کے اُوپر سلامی دار چھت مناسب قد کی اُونچائی کے مطابق ہوتی ہے جسے چٹائیوں سے ڈھک دیتے ہیں۔ ملاح خود اس کشتی میں ہمیشہ زندگی گذارتے ہیں۔

چوتھی قسم:

شکاری:

یہ ڈونگہ کی صورت اور ترتیب پر بنتی ہے۔ البتہ اس کے نصف کے برابر ہوتی ہے۔ باورچی خانہ کی جگہ وغیرہ اسی کے مطابق ہے۔

پانچویں قسم

چھوٹی شکاری:

یہ منفرقہ رفت و آمد کیلئے ہوتی ہے۔ ڈونگہ کے طریقے پر بنتی ہے سوائے صندوق اور باورچی خانہ کے اس میں پانچ آدمی بیٹھتے ہیں اور دو تین ملاح۔ بعض اسے بھی چھوٹی ہوتی ہیں جس میں کل دو تین آدمی ہی بیٹھا کرتے ہیں۔

چھٹی قسم

بھٹری:

یہ فقط ھیزم اور شالی کی اور دیگر اشیاء کی بار برداری کیلئے ہوتی ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ بڑی، درمیانی اور چھوٹی۔ بڑی بھٹری کی لمبائی چالیس گز سے پچاس گز تک اور چوڑائی پانچ چھ گز ہوتی ہے۔ اس کے نوک کشادہ اور ایک طرف کا سلامی دار ہوتا ہے جسکے نیچے دو تین کوٹھریاں ہوتی ہیں جن میں ہانجی (٦) خود رہتے ہیں اور سامان بھی رکھتے ہیں۔ دوسری طرف کا حصہ بار برداری کے لئے خالی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس میں ڈیڑھ ہزار من سے ڈھائی ہزار من تک پختہ بوجھ اٹھایا جاتا ہے۔

درمیانی درجے کی بھٹری بھی اسی طرح کی ہوتی ہے لیکن صرف ایک ہزار من سے ڈیڑھ ہزار من تک بوجھ اٹھا سکتی ہے۔ چھوٹی بھٹری بھی اسی قسم کی ہوتی ہے لیکن دو سو من سے ایک ہزار من تک ہی بوجھ اٹھاتی ہے اور اسے فرہ واری کہتے ہیں۔ ہانجی لوگ ان ہی کشتیوں میں رہتے ہیں۔

ساتویں قسم

کھچو:

یہ فقط بار برداری کیلئے ہی ہوتا ہے۔ اس کی لمبائی آٹھ گز سے دس گز تک اور چوڑائی دو گز تک ہوتی ہے۔ چھت اور صندوق اس میں نہیں ہوتے۔ ساٹھ من سے ایک سو پچاس من تک بوجھ اٹھا سکتی ہے۔

آٹھویں قسم

کمھ ناؤ:

یہ بہت چھوٹی کشتی ہوتی ہے اور بیس من تک بوجھ اٹھا سکتی ہے۔ مچھلیوں کے شکار اور سنگارے وغیرہ اٹھانے کے کام آتی ہے۔ اسے کم ناؤ بھی کہتے ہیں۔

نویں قسم

ڈینبہ ناؤ:

یہ زیادہ چھوٹی ہوتی ہے اور اس میں دو آدمی بیٹھتے ہیں۔ یہ میر بحری کے ہانجیوں کو ترکاریاں اور میوے وغیرہ بیچنے کے کام آتی ہے۔

دسویں قسم

بندوق شکاری:

اس میں کل دو آدمی بیٹھتے ہیں۔ اس کے نوک پتلے ہوتے ہیں۔ نوک کے سرے پر فقط بندوق رکھنے کی جگہ ہوتی ہے اور درمیان میں بیٹھ کر آبی پرندوں کا شکار کیا جاتا ہے اور ایک ہی ضرب میں دس بیس پرندے شکار کئے جاتے ہیں۔ یہ بندوق بڑی ہوتی ہے۔

یادداشتیں

(۱) لکڑی کے مکان جہانگیر کے عہد میں بھی بنائے جانے کا رواج تھا (توزک جہانگیر ص ۳۰۲)۔

(۲) واقعات کشمیر ص ۸۲۔

(۳) آج کل ہاس بوٹ (خانہ نما کشتی) لرہ ناو کی ایک ترقی یافتہ قسم رائج ہے۔ لرہ ناؤ (لرہ مکانات ناو بمعنی کشتی)۔ اس کا بانی ایک انگریز آدمی جس کا نام مسٹر کین راڈ تھا (کشمیر ان سن لائٹ اینڈ شیڈ۔ مصنف سی ای ٹنڈیل بسکو۔ چھاپ سیل لی سروس اینڈ کمپنی۔ لندن ۱۹۲۲ء ص ۱۷۸)۔ مولوی محمد حسین آزاد نے دربار اکبری (ص ۱۱۲) میں لکھا ہے کہ جب اکبر بادشاہ پہلی بار کشمیر آیا تو اسے یہاں کی کشتیاں دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی۔ حکم دیا کہ آئندہ یہاں بنگال کی طرز پر کشتیاں بنائی جائیں۔ چند ہی دنوں میں کشمیر کا دریا ایسی کشتیوں سے بھر گیا۔ آئین اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی کشمیر کی تجارت کا انحصار کشتیوں پر ہی تھا۔

(۴) بنگہ انگریزی لفظ ہے بمعنی ایوان یا مکان۔

(۵) ڈاکٹر صوفی (کشیر ج ۲ ص ۵۸۷) کا اندازہ ہے کہ ڈونگہ دو سو من ہندی تک کی بار برداری کرتا ہے۔

(۶) ہانجی کے معنی ہیں ملاح اور کشتی بان۔ کشمیری میں یہ لفظ ہانز کی صورت میں بولا جاتا ہے (نون کی آواز نون غنہ کی)۔ یہ قوم اپنے نسب نامہ کو حضرت نوحؑ تک پہنچاتی ہے اور جن کشتیوں میں یہ رہتے ہیں ان کو ارک (حضر نوح کی کشتی) سے نسبت دیتے ہیں (کشیر جلد ۲ ص ۵۸۷)۔ کشمیر میں کشتیوں میں رہنے والوں کی تعداد کا انداز بیس ہزار افراد کیا گیا ہے۔

کشمیر کے قلعے

اس خطہ دل پذیر میں اگلے راجاؤں اور سلاطین نے سنگین قلعے اور مضبوط حصار بڑی تعداد میں مضبوطی کے ساتھ تعمیر کئے تھے، جو زمانے کی دستبرد سے سب کے سب مٹ گئے۔ ان میں سے جن بعض استوار قلعوں کی بنیادیں اب تک باقی ہیں۔ ہم ان کا ذکر کریں گے۔

قلعہ سیر:

سال ۱۶۵۵ کلجوگ میں راجہ اشوک نے سیر شہر (۱) کوکھاور پارہ پرگنہ میں بسایا اور شہر کے گرد سخت مضبوط قلعہ اور استوار فصیل بنائی۔ اب شہر بھی معدوم ہے اور قلعہ بھی۔

قلعہ آہنی پرسپور:

راجہ للتادت (۲) نے پرسپور میں لوہے کی اینٹوں کا، جن کا گارا سیسے کا تھا، ایک مضبوط آہنی قلعہ بنایا۔ اب وہاں کے لوگ زمین کھود کر لوہے کی اینٹیں نکالتے ہیں۔

قلعہ ناگام:

راجہ بالادت کے تعمیرات میں سے۔

قلعہ ہرش:

راجہ چیت جیا پیڈ (۳) کے تعمیرات میں سے۔

قلعہ ہانجک:

...........(۴) کے تعمیرات میں سے۔

قلعہ گگنہ گیر:

گگنہ چندر کے تعمیرات میں سے پرگنہ لار میں سال ۵۵۰ھ (۵) میں بنایا۔

قلعہ سر:

کھکہ چندر کے بیٹے بلاد چندر نے پرگنہ دچھن پارہ کے گاؤں سلر میں سال ۶۲۰ھ (۶) میں بنایا۔

قلعہ سوپور:

ریگی چک کے تعمیرات میں سے تھا۔ عطا محمد خان نے اسے نئے سرے سے بنایا۔ ۱۳۰۳ھ (۷) میں زلزلے سے گر گیا۔

قلعہ ناگرنگر:

سال ۹۹۶ھ (۸) میں اکبر بادشاہ نے کوہ ماران کے دامن میں ناگرنگر شہر کو بازاروں، دکانوں، رنگین کوٹھیوں (۹) اور خاص محلات شاہی کے ہمراہ بنایا اور اس کے گرد میں ایک قلعہ و فصیل جس کا نام قلعہ ناگرنگر تھا، دس سال کے عرصے میں تعمیر کیئے۔ اس کے جنوبی دروازے پر یہ اشعار کندہ ہیں:

بنائے قلعہ ناگر نگر شد به حکم بادشاه داد گستر
سر شاہان عالم شاہ اکبر تعالیٰ شانہ اللہ اکبر
شہنشاہی کہ در عالم مثالش نہ بود است و نخواہد بود دیگر
کروڑ و نہ لک از مخزن فرستاد دو صد استاد ہندی جملہ چاکر
نکردہ ھیچکس بیگار این جا تمام یافتند از مخزنش زر
چل و چار از ظہور پادشاہی
ہزار وشش ز تاریخ پیغمبرؐ

ایضاً

بنائے قلعہ ناگر نگر بہ عون الہ به حکم حضرت ظل الہ اکبر شاہ
بسعی خواجہ محمد حسین (۱۰) گشت تمام حقیر بندۂ از بندہ ہای اکبر شاہ
بقای دولت این شاہ تا ابد بادا
بحق اشہد ان لاالہ الا اللہ

(بنیاد پڑی قلعہ ناگرنگر کی انصاف پھیلانے والے بادشاہ کے حکم سے۔ دنیا کے بادشاہوں کا

سردار اکبر شاہ، جس کی شان بلند ہے، اللہ اکبر! وہ شہنشاہ جس کی مثال دنیا میں نہ تھی اور آگے بھی نہیں ہوگی۔ خزانے سے ایک کروڑ نو لاکھ (روپے) بھیجے اور دو سو ہندوستانی استاد سب کے سب ملازم۔ کسی بھی شخص نے یہاں بیگار کا کام نہیں کیا۔ سب کو اس کے خزانے سے پیسہ ملتا رہا۔ یہ پادشاہی ظہور کا چوالیسواں سال تھا اور تاریخ نبوی کا ایک ہزار اور چھ)۔

ایضاً

(اللہ تعالیٰ کی مدد اور سایہ الٰہی اکبر بادشاہ کے حکم سے قلعہ ناگرنگر کی تعمیر خواجہ محمد حسین کی مساعی سے، جو اکبر شاہ کے غلاموں میں سے ایک حقیر غلام ہے، مکمل ہوگئی۔ ابد تک اس بادشاہ کی حکومت باقی رہے۔ اشہدان لا الہ الا اللہ کی برکت)۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس کی مرمت شروع کی تھی لیکن ایسی کہ تین چار سال کے بعد ہی گر پڑی۔

قلعہ شیر گڈھ:

امیر خان جوان شیر نے سال ۱۱۸۴ھ (۱۱) میں بسایا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور رنبیر سنگھ نے مرمت کرا کے اسے بہت ترقی دی۔ اب اس میں کشمیر کا حکومتی ادارہ ہے۔ رنبیر سنگھ نے اس کا نام نرسنگھ گڈھ (۱۲) رکھا۔

گڈھی کٹھائی:

سال ۱۱۸۵ھ (۱۳) میں امیر جوان شیر نے بنایا۔

گڈھی بیروہ:

سال ۱۱۷۸ھ (۱۴) میں لعل محمد خان (۱۵) نے تعمیر کیا اور بغاوت کے دنوں میں وہاں محصور ہوا۔

گڈھی بیروہ:

عبداللہ خان نے مضبوط بنایا۔ سال ۱۳۰۲ھ (۱۶) میں بھونچال کے حادثے سے گر گیا۔

قلعہ کوہ ماران:

سال ۱۲۲۷ھ (۱۷) میں عطا محمد خان نے اس کی تعمیر میں بڑی کوشش کی اور شیخ امام دین کی عارضی حکومت میں گلاب سنگھ کی فوج نے وہاں پناہ لی۔ اس لئے مہاراجہ مذکور نے اس کو مضبوط بنانے اور اس کی مرمت کرنے میں بہت کوشش کی۔

قلعہ بارہمولہ:

بغاوت کے دنوں میں سردار عطا محمد خان نے بسایا۔ ۱۳۰۳ھ (۱۸) میں بھونچال سے گر گیا۔

گڈھی اوڑی:

سال ۱۲۳۷ھ (۱۹) میں سردار ہری سنگھ نے بسایا۔

گڈھی مظفر آباد:

مظفر خان بمبہ نے بسایا ہے۔

یادداشتیں

(۱) رازہ ترنگنی سے شہر سیر کی حقیقت ثابت نہیں ہوئی۔

(۲) ۷۲۵ء۔۷۵۳ء۔

(۳) ۷۵۱ء۔۷۸۲ء۔

(۴) اصل نسخے میں ایسے ہی ہے۔

(۵) ۱۱۵۵ء۔

(۶) ۱۲۲۳ء۔

(۷) ۱۸۸۵ء۔

(۸) ۱۵۸۷ء۔

(۹) کوٹھی یعنی عالیشان مکان۔ ہندی لفظ ہے۔

(۱۰) امیر بحر قاسم خان کا چھوٹا بھائی ہے۔ عرش آشیانی کے جلوس کے پانچویں سال میں منعیم بیگ خانخانان کے ہمراہ کابل سے آکر شرف ملازمت پایا۔ جب خانخانان کے بیٹے غنی خان اور حیدر محمد خان آختہ بیگ (جن دونوں کو خانخانان نے کابل میں چھوڑ رکھا تھا) کے درمیان ناچاقی پیدا ہوئی، بادشاہ نے حیدر محمد خان آختہ بیگی کے لئے واپس آنے کا فرمان بھیجا اور خانخانان کے بھتیجے ابوالفتح کو غنی خان کی مدد کے لئے کابل روانہ کیا۔ مشار الیہ کے ساتھ آپ کو کابل میں مقرر کیا گیا اور کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد واپس حضور میں آگیا۔ کشمیر کے سفر میں شاہی رکاب کے ہمراہ تھا۔ چونکہ راست روئی اور درستی میں بے نظیر تھا عرش آشیانی کے مزاج کے سروں کے ساتھ میل نہ کھا پایا آخر داروغہ باورچی کی خدمت پر سرفرازی پائی اور ایک ہزاری منصب بھی حاصل کیا۔ جہانگیری پانچویں سال میں جب کشمیر کی حکومت اس کے برادر زادہ ہاشم خان کو مل گئی (جو اوڑیسہ کا حاکم تھا) تو بادشاہ نے ہاشم خان کے آنے تک مذکورہ صوبہ کے بندوبست کے لئے اسی کو بھیج دیا۔ چھٹے سال میں حضور میں آکر پابوسی کی سعادت پائی اور اسی سال کے اواخر میں ۱۰۲۰ھ میں آخرت کا رخت سفر باندھا۔ اس سے کوئی اولاد باقی نہیں رہی۔ جہانگیر نامہ میں جہانگیر لکھتا ہے کہ کوسہ تھا (مآثر الامراء جلد ۱/ص ۶۷۱/اور ۶۷۲)۔

(۱۱) ۱۷۷۰ء۔ اسی طرح باغ امیر آباد اور سونہ لانک (سون یعنی سونا اور لانک یعنی جزیرہ کشمیری میں) ڈل جھیل میں اسی امیر خان سے یادگار ہیں (چہار گلزار کشمیر ص ۲۳۷)۔

(۱۲) ڈاکٹر صوفی (کشمیر جلد ۱ ص ۳۱۴) سے نرسنگھ گڈھ نام کا موجودہ مہاراجہ ہری سنگھ سے منسوب کرنے میں اشتباہ ہوا ہے۔

(۱۳) ۱۷۳۲ء۔ سال ۱۱۴۵ھ غالباً کاتب کی غلطی ہے کیونکہ ان دنوں میں کشمیر چغتائی خاندان کے ہاتھوں میں تھا اور امیر جوان شیر درانی افغانوں کے دور میں ایک صوبہ دار تھا جن کی کشمیر میں حکومت کی مدت ۱۱۶۶ھ سے ۱۲۳۵ھ (۱۷۵۲ء سے ۱۸۱۹ء) تک تھی۔ امکان ہے کہ گڈھی کٹھائی ۱۱۸۴ھ سے ۱۱۹۰ھ تک کے درمیانی عرصے میں (جو کشمیر میں امیر خان کی حکومت کا زمانہ ہے) تعمیر ہوا ہے۔

(۱۴) ۱۷۶۴ء۔

(۱۵) لعل محمد خان خٹک۔

(۱۶) ۱۸۸۴ء۔

(۱۷) ۱۸۱۲ء۔

(۱۸) ۱۸۸۵ء۔

(۱۹) ۱۸۲۱ء۔

کشمیر کے بت خانے

قدیم زمانے میں وقت وقت کے راجاؤں نے اس گلزمین میں بہت سے بت خانے بنائے تھے۔ ان میں سے بعض سلطان سکندر کے ہاتھوں مسمار ہوئے اور بعض تعمیرات وقت کی وجہ سے منہدم۔ تاریخ رشیدی میں میرزا حیدر لکھتے ہیں کہ میرے عہد میں دوسو پچاس سنگین اور محکم عجائبات روزگار بتخانے سرزمین کشمیر میں موجود تھے۔

ان میں سے ہمارے اس زمانے میں بعضوں کے آثار اور علامات ہی رہ گئے ہیں اور بعض بتخانے مایۂ عبرت ہیں۔ ان کی کیفیت مختصر طور بیان کی جاتی ہے۔

مارتانڈیشور

سال ۹۵ کلجوگ میں مٹن کے کریوہ پر راجہ رام دیو(۱) نے بسایا تھا۔ اس کی تعمیر بے حد حیرت افزا ہے۔ میرزا حیدر نے اپنی تاریخ میں اس کی توصیف بیان کی ہے کہ اس کی عمارت میں نیچے اور اُوپر چھلے ہوئے پتھر لگے ہیں جن میں جوڑ کا کوئی مایع استعمال نہیں ہوا ہے۔ چونے اور سرخی کے استعمال کے بغیر ہی پتھروں کو ایک دوسرے کے اُوپر رکھ دیا گیا ہے یوں کہ درمیانی تنگ شگاف میں کاغذ بھی گھسنے نہیں پاتا اور ہر پتھر تین سے آٹھ گز تک لمبا ہے اور حجم ایک گز اور چوڑائی ایک گز سے پانچ گز تک ہے۔ جن کے لانے کے بعد عمارتوں پر لادنے کے عمل کو دیکھ کر آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

ان میں سے اکثر اسی طرح کے ہیں، ملے جلے، مربع ملے جلے اور مربع جن کی بلندی بعض جگہوں پر تیس گز تک ہے اور اس کا ہر ضلع کم و بیس ایک سوگز۔ اور اندر کی طرف ستون تعمیر کیئے گئے ہیں جن کی بساط کے اُوپر مرصع ٹوپیاں رکھ دی گئی ہیں اور ان کے اُوپر بغلچے ہیں۔ اکثر بغلچے لازماً پتھر کے ایک ہی ٹکڑے ہیں۔ طاقوں کا انحصار ستونوں پر رکھا گیا ہے اور ہر طاق کی چوڑائی تین سے چار گز تک ہے اور دروازہ دار پیش طاق وہاں نصب کر دیا ہے اور طاق سے باہر ستون بنائے گئے ہیں جن کی اُونچائی چالیس اور پچاس گز ہے۔ بغلچے اور مقرنس ایک ہی ٹکڑے کے ہیں۔ ان کے اُوپر ایک ہی ٹکڑے کے چار ستون ہیں۔

اندرونی اور بیرونی طاق کو دو ایوان دکھلانے کی غرض سے ایک یا دو پتھروں سے ڈھک دیا گیا ہے۔ ایک ایوان کی لمبائی بیس گز اور چوڑائی سات آٹھ گز۔ اور ایوان کے اُوپر جو ایک ہی پتھر کا ٹکڑا ہے مقرنس، کنگرے، ابھرے جیسے دانت، پس پوش اور پیش پوش سے سب نقوش و تصاویر سے الگ کر دیئے گئے ہیں جن کی تفصیل نا قابل بیان ہے۔ بعض صورتیں ہنسی کی اور رونی شکل کی ہیں جن کو دیکھ کر آدمی حیران ہو کے رہ جاتا ہے۔ بلند کرسی کا میانہ چھلے ہوئے پتھروں کا ہے جس کے اُوپر ایک گنبد سراسر پتھر کا ہے جس کو شرح و تفصیل سے بیان کرنے میں کلام عاجز ہے۔ دنیا میں اس طرح کی عمارت نہ دیکھی گئی ہے نہ ہی سنی گئی ہے۔ ان ایک سو پچاس بتخانوں کا کیا بیان جو ملک میں موجود ہیں۔

اس بتخانے کی راجہ للتادت نے اپنی راجگی کے دنوں (۲) میں کثیر رقوم سے مرمت کروائی اور سونے سے ملمع کیا۔ سلطان سکندر نے اسے مہندم کرانے میں ایک سال تک کار خانہ جاری رکھا اور اس کی دیواریں ہی گریں لیکن اصلی بتخانہ کے انہدام میں عاجز ہوا۔ آخر اسکے اندرون کو ھیزم سے بھر کر آگ لگا دی گئی اور اسکی تصویروں کو تتر بتر کیا گیا۔

مصنف کتاب نے اس بتخانہ عبرت کو دیکھا۔ بعض ستونوں پر ابھی بھی سونے کی ملمع کاری کے اثرات موجود ہیں۔

وزیہ ایشری (۳)

راجہ وزیانند (۴) نے ۳۴۳ کلجوگ کے اوائل میں اسے بنایا تھا۔ اس کی بلندی تین سو گز تھی۔ اس کے گنبد کے مرکز میں ایک بیل جادو کے زور سے معلق تھا جس کا بدن دھاتوں سے وضع کیا گیا تھا۔ اس کے قبہ کو ملمع کرنے پر دس لاکھ اشرفیوں کی رقم خرچ کی گئی تھی۔ ہندو اسے بہت متبرک جانتے تھے۔

راجہ ونتی ورما (۵) نے اپنے عہد میں اس کی مرمت کی۔ سلطان سکندر اسے گرا دینے کی طرف متوجہ ہوا۔ توڑنے کے وقت اس کے پتھروں سے شعلے نکلے اور ہندوؤں نے اسے اپنے معبودوں کی کرامات جان لیا۔ چنانچہ اس کی بنیاد سے ایک پتھر نکلا جس پر یہ عبادت کندہ تھی۔ بسم اللہ منتری نہنشنٹ وزیہ ایشیری (۶)۔ یعنی بسم اللہ ایک منتر ہے جو وزیہ ایشری کو برباد کر دے گا۔

سلطان سکندر نے اس مندر کے پتھروں سے ایک خانقاہ بنائی جسے وجاشر خانقاہ کہتے تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس خانقاہ کو ویران کرا کے دریا کے کنارے پر اپنا ایک مندر بنا لیا۔

زیش ٹیشور (۷)

راجہ سندیمان نے اسے سال ۸۰ھ کلجوگ میں کوہ سلیمان کی چوٹی پر بنایا ہے اور سال ۲۶۷ھ کلجوگ میں راجہ گوپادت نے اس کی مرمت کی تھی اور ۵۱۷ھ بکرمی میں دوسری بار راجہ للتادت نے اس کی مرمت کروائی۔ چونکہ سلطان محمود نے اس کے صحن میں ظہر کی نماز پڑھی تھی، اس لئے سلطان سکندر نے اس کو گرادینے میں تامل سے کام لیا۔ لیکن بھونچال کے صدمے سے اس کی چھت کا مرکزی پتھر کا ستون ٹوٹ گیا۔ سلطان زین العابدین نے سال ۸۷۴ھ (۸) میں چار محفوظ ستون نصب کئے۔ چنانچہ ایک ستون پر دوسطریں کندہ کی گئی ہیں۔ پہلی سطر ''اس سطور برداشت خواجہ اکم بن مرجان سال پنجاہ و چہار کشمیری'' (''یہ سطریں محفوظ کیں خواجہ اکم بن مرجان نے کشمیری سال ۵۴ھ میں'')۔ اور دوسری سطر: ''معمار این ستون راجی ھشتی زرگر، پنجاہ و چہار'' (اس ستون کا معمار ہے راجی ھشتی زرگر، سال ۵۴ھ'')۔

نیز اس کی شمالی دیوار میں پتھر کی بنی ہوئی سیڑھی میں یہ عبارت منقوش تھی: ''درین وقت یوذاسپ نام جوانی از مصر آمدہ دعوای پیغمبرزادگی می کند، سال پنجاہ و چہار'' (اس زمانے میں یوذاسپ نامی ایک جوان مصر سے آکر پیغمبرزادہ ہونے کا دعویٰ کررہا ہے۔ سال ۵۴ھ) (۹)۔

گلاب سنگھ حکومت میں مخالفین نے اسے مٹا ڈالا۔ البتہ اس کے نشان ابھی باقی ہیں۔ شیخ غلام محی الدین نے اس کے گنبد کی مرمت کرائی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے چھوٹی

سیڑھی درست کروائی۔

بیجیشور (۱۰)

راجہ بجے نے سال ۲۹۸۶ کلجوگ میں بیج بہاڑہ میں کمال بلندی اور استواری کے ساتھ بسایا تھا۔ سلطان سکندر نے اسے ویران کرڈالا۔

بوٹیشور (۱۱)

ندر آدت نے .... (۱۲) گاؤں میں بسایا تھا۔ سلطان سکندر نے ویران کر ڈالا۔

ایشیشور

راجہ سندیمان دوم نے ایشہ براری گاؤں میں بسایا۔ سلطان سکندر نے گرایا۔

بھیما دیوی

تھید گاؤں میں راجہ سندیمان نے بسایا تھا۔

میگہ مٹ

میگواہن (۱۳) کی تعمیرات میں سے اولر پرگنہ کے بار سو گاؤں میں سال ۳۴ بکرمی۔

مہاشری

پرورسین (۱۴) کی تعمیرات میں سے جامع مسجد کے متصل بنا تھا۔ سلطان سکندر نے مسمار کر کے اس کے مصالح سے جامع مسجد کی بنیاد ڈالی۔

سدہ باوہ شری

راجہ پرورسین کی عمارتوں میں سے پیر حاجی محمد کے صحن میں۔ سلطان قطب الدین کا مدفن ہے۔

کالی شری

پرورسین کی تعمیرات سے تھا۔ سلطان قطب الدین (۱۵) نے ویران کر ڈالا۔ اس

کے پتھر سے خانقاہ معلیٰ کی بنیاد بنائی۔

لوکی شری

پروسین کی تعمیرات میں سے ہے۔ اس میں سلطان سکندر کی حرم مدفون ہیں اور اب بڈشاہ گنبد کہلاتا ہے۔ اس کے احاطے میں مزار سلاطین کشمیر عبرت افزا ہے۔

پرویشور

پروسین کی تعمیرات میں سے اکبر بادشاہ کے شاہی محل کے متصل پوکرہ بل (۱۶) کے مقام پر یادگار تھا۔

ویشوشورما

درگجن کے مقام پر پروسین کا آباد کیا ہوا تھا۔ سلطان سکندر نے خراب کر ڈالا۔

درونس سوامی

صورہ محلّہ میں پروسین کا آباد کیا ہوا تھا۔ ملک ریگی ڈار کا مدفن ہے۔

بوتیشور (۱۷)

سال ۶۰۷ ۱ کلجوگ میں لار پرگنہ کے وانگت گاؤں میں نراین ناگ چشمے پر راجہ جلوک (۱۸) کا بنایا ہوا ابھی تک موجود ہے۔ اس کی پتھروں کے جوڑ بالکل معلوم نہیں ہوتے جیسے ایک ہی پتھر کے ٹکڑے سے بنا ہے۔ اس نادر الوجود کتاب کے مصنف نے موقع پر جا کر ایک لکڑی کا چراغ اس کی پتھروں پر جلا کے رکھ دیا، جوڑ کی جگہ سے جو قطرے ابھرنے لگے اس سے یہ بات تحقیق ہوگئی کہ جس گارے سے یہ سارے پتھر جڑے ہیں اس میں چونا اور سرخی مطلق نہیں اور درمیان میں بدرہ پیٹ پتھر کا وجود عجائبات روزگار میں سے ہے۔ راجہ نرندرادت (۱۹) نے اس کے ساتھ ہی پانچ چھوٹے مندر بسائے ہیں۔

ماھشیور

راجہ رنادت کی تعمیرات میں سے کوہ ماران پر۔ سال ۱۴۱۴ بکرمی۔

ہرتیشور

راجہ رنادت (۲۰) کی بیوی امرت پر بھا نے امرت بھون گاؤں میں بسایا۔

بکر میشور:

وچار ناگ کے متصل راجہ بکر ماجیت (۲۱) کی تعمیرات میں سے تھا۔ سلطان سکندر نے ویران کر ڈالا اور اس کے پتھروں سے مسجد اور مدرسہ بنایا۔ ابھی بھی دونوں کے نشان موجود ہیں۔ سال ۵۲۱ بکرمی۔

بمتیشور

رٹ سون گاؤں میں بالادت کی تعمیرات میں سے۔ سال ۶۳ بکرمی۔

درلب سوامی

محلّہ زینہ کدل میں جنوب کی طرف دُرلب وردن کی تعمیرات میں تھا۔ بت شکن نے گرادیا۔

نریندریشوز

تاپر گاؤں میں پرتاپ پیڈ (۲۲) نے بسایا تھا۔ سلطان سکندر نے خراب کر ڈالا۔

زین العابدین (۲۳) نے اسکے پتھروں کو نایدکھے سے سوپور تک کے پشتے میں استعمال کیا۔

تربھون سوامی

مزار ڈھگ بابا صاحب کے متصل چندراپیڈ (۲۴) کی تعمیرات میں سے مشہور۔ سال ۶۸۴ بکرمی۔

تاراپیٹ

راجہ تاراپیٹ نے جامع مسجد کے ساتھ بسایا تھا۔ سلطان سکندر نے مسمار کر کے جامع مسجد کے روبرو مسجد اور مدرسہ بناڈالے۔

سورج مکھی

لتہ پور گاؤں میں راجہ للتادت (۲۵) کی تعمیرات میں سے تھا۔ سلطان سکندر نے منہدم کردیا۔

موکتا کیشو

پرسپور (۲۶) گاؤں میں للتادت کا اُونچی جگہ پر آباد کیا ہوا تھا۔ اسکے اُوپر بتیس لاکھ (۲۷) سولہ ہزار تولے چاندی کے ملمع کاری پر صرف ہوئے تھے۔ سال ۷۷۵ھ۔

پر ہاسہ کیشو

پر سپور کے متصل للتادت نے بنایا تھا۔ چوراسی ہزار (۲۸) تولے سُرخ سونے کے اس کے گنبد کی ملمع کاری پر صرف کیئے اور مہاوراھ (۲۹) کا بہت بڑا پیکر بنوا کر اسے سونے کا زرہ بکترہ پہنایا۔ صحن میں پتھر کے ایک ہی ٹکڑے کا ستون نصب کروایا جو چون ہاتھ لمبا تھا اور بعض روایات کے مطابق ۵۴ گز اور اس کی چوٹی پر گوروجی کی صورت بنوا کر رکھ دی۔ تین سوا ٹھائیس خروار تانبے سے بودھ اوتار (۳۰) کے چار ہزار بُت بنوا کر ان کو پر سپور کے مندروں میں رکھا۔

ان کے علاوہ سونے چاندی کی بنی ہوئی تصویروں اور شکلوں کو بھی بھاری تعداد میں وہاں نصب کر دیا تھا۔ سلطان سکندر نے دونوں بتخانوں کو مسمار کر کے ان کے پتھروں کو پشتے میں استعمال کیا۔

اور پر ہاسہ کیسو مندر کی بنیاد میں سے ایک صندوق برآمد ہوا جس میں مس (تانبے) کے ایک ورق پر لکھا ہوا پایا گیا کہ اتنی مدت گزر جانے کے بعد اس مندر کو گرانے والا سکندر نام کا ایک بڑا بادشاہ ہوگا اور وہ بدھ اوتار کے بُت کو توڑ ڈالے گا (۳۱)۔

چتر اتما کیشو، شیشہ شای کیشو، امرت کیشو:

یہ تینوں بتخانے اندر کوٹ (۳۲) میں جیا پیڈ (۳۳) نے بنائے تھے۔ سلطان

سکندر نے مسمار کر ڈالا ے۔زین العابدین نے ان پتھروں سے سوپور کا پشتہ تعمیر کیا۔سال ۱۲۸ھ۔

اوتپل مندر

اجتاپیڈ (۳۴) نے پانپور میں بسایا۔

شیرہ وامس سوامی

اونتی ورما کی تعمیرات میں سے مرہامہ گاؤں میں۔

مارگیشور

کوٹھہار پرگنہ کے کوٹھیر گاؤں میں سال ۲۲۰ کلجوگ میں چشمے پر راجہ درنا کا بنایا ہوا۔

اونتی سوامی

اونتی ورما (۳۵) کی تعمیرات میں سے اونتی پورہ گاؤں میں۔

شیرہ مٹ

اونتی پورہ سے پانچ میل اُوپر اونتی ورما کی تعمیرات میں سے اُولر پہاڑ کے دامن میں۔

پربھاکرسوامی

اونتی ورما کا زیون گاؤں میں؟

جادہ برابری

اونتی پورہ سے ایک میل اُوپر شیرورما (۳۶) کی تعمیرات میں سے۔بس ایک دروازہ باقی ہے۔

کلن مندر

لارپرگنہ میں شنکرورما (۳۷) کی تعمیرات میں سے۔سال ۹۷۲ھ۔

ہریشور۔ بگیشور

پٹن گاؤں میں شنکر ورما کی تعمیرات میں سے۔ حال کے زمانے تک موجود تھے۔
سال ۱۳۰۲ھ (۳۸) کے بھونچال کے حادثہ میں دونوں گر گئے۔

پروگیستیشور

پروہ گپت (۳۹) کی تعمیرات میں سے خندان بھون محلے میں۔

کچھامہ مندر

للتادت کے وزیر میتر شرما کی تعمیرات میں سے۔

بونیار کے مندر

راجہ .... (۴۰) کی تعمیرات میں سے کھاورہ پرگنہ میں۔

سہم پور مندر

پیرنی کے متصل راجہ .... (۴۱) نے بسایا ہے دچھنہ پرگنہ میں۔

مین مٹ

بیج بہاڑہ میں اننت راج (۴۲) کی تعمیرات میں سے۔

کلشیشور

کلشن (۴۳) دیو کی تعمیرات میں سے بیج بہاڑہ میں۔

زئیشور

جے سنگھ (۴۴) کی تعمیرات میں سے پاندر پٹھن (۴۵) گاؤں میں تالاب میں۔

ہرشیشور

جگ دیو نے زر پورہ گاؤں میں بسایا۔

پرتیشور

پھاک پرگنہ میں تیل بل کے متصل راجہ پرتاپ دت کی تعمیرات میں سے۔ سال ۱۲۸۶ کلجوگ۔

جدید مندر

گداد ھر مندر:

سال ۱۹۰۵ھ بکرمی میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے شیر گڈھی میں بسایا۔اس کے قبہ کو سونے سے ملمع کیا اور ایک خروار میں سے ایک پاؤ اس کے لئے باج (۴۶) مقرر کیا۔

گنپت یار مندر:

سال ۱۹۱۱ھ بکرمی میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے بنایا۔

بیج بہاڑہ مندر (۴۷):

وزیہ ایشری مندر کے پتھروں سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے سال ۱۹۰۷ھ بکرمی میں بنایا۔

رنبیر سوامی:

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے سال ۱۹۳۲ھ بکرمی میں محلّہ ڈل حسن یار میں کمال بلندی اور مضبوطی کے ساتھ بنایا۔

سمادھ مندر:

سال ۱۹۱۴ھ بکرمی میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے رام باغ میں اپنے باپ کے شمشان پر بنایا۔

پرتاپ سوامی:

سال ۱۹۳۳ھ بکرمی میں ولی عہد میاں پرتاپ سنگھ نے رعناواری محلّہ میں بنایا۔

کرپارام مندر:

سال ۱۹۲۷ھ بکرمی میں ریاست کے وزیر اعظم دیوان کرپارام نے فتح کدل سے اُوپر بسایا۔

وزیر پنوں مندر:

وزیر پنوں حاکم نے حبہ کدل کے متصل سال ۱۹۲۰ھ بکرمی میں تعمیر کیا۔

امیرا کدل مندر:

سال ۱۹۳۶ھ بکرمی میں ریاست کے وزیر اعظم دیوان اننت رام (۴۸) نے بنایا۔

گنیشور مندر:

اپنی جاگیر راموہ گاؤں میں گنیش پنڈت (۴۹) نے سال ۱۸۹۴ بکرمی میں بنایا۔

صفا کدل مندر:

سال ۱۹۲۱ بکرمی میں محکمہ داغ شال کے داروغہ پنڈت راجہ کاک در نے بنایا۔
اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے رام چند نے اسے مکمل کرلیا۔

کرنیل مندر:

شیر گڈھ کے سامنے کرنیل بیجا سنگھ نے بسایا ہے۔

یادداشتیں

(۱) ۳۰۰۵ء ۔ ۹۳۶ ق م ۔ اس مندر کے بارے میں ڈاکٹر سٹاین نے یوں لکھا ہے: ''بامزو کے جنوب میں ایک میل کی دوری پر ہم مارتنڈ نامی ایک بڑے مندر میں پہنچ جاتے ہیں جو قدیم زمانے سے آج تک متبرک مانا جاتا ہے۔ یہ مندر ایک عالی شان چشمے کی وجہ سے، جو قدیم روایات کے بموجب بملا اور کملا نامی دو حصوں میں بٹا ہوا ہے، بڑی خصوصیت کا حامل ہے۔ ہندوؤں کی ایک مذہبی روایت نے ان دونوں کو آفتاب کے خدا یعنی مارتنڈ کی پیدائش سے منسوب کیا ہے۔ یہ مندر وقتاً فوقتاً زائرین کے ہجوم کا مقام ہے اور سارے ہندوستان میں مشہور ہے۔ مارتنڈ کشمیر کے جنوبی علاقے اسلام آباد (اننت ناگ) میں واقع ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی تعمیر کیلئے خاص اہمیت کی وجہ سے یہ جگہ چن لی گئی۔ کلہن نے ان الفاظ میں اس کی توصیف کی ہے۔ ''عجائب روزگار مارتنڈ فراخ اور کشادہ دیواروں کے ساتھ ایک بڑے احاطے میں''۔ اس مندر کے آثار و موجودات اگرچہ وقت کی گردشوں اور زلزلوں سے خراب ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی یہ قدیم کشمیر کے فن تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ یورپ کے اکثر سیاحوں نے مارتنڈ کے آثار کی تعریف و توصیف کی ہے۔ مارتنڈ کی اہمیت کو اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ راجہ کیلاش نے اس کی دیواروں کے تلے مر جانے میں اظہار مسرت کیا ہے (۱۰۸۹ء)۔ اسی طرح اس کا بیٹا ہرش اس کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ کلہن کے زمانے میں مارتنڈ کے صحن اور اس کی فراخ و عالیشان دیواروں کو فصیل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ للتادتیہ نے اپنے عہد میں مارتنڈ کے پاس ایک نہر جاری کی جس کی بقول پنڈت جون راج سلطان زین العابدین نے مرمت کروائی۔ قصبہ مارتنڈ کا نام اب (۱۸۹۹ء) مٹن پرگنہ کے نام سے زندہ ہے۔ جون راج نے اسے مارتنڈ لیش کہا ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں مندر کے ذکر کے ساتھ ایک کنویں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جو مسلمانوں میں چاہ ہاروت و ماروت کے نام سے مشہور ہے'' ۔(این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر، ص ۱۷۶ سے ۱۷۸ تک)۔ اس مندر کی کہنگی کے بارے میں آر، سی، کاک یوں کہتا ہے: ''مارتنڈ یشور کے ذکر میں کلہن کی مشکوک منسوب تاریخ غیر یقینی ہو گئی ہے۔ یقینی بات یہ ہے جیسا کہ اس کی طرز تعمیر سے روشن ہے مارتنڈ کی بنیاد راجہ للتادتیہ کے ہاتھ سے آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں رکھی گئی ہے'' (این شنٹ مانومنٹس آف کشمیر، ص ۱۳۵/)۔ تقریباً یہی رائے اس مندر کے بارے میں جنرل کنگھم نے ظاہر کی ہے۔ وہ کہتا ہے'' مارتنڈ کی بنیاد راجہ رانادتیہ نے رکھی لیکن اس کی تکمیل للتادتیہ نے کی'' (حاشیہ این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۱۷۷)۔

(۲) ۱۳۹۲ء ۔ ۱۴۱۶ء ۔

(۳) مرکب ہے وجے اور سنسکرت لفظ ایشور سے۔ وجے یعنی فتح اور ایشور یعنی خداوند۔ وج برور (بیج بہاڑہ) کا قصبہ، جو آج تک جنوبی کشمیر میں اسلام آباد سے پانچ میل کی دوری پر واقع ہے، وز یہ ایشری کی بگڑی ہوئی صورت میں اسی مندر کے نام سے آباد ہے۔ مسٹر سٹاین این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۱۷۳-۱۷۴ میں اس کی توصیف میں یوں لکھتا ہے ''قدیم قصبہ نے جس کا ذکر پہلے ہو چکا وجیشور یا موجودہ وج برور کی صورت میں ظہور پایا۔ موخر الذکر جگہ نے جو چکر دھرا سے قریب دو میل اُوپر واقع تھی قدیم شیو وجیشور مندر سے نام اخذ کیا ہے۔ اس دیوی کی آج تک وج برور میں پوجا کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ پرانے زمانے سے کشمیر میں عام ہندوؤں کا مرجع تھی۔ اسی طرح کلہن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (راج ترنگنی کتاب اول ص ۳۸ / مترجمہ سٹاین)۔ اس دیوی سے اشوک کے احترام کی روایت اس مندر کی کہنگی کا ایک پختہ ثبوت ہے۔ کشمیر کے اکثر مورخوں نے اس دیوی کا ذکر کیا ہے۔

(۴) راج ترنگنی کتاب دوم ص ۶۱ / مترجمہ سٹاین۔

(۵) ۶-۸۵۵ء-۸۸۳ء۔

(۶) بقول سٹاین (حاشیہ این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۱۹۵) اس پتھر پر اصلی عبارت یہ تھی'' ایکادشے شتم و رشم سیکندر مہابل بسم اللہ یت منترین نہ مشنت وجے شراہ''۔ یعنی گیارہویں صدی میں سکندر اعظم، وجے شراہ کو تباہ کر ڈالے گا۔ بظاہر قابل اعتماد نہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر سٹاین نے اس کتبہ کی جو منہدم ہو جانے کی واقعہ کے بعد ملا، صداقت پر شک کا اظہار کیا ہے۔ اس کے بقول اس عبارت کا موجد باچہ بٹ کے قبیلے کا کوئی سنسکرت عالم تھا۔

(۷) یعنی جیٹیشور جو شوجی کے ناموں میں سے ایک نام کی ہندوؤں کی دیوی ہے۔ (سٹاین این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص/۱۵۹)۔ یہ مندر آج ہندوؤں کے خواص وعوام کا مرجع ہے۔ اس مندر کی تعمیر آثار قدیمہ کے محققین کے درمیان بحث و مباحثہ کا موضوع رہا ہے۔ جنرل کنگھم اور لفٹنٹ کول نے اسے راجہ جلوہ کا (۲۲۰ ق م) کے عہد سے منسوب کیا ہے لیکن ان کا قول اس لئے قابل قبول نہیں کہ اس کی تعمیر جدید معلوم ہوتی ہے اور جو روایت اس بارے میں آئی ہے وہ شک وشبہ کی حامل ہے۔ فرگوسن (ص ۲۲۵ / جلد/۱) نے زیشٹیشور مندر کو جہانگیر کے عہد میں ثابت کیا ہے۔ اس بارے میں اس کا بیان یوں ہے ''یہ مندر جسے ہم دیکھ رہے ہیں اس کی تعمیر شوجی کے احترام میں ایک گمنام ہندو کے ہاتھ فراخ دل، وسیع النظر بادشاہ حضرت نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کے عہد میں شروع ہوئی تھی۔ سال ۱۰۶۹ھ میں جیسے کہ اس کی ایک دیوار میں کندہ کیا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس کی آگے کی تعمیر کو ترک کیا گیا اور سال ۱۰۶۹ھ اورنگ زیب کی تخت نشینی کا پہلا سال ہے۔ تب سے اب تک مندر کی تعمیر نامکمل رہی۔ آج یہ مندر کشمیر کے بہت قدیم آثار میں شمار ہوتا ہے''۔ جسویٹ کارٹو جس نے اپنی تاریخ ''ہسٹری آف دی مغل ایمپائر'' کو ۱۸۰۸ء میں شائع کیا ہے کشمیریوں کو

یہودی قوم جانتا ہے۔ یہ اقتباس اس کے اس رائے کی تائید میں ہے: ''یہاں موسیٰ عام نام ہے۔ جو قدیم آثار اس ملک میں اب تک مل چکے ہیں وہ اس نظریے کی تائید کرتے ہیں کہ کشمیری اسرائیل قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً جو نشان ایک بلند پہاڑ کی صورت میں ہے وہ آج تک تخت سلیمان کہلاتا ہے۔'' فرانسیسی سیاح موسیو برنیر نے جو اورنگ زیب کے ساتھ کشمیر آیا تھا مذکورہ مندر کو تخت سلیمان پر قدیم تعمیرات میں شمار کیا ہے۔ کلہن نے راج ترنگنی میں (کتاب اول مصرعہ ۳۴۱) اس مندر کو یقیناً گوپادت کی عمارات میں قرار دیا ہے۔ ابوالفضل کے وقت میں بھی کشمیر کے لوگوں میں یہی روایت رائج تھی۔ (آئین اکبری جلد ۲ ص ۳۸۳)۔

(۸) ۱۴۶۹ء۔

(۹) یقینی بات ہے کہ یوز آسپ اصل میں یوز اسف یا بوز اسپ تھا۔ چونکہ فارسی املا میں حرف ب حرف ی سے آسانی کے ساتھ مل جاتا ہے اس لئے عام محاروے میں غلطی سے یوز آسپ ہو گیا۔ ابن ندیم (فہرست ص ۳۴۵ میں فلوگل کے حاشیوں کے ہمراہ) کہتا ہے ''اس بات میں محققین میں شک نہیں ہے کہ اہل عرب بدھ کو بوز اسف کہتے ہیں''۔ مسعودی (مروج الذہب جلد ۴ ص ۴۹ چھاپ پیرس) لکھتا ہے ''محققین کا کہنا ہے کہ انہوں نے نو بہار (بلخ کا مشہور بتکدہ) کے دروازے پر ایک تختی دیکھی جس پر لکھا تھا: بوز آسف کا قول ہے کہ بادشاہوں کے دروازے تین صفتوں کے محتاج ہیں ایک عقل، دوسری صبر اور تیسری مال۔ کسی نے اس کے نیچے لکھا تھا عربی میں: جس میں ان تین میں سے ایک بھی خصلت ہو وہ بادشاہوں کے دروازے پر جانے کا محتاج نہیں۔'' مولانا سید سلیمان ندوی (عرب و ہند کے تعلقات نامی کتاب میں ص ۱۷۰/۱۷۱ چھاپ ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد ۱۹۳۰ء)۔ بوز آسف لفظ کی تحقیق کے بارے میں لکھتے ہیں ''اس بات میں کوئی شک نہیں رہا ہے کہ بوز آسف سے مراد ہے بدھ۔ قدیم فارسی میں دال کی جگہ ذال لکھتے تھے اس وجہ سے بُوداسف کی جگہ یہ لفظ بوز آسف ہو گیا''۔ پروفیسر زخاد کے بقول سف دراصل یہاں پر ستو ہے۔ یہی بدھی ستو لفظ بوز آسف ہو گیا ہے اور یہ جو اس کتاب میں آیا ہے کہ یوز آسپ نامی کوئی آدمی مصر سے آکر پیغمبری کا دعویٰ کر رہا تھا بالکل محقق نہ ہو پایا۔ ڈاکٹر موصوف کے بقول (کشیر ج ۱ ص ۹۴۰) مذکوہ بوز آسف بڈشاہ کے عہد میں سفیر کی حیثیت میں کشمیر میں آیا۔ قرین قیاس ہے کہ یوز آسپ دراصل بوز آسف (بودھی ستو) ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کشمیر ظہور اسلام تک بلخ، بخارا، افغانستان اور ترکستان کی طرح بدھ دھرم کا ایک مرکز تھا اور اس ملک میں بہت تعداد میں وہار (مندر) تھے۔ دونوں میں نام کی مشابہت اس خیال کی تائید کرتی ہے۔ یہ عام روایت کہ بوز اسف دراصل حضرت مسیح علیہ السلام تھے بظاہر کمزور ہے۔

(۱۰) یہ وہی وزیہ یشری ہے جس کا ذکر ہو چکا۔ غالباً حسن نے غلطی سے اس کی تکرار کی ہے۔

(۱۱) بھوتیش مندر یا موجودہ بھوتیشور، نندی کھیشتر کے پاس ہرمکٹ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ راج ترنگنی اور نیلہ مت پوران سے معلوم ہوتا ہے کہ بھوتیشور کشمیر کی قدیم ترین زیارتگاہوں میں سے ہے (این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۱۱)۔

(۱۲) اصل کتاب میں ایسے ہی ہے۔

(۱۳) ۲۲ء تا ۱۳ء ق م۔

(۱۴) پرورسین دوم ۹ءء تا ۳۹ء۔

(۱۵) ۱۳۷۳ء۔ ۱۳۹۸ء۔

(۱۶) یعنی پکھری بل۔

(۱۷) وہی بھوتیش یا بھوتشیور ہے جس کا ذکر ہو چکا۔

(۱۸) ۱۳۹۴ق م۔ ۱۳۳۴ق م۔

(۱۹) ۱۷۸ء۔ ۱۹۱ء۔

(۲۰) پنڈت آنند کول بامزئی نے امرت پربھا کو رنادت کی بجائے راجہ میگواہن (۲۲۔۱۳ ق م) کی بیوی لکھا ہے۔ نیز مذکورہ پنڈت ہرتیشور کی جگہ مندر کا نام امرت بھون لکھا ہے۔ آنند کول کے بقول اس جگہ کو اب وانتہ بھون کہتے ہیں۔

(۲۱) ۵۲۱ء۔ ۵۶۳ء۔

(۲۲) پرتاپ پیڈ دوم ۶۳۴ء۔ ۶۸۴ء۔ آنند کول نے پرتاپ پیڈ کی رانی نریندر پربھا کو اس مندر کا بانی لکھا ہے (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۱۲۳)۔ تاپر گاؤں بارہ مولہ سے سرینگر کی طرف جاتے ہوئے بارہ میل کی دوری پر ہے۔

(۲۳) ۵۲۱ء۔ ۵۶۳ء۔

(۲۴) ۶۸۴ء۔ ۶۹۳ء آنند کول اس کا محل وقوع نواکدل میں دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر بتلاتا ہے (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۱۲۵)۔

(۲۵) ۶۹۷ء۔ ۷۳۴ء۔

(۲۶) تولہ مولہ سے مغرب میں پانچ میل کی دوری پر پرسپور گاؤں واقع ہے جو قدیم زمانے میں پری ہاس پور کے نام سے معروف تھا۔ راجہ للتادتیہ نے اپنے عہد میں پری ہاس پور شہر بسا کر اسے اپنا دارالخلافہ بنایا۔ اپنی حکمرانی میں اس نے بہت سے مندر بنائے جن کے آثار اب تک زمین سے نکلتے ہیں۔ سٹاین کے بقول (این شنٹ جیوگرافی آف

کشمیر ص ۱۹۴) سال ۱۸۹۲ء اس کا صحیح محل وقوع دریافت نہیں ہوا۔ اب پرسپور پرگنہ سے اس معدم شہر کا پتہ لگتا ہے۔ پرسپور کے بارے میں کلہن (راج ترنگنی ترنگ چہارم، مصرعہ ۱۹۴) لکھتا ہے کہ خوبصورتی میں یہ شہر اندر کی جاری رہائش سے بھی برتر تھا۔ للتادتیہ کے بنائے ہوئے مندروں کو اس کے بعض جانشینوں راجہ وجرادتیہ، راجہ ونتی ورما اور راجہ شمکر ورمانے (سال ۸۸۳ء سے ۹۰۲ء تک) تباہ کرڈالا (این سنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۱۹۵)۔

(۲۷) راج ترنگنی میں کلہن کا بیان ہے ''اس نے (للتادتیہ) مکتا کیشو کے مجسمے میں سونے کی چوراسی ہزار تولے بھر دیئے تھے''۔ (راج ترنگنی ترنگ چہارم مصرعہ ۲۰۱)۔

(۲۸) خاص تعداد کا ذکر کرنے سے کلہن نے خاموشی اختیار کی ہے (ایضاً مصرعہ ۲۰۲)۔

(۲۹) ویشنو (ایضاً مصرعہ ۱۹۷) ہندوؤں کا دیوتا۔

(۳۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ للتادتیہ کے زمانے میں کشمیر میں بدھ مت اوج کمال پر تھا۔

(۳۱) سلطان سکندر سے پرسپور کے مندر یا دوسرے مندروں کو گرانے کے عمل کو منسوب کرنے کی بات تاریخی شواہد سے تحقیق اور ثابت نہیں ہوئی ہے۔ خواجہ محمد اعظم اور نارائن کول دونوں نے بالا اتفاق مذکورہ مندر کا انہدام سلطان سکندر سے منسوب کیا ہے۔ لیکن ان دونوں کے برعکس ملک حیدر چاڈورہ نے جواب سے قریب ایک سو سال پہلے زندہ تھا، پرسپور مندر کو توڑنے کا عمل میر شمس الدین عراقی سے منسوب کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ''چنانچہ کشمیر کے اکثر بت خانوں کو منہدم اور معدوم کردینے کے بعد اب پرسپور گاؤں کے بتخانے کو خراب کرنے اور توڑ دینے کی نوبت آ پہنچی۔ بتوں کو توڑ دیا گیا اور بت خانے کو ویران کیا ہی گیا تھا کہ ایک دیوار کے درمیان میں سے ایک طاقچہ دکھائی دیا اور اس طاقچے میں لکڑی کا ایک چھوٹا سا صندوق تھا۔ صندوقچے کو جب کھول کر دیکھا گیا اس میں ایک لعل، ایک شیشہ اور کتابت کیا ہوا ایک ورق کشمیری قلم کے خط میں ملا۔ کتاب کا مضمون یہ تھا کہ اس مندر کے مالک نے منجموں سے تحقیق کی تھی کہ ایک ہزار اور پانچ سو سال کے بعد عراق سے صاحب کشف و کرامات ایک شخص آ کر اس مندر کو ویران کر ڈالے گا اور لعل بیچ کر وہی شخص میر سید علی خانقاہ کی تعمیر کرے گا (قلمی نسخہ تاریخ کشمیر ص ۷۵-۷۶)۔ ڈاکٹر سٹاین (این شنٹ جیوگرافی کشمیر ص ۱۹۵) نے بھی پرسپور مندر کو منہدم کرنے کے عمل کو سلطان سکندر سے منسوب کرنے اور اس کتبے کی حقیقت پر شک وشبہ کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ پرہاسپور مندر کا انہدام کا واقعہ کتبے کی تاریخ کے دن سو سال بعد ہوا۔ حالانکہ تحریر کے مطابق یہ واقعہ انہدام گیارہ سال بعد ہونا چاہیے تھا کیونکہ مورخین کے اتفاق کے مطابق مندر کا بانی راجہ للتادتیہ سکندر سے چھ سو سال پہلے گذرا ہے۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ مذکورہ مندر کا انہدام یا قدرتی بھونچالوں سے یا مذہب اسلام کی قبولیت سے اس کی طرف غافل رہنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

(۳۲) ۱۵۷ء تا ۱۸۲ء۔

(۳۳) اندرکوٹ، جیاپورہ، سنبل کے پاس اسی جیاپیڈ کی تعمیرات میں سے ہے۔

(۳۴) ۸۳۸ء سے ۸۵۰ء تک۔

(۳۵) ۸۵۵ء سے ۸۸۳ء تک۔

(۳۶) ؟

(۳۷) ۸۸۳ء سے ۹۰۲ء تک۔

(۳۸) ۸۸۴ء۔

(۳۹) ۹۴۹ء سے ۹۸۰ء تک۔سکندہ بھون وہاراب سرینگر کا محلّہ خندہ بھون ہے جونوا کدل اور عیدگاہ کے درمیانی حصے میں دریائے جہلم کے کنارے پر واقع ہے۔صوتی قواعد کی رو سے خندہ بھون اصلاً اور بالذات سکندہ بھون کے سنسکرت لفظ سے ماخوذ ہے۔سکندہ سے مراد ہے سکندگپت جو وہار (سنکرت میں مقدس عمارت) کا بانی تھا۔آٹھویں ترنگ مصرعہ ۱۴۴۲ (راج ترنگنی) میں خندہ بھون کا ذکرہ ایک جگہ کی حیثیت میں آیا ہے جہاں راجہ سوسالا کی رانیاں ،جب کہ ملک کے باغیوں کی وجہ سے مردوں کو جلانے کی جگہ ماک شک سوامن (موجودہ مایسمہ) غیر محفوظ بن گئی تھی، رہتی تھیں۔قیاس یہ ہے کہ قدیم زمانے میں یہ ایک وسیع وفراخ میدان رہی ہوگی۔موجودہ وقت میں جیسا کہ اس کا نقشہ بتلاتا ہے شمال مشرق اور مشرق میں زمین کا خاصا رقبہ خراب اور غیر آباد پڑا ہے۔یہ جگہ عام طور پر مسلمانوں کے مقبرے کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔شری ور کے اس بیان (فصل چہارم ص ۱۲۳۔۶۲۸) سے بھی کہ خندہ بھون محمد شاہ (۱۴۸۴ء۔۱۴۸۶ء) کی پر آشوب حکومت کے زمانے میں فوجی چھاونی تھا اور جس کا اس نے پہلی بار ذکر کیا ہے، یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔یہ بات یقینی ہے کہ سکندہ بھون وہار محلّہ خندہ بھون کے جنوبی حصے کے اختتام پر ایک گوشے کا نام ہے۔چنانچہ آج تک اس ملک کے برہمن اس گوشے کو سکندہ بھون کے نام سے یاد کرتے ہیں۔نوا کدل کے شمال میں بازار سے ۲۵۰ رگز رکا فاصلہ چل کر اس جگہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔یہاں پر بائیں طرف کو ملا محمد باصرؒ کے آستانے کی عمارت کھڑی ہے۔صاحب رام برہمن کے ساٹھ سالہ بیٹے رام چندریشی کا بیان ہے کہ اسکے بچپن کے دنوں میں اس کا ایک رشتہ دار گوردھن داس پر ید، اس زمانے میں ایک عمر رسیدہ آدمی تھا، پوجا کرنے کے لئے یہاں آیا جایا کرتا تھا اور سنیچر کے روز توت کے بڑے درخت کے نیچے سانپ کے لئے نذور نیاز پیش کرتا تھا۔اس درخت کو زیارت کے ایک ملانے شیخ محی الدین (۱۸۴۲ء۔۱۸۴۶ء) کے زمانے میں کاٹ ڈالا۔کہتے ہیں کہ درخت کے تنے سے خون بہہ نکلا ۔اس جگہ کے عرس کے دونوں میں گوردھن داس اور دوسرے لوگ چراغ جلاتے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندہ بھون کا مقام جدید زمانے تک کشمیری ہندوؤں کے پوجا پاٹ کرنے کی جگہ تھی (خلاصہ از راج ترنگنی جلد دوم۔یاداشتیں

ص ۳۳۹۔۳۴۰)۔

(۴۰) اصل نسخہ میں ایسے ہی ہے۔ بونیار کا مندر جہلم کی سڑک پر رام پور سے دو میل اُوپر واقع ہے۔ کشمیر میں تمام مندروں میں بونیار کا مندر درست حالت میں موجود ہے۔ آنند کول بام زئی کے بقول اس مندر کے بنانے والے کا نام معلوم نہ ہو پایا۔ قیاس کے بموجب اس کی تعمیر کی بنا کو پانچویں صدی عیسوی سے منسوب کیا جا سکتا ہے اور اسے بھوانی کے نام پر بنایا گیا ہے۔

(۴۱) اصل کتاب میں ایسے ہی ہے۔

(۴۲) ۱۲۰۸ء۔۱۰۶۳ء۔

(۴۳) راج ترنگنی ترنگ ۷ مصرعہ ۲۵۷/۔ لیکن اس مندر کا محل وقوع اسی کتاب سے تحقیق نہ ہو پایا۔

(۴۴) قدیم ''جیر نو دھرتی''۔ راج ترنگنی ترنگ جلد ۸/ مصرعہ ۲۳۸۰۔

(۴۵) ۱۱۲۸ء سے ۱۱۴۹ء تک۔

(۴۶) ایک پاؤ چوتھا حصہ ہے ایک سیر کا۔

(۴۷) ڈاکٹر سٹاین نے (این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۱۷۴) بیج بہاڑہ مندر کی تعمیر کو مہاراجہ رنبیر سنگھ (وفات ۱۸۸۶ء) سے منسوب کیا ہے۔

(۴۸) دیوان انت رام، دیوان کرپا رام کا بیٹا تھا جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے۔ باپ کی وفات کے بعد حاکم بن گیا ہے (کشیر جلد ۲/ ص ۸۰۳)۔

(۴۹) یعنی پنڈت گنیش کول شاستری جو آنجہانی مہاراجہ رنبیر سنگھ کے مصاحبوں میں سے تھا۔

کشمیر کی تجارت کا در آمد اور بر آمد

کشمیر کے ملک میں تجارت کے مال کا در آمد اور بر آمد پورے سال میں اندازاً کشمیری سکے میں چالیس لاکھ روپے تک ہوتا ہوگا۔اس ملک کی پیدواری تجارتی اشیا یورپ، ایشیا، ہندوستان، خراسان، یارقند، لاسہ، لداخ اور اسکردو کو جاتی ہیں اور ان ہی ملکوں سے اسباب تجارت کشمیر کے ملک میں آتا ہے۔اس کی تفصیل ذیل کے نقشے سے واضح ہوگی۔

کشمیر کا وہ مال تجارت جو ہندوستان اور خراسان کے ممالک کے اطراف میں جاتا ہے

کانی پشمینہ کی قسمیں	چادریں	تمباکو کے حقے	سنگ یشم	کچا ریشم
صراحیاں	شلغم کے بیج	گھوڑوں کے جھول	سیاہ زیرہ	چمڑے کی قسمیں
کشوت (دوائی)	گیلاس	لکڑی کے چھوٹے صندوق	سنگارہ کے مغز	جورابیں
زردآلو	تیل	شطرنج اور نرد	بھنگ کی پوست	پشمینہ کے تار

چھال	وج (دوائی)	سادہ پشمینہ کی قسمیں	سہاگہ	عنبری سیب
قلمدان	نقاشی کیئے ہوئے برتن	بہی دانہ	جنگی جانوروں کی کھالیں	خمیر بنفشہ
ادویات	لکڑی کے جوتے	چاول	دیودار کی لکڑی	تبّتی زرشک
پٹو کی قسمیں	پست قد گھوڑے (۱)	بھنگ کی پوڈر	کانی پشمینہ کے حاشیے	چینی نافہ
انگور	عملی کام کیئے ہوئے پشمینہ کی قسمیں	پوست خشخاش	گھوڑوں کے یرمہ دار گجرے	زہر مہر پتھر
سفید کاغذ	پٹو کے چوغے	قبلہ نما	زعفران	سوزنی کپڑے
افتیمون (دوائی)	اخروٹ	لکڑی کے ڈبے	گل بنفشہ	دسوانے
زرد آلو کی گوند	شہد	فارسی کتابیں وغیرہ	بارتنگ کے بیج	چھوٹے گول چمڑے کے تھان
بید مشک کا عرق	کنہ گچھ	ڈوری کام والے پشمینہ کے اقسام	تماکو	غیر خالص مشک

وہ مال تجارت جو ہندوستان اور خراستان وغیرہ سے کشمیر میں آتا ہے

انگریزی بزازی	دیسی بزازی	زربفت، کمخواب	کتا ہوا سوت	کلابتون
جواہرات	بمبئی اور پہاڑی چائے	پنجابی نمک	سفید شکر	نبات
سرخ شکر	سیاہ قند	رنگوں کے مصالے	گندھک کا تیزاب	زنگاری رنگ کے مربے
گلناری مربا	دوائیوں کی قسمیں	لاکھ	انگریزی بساطی کی اشیاء	چینی برتن
مس	قلعی	کانسی	مس کے برتن	کانسی کے برتن
جست (دھات)	سیسہ	ولایتی لوہا	چینی پیالے	کابلی میوے
پشاوری نسوار	چنا	ولایتی گھوڑے	پشاوری پاپوش	پشاوری ٹاٹ
کریانہ	تلوں کا تیل	ہندوستانی پودے	مجیٹھ	مختلف سکوں کے روپے

ملتانی قالین	گجراتی برتن	سونا اور چاندی	پنڈی کے کمبل	انار دانہ
سونے کا برادہ	منقے	چائے دانیاں	مرجان	رنگین ریشم
بھیڑ کا اُون	انگور دانہ	صاف کی ہوئی روئی	افیون	چھوٹے کابلی شال
کابلی دوھسے	نگینے	جونکیں	منیاری	خام اور پختہ چمڑا
کتابیں	قندہاری تمباکو	عطر	فرشی نمدے	ایرانی اور پشاوری قلم
زری پاپوش	پوستینیں	کھجور	چینی لکڑی	بارود
ہینگ	پھٹکری	کوڑیاں		

وہ تجارتی مال جو یارقند اور لداخ اور لاسہ سے کشمیر میں آتا ہے

شالوں کی اُون	توسہ کی اُون	سادہ پشمینہ فردیں	پشمینہ پٹو	یارقندی نمدے
خطا کے کپڑے	یارقندی گھوڑے	گلدار چینی کپڑے	خطا کا بادیانہ	چینی پیالے
سبز چائے	سیاہ چائے	چینی میرہ (دوائی)	چینی ریوند (مسہل دوائی)	یارقندی اور تبتی کاٹن زین

چرس	گندھک	نافہ	فیروزہ	ترکچور (دوائی)
چاندی کی ٹکیاں	سنگِ یشب	چاندی کی نلیاں	زہرمہرہ	سہاگہ
بلور	لاجورد	یشم (یشب) کے برتن	کورہ ابریشم	یارقندی ٹوپیاں
گائے کے پھندے	طلای سلطانی	تخم انگور	پرزدار موٹا کپڑا	یارقندی قالین
یارقندی دستانے	شنگرف	تبّتی نمک		

کشمیر کا وہ مال تجارت جولداخ اور یارقند کو جاتا ہے

خالص زعفران	زعفران کا زردہ	ہر قسم کی بزازی	تماکو	سفید کھانڈ
قند اور نبات	سیاہ قند	سرخ شکر	سیاہ زیرہ	کریانہ (۲)
کشمیری اور پشاوری نسوار	پیتل	آبی جانوروں کی کھالیں	گھوڑوں کے یرمہ دار کن پٹ	اسلحہ کی قسمیں
رنگین پٹو	پست قد گھوڑے	چکن کام والے تھان	زربفت اور کمخواب	جورابیں

تیل سیاہ	روغن زرد	شہد	عطاری کی ادویات	تل کا تیل
تیل سیاہ	مس کے برتن	پاپوش	گائیں	

وہ تجارتی اشیا جو اسکردو سے کشمیر میں آتی ہیں

خشک کشمش	سیاہ زیرہ	سادہ شال فردیں	گل سنجد	خشک تُوت

یادداشتیں

(۱) یعنی فربہ ٹٹو پست قد جو زمین کے نزدیک ہو (توزک جہانگیری جلد ۲/ص ۳۰۶/مطوبہ نولکشور پریس۔لکھنو)

(۲) کشمیری لفظ ہے یعنی مصالحہ جو کھانے میں استعمال ہوتا ہے۔

کشمیر کے پشمینہ کی قسمیں

کشمیر میں جو پشمینہ بنتا ہے اسکی قسمیں یہ ہیں:

کانی پشمینہ (۱):

کانی جورہ، کانی قصابہ، کانی رومال، شاہ پسند، جاموار، حاشیہ۔

عملی کار پشمینہ:

قصابہ، رومال، گلوبند، پٹکہ، دوشال، چوغہ، انگرکہ، کمر بند، سینہ بند، لنگوٹہ۔

پشمینہ چکنی:

جورہ عملی دور، جورہ کناری دار، جورہ حاشیہ دار، دستار، دوپٹہ، سفید الوان، خودرنگ اور سفید توسہ۔

پشمینہ داوٗ کار:

قصابہ، میز پوش، چوغہ، کرتی، واسکٹ، گلوبند، ٹوپیاں، رومال۔

یادداشتیں

(۱) ڈاکٹر صوفی کے بقول شال کی قسموں میں سے کل دو ہی قسمیں اہم رہی ہیں: کانی اور عملی کار۔ پہلی قسم بنا ہوا پشمینہ تھا کشیدہ کاری کے بغیر کپڑوں کی طرح اور دوسری قسم کشیدہ کاری کے ساتھ۔ عملی کار اوسطاً ایک سال کے عرصے میں پورا ہوتا تھا۔ پنڈت آنند کول کی تحقیق کے مطابق سعید بابا نامی ایک شخص تھا کشمیر کے حاکم آزاد خان کے عہد میں (۱۷۸۳ء تا ۱۷۸۵ء)۔ کہتے ہیں یہ صنعت اسی سعید بابا نے سفید کپڑے پر چڑیا کے پاؤں کے نقش کے داغ دیکھ کر ایجاد کی۔ سعید بابا نے دل میں سوچا کہ یہ داغ اگر یوں ہی رہے تو کپڑا خراب ہو جائے گا اس لئے اس نے داغ کو کشیدہ کاری سے چھپا دیا اور کامیاب ہوا (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۱۹)۔

کشمیر کے لوگوں کی قومیں

مسلمان فرقے کے قبیلے

کشمیر میں رہنے والے مسلمان اپنے نسب کے مراتب کو محفوظ رکھنے کی طرف کوئی زیادہ دھیان نہیں دیتے ہیں اور اپنے شجرۂ نسب کو مکمل کرنے کا بھی کوئی خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ اس ملک میں شرافت اور کمینہ پن کا نہ کوئی اعتبار ہے اور نہ ہی استحکام۔ اسلئے کہ بعض امور کے واقع ہو جانے سے شریفوں کی شرافت خود بخود مٹ جاتی ہے اور بعض امور کی وجہ سے کمینگی کا نقص شرافت میں بدل جاتا ہے۔ اور اس کی چند وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ:

اگر کسی شخص کے پاس اتفاقاً حسب تقدیر ایک دو پشتوں تک مال و دولت اور جاہ وحشمت جاری رہے تو اس ملک کے لوگ اسے شریف سمجھتے ہیں اور گردش آسمان کے سبب کسی شریف قوم کے آدمی کے پاس مال و دولت اور جاہ وحشمت نہ رہے اور مسکین و غریب ہو کر رہ جائے تو اسے نیچ جانتے ہیں۔ اس لئے کشمیر میں لوگوں کی شرافت مال و دولت کے ساتھ مربوط ہے اور رذالت مسکینی اور ذلالت کے ساتھ۔

دوسری وجہ:

اگر شریف لوگوں میں سے کوئی شخص اپنی معیشت کے لئے کوئی ہنر مثلاً نجاری،

گلکاری اور روئی صاف کرنے کا کام سیکھے تو اسی وقت اسکی شرافت مٹ جاتی ہے اور اگر کوئی کمینہ شخص شریفوں کے عمل میں مثلاً علم پڑھنے میں اور نیک اعمال کے اختیار کرنے میں شریک ہو جائے تو اسے شریف مانا جاتا ہے۔

تیسری وجہ:

بعض نیچ قوم کے لوگ مثلاً ڈوم اور ہانجی وغیرہ اپنے حق میں کسب شرافت کیلئے شریف قوموں میں مل جاتے ہیں اور خود کو سید یا خان یا گنائی یا شیخ کے خطاب سے نامزد کرتے ہیں۔ اس طرح سے دو ایک پشتوں کی مدت میں ان کی اصلی کمینگی مٹ جاتی ہے اور وہ نقلی شراف حاصل کرتے ہیں۔

چوتھی وجہ:

اگلے زمانے میں کشمیر کے شوخ مزاج لوگ ہر شخص کے حق میں خواہ وہ خاص قوم کا ہو یا عام قوم کا، اسکی اصلی حیثیت و کیفیت اور اس کے ذاتی عیب و ہنر کے مطابق ایک طرح کا لقب مقرر کرتے تھے اور اس لقب کو کشمیری زبان میں ریڑھ (ا) کہتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کو ان کی سخت مزاجی کے سبب سہہ یعنی شیر اور ہاپت یعنی ریچھ اور سور کہتے تھے۔

بعض لوگوں کو پست فطرت ہونے کے باعث داند یعنی بیل اور ھونڈ یعنی دنبہ اور کوکر یعنی مرغا کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کو کسی عیب و ہنر کے پیش نظر یا کوئی برے یا اچھے کام کے سبب کوئی لقب دیتے تھے۔ مثلاً کوئی اگر چوری کا کام کرتا تو اسے ژور یعنی چور کہتے تھے اور کوئی صاحب نماز ہوتا تو اسے نیا ز (نمازی) کہتے۔ اور اگر کوئی پاپوش پہنتا تو اسے

پاز اری کہتے تھے۔ اور اگر کوئی بڑی سی پگڑی سر پر باندھتا تو اسے دستاری کہتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص اتفاق سے کسی اچھے برے فعل کا مرتکب ہوتا تو اسے اسی نام سے نامزد کرتے تھے۔

غرض کہ جانوروں، چرندوں، پرندوں، کیڑوں، وحشی چوپایوں اور حیوانوں، عیب و ہنر کے لفظوں، نیک و بد اور شائستہ و ناشائستہ کاموں میں سے کوئی بھی نام باقی نہیں رہا ہے جس سے یہاں کے لوگوں کو نامزد نہ کیا جارہا ہو۔ اور ریشہ کے لفظ کا جو بھی نام مقرر کیا گیا وہ نام اس شخص یا اس قوم قبیلے میں ہمیشہ کیلئے باقی رہ گیا اور ان کے قبیلوں کا اپنا اصلی لقب مٹ کر نابود ہو گیا۔ اس لئے کشمیر کے لوگوں کی شرافت و رذالت اصلاً نایاب ہے اور محققین ان کی اسالت میں کوئی تحقیق نہیں کر پاتے۔ البتہ دہقانوں اور زمینداروں کے قوم قبیلے کے نام باقی ہیں۔

پانچویں وجہ:

کشمیر کے بعض لوگ خود کو ان کے اپنے اصلی وطن کے نام سے یاد کرتے ہیں جیسے پکھلی وال، کاوسہ، اشہ بری وغیرہ۔ اس وجہ سے ان کی اصلی قوم معلوم نہیں ہو جاتی۔

چھٹی وجہ:

کشمیر کی مسلمان قوموں میں حادثات زمانہ کی کثرت کے سبب بہت سے تغیرات و انقلابات واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ سادات قوم کی ایک کثیر جماعت گردش کے ہاتھوں مجبور ولاچار ہو کر زمینداری کے کام میں لگ چکے ہیں اور فی الحال سیادت کا نام ان سے اٹھ کر

زمینداروں کی قوم میں مل گیا ہے اور زمینداروں کے ساتھ رشتہ و قرابت پیدا کرتے ہیں۔ غرض اس طرح کے واقعات کے واقع ہونے سے ملک کشمیر کی اقوام کی کوئی حیثیت اور کیفیت باقی نہیں رہ گئی ہے۔

اب ہم زمینداروں اور شہر باشوں کی ان قوموں کی تفصیل بیان کریں گے جو ابھی تک اپنی شرافت میں باقی ہیں۔ وضاحت کیلئے چار زمانے قابل یادگار ہیں۔ پہلا، سابق ہندو راجاؤں کا زمانہ، دوسرا کشمیر کے سلاطین کا زمانہ، تیسرا چغتائی بادشاہوں کا زمانہ اور چوتھا افغان بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ۔

اب جان لینا چاہئے کہ ہندوستان کی قوموں کی طرح کشمیر کے لوگوں کے اقوام میں چار قومیں نظر آتی ہیں: سید، مغل، پٹھان اور شیخ۔ لیکن زمانے کی گردش انقلاب کی وجہ سے کشمیر کی ان اقوام سے ایک اور قوم کی شاخ نکلی ہے جنہیں طایفہ دار کہتے ہیں اور یہ پیشہ وروں اور ہنرمندوں کی قوم ہے۔

سادات فرقے کے قبائل

اس ملک کے سادات کی جماعت سلاطین کشمیر کے عہد امیر تیمور کی ضعف و سستی کی وجہ سے اور بعض سلاطین کی طرف سے قدردانی کئے جانے کی وجہ سے، اس ملک میں آکر ساکن ہو گئے اور ان کا شجرۂ نسب ابھی تک ٹھیک سے چل رہا ہے اور موجودہ حالت میں جو بھی کوئی شیخیت اور پیر مریدی کے طریقے پر قائم رہا ہے اسکی سیادت اور شرافت معتبر ہے۔ اور جو کوئی دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا اس کی سیادت پر کچھ زیادہ اعتبار نہیں ہے۔

اس وقت عالی مرتبہ سادات کی جماعت سے آٹھ قومیں یادگار ہیں:

۱) سادات قادریہ جو حضرت محبوب سبحانیؒ (۲) کی اولاد میں سے ہیں۔

۲) سادات نقشبندیہ جو حضرت خواجہ خاوند محمودؒ (۳) کی اولاد میں سے ہیں۔

۳) سادات اندرابیہ جو میر میرک اندرابیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔

۴) سادات منطق و بیہقی جو سید تاج الدینؒ کے فرزند سید حسین بیہقیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔

۵) سادات دہ بیدی۔

۶) سادگت دواریکی جو سید داودؒ کی ذریات سے ہیں۔

۷) سادات ہمدانیہ جو حضرت امیر کبیر قدس سرہ کے چچا سید تاج الدین کی اولاد میں سے ہیں۔

۸) سادات متفرقہ جو دوسرے ممالک سے آکر یہاں سکونت کر رہے ہیں اور جن میں سے بعض زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

اس زمانے میں بعض جاہل لوگ شرافت کے حصول کیلئے سیادت کا دعویٰ ثابت کر رہے ہیں اور نسب نامہ بنا رہے ہیں۔ امتیازات کے اٹھ جانے کے سبب کوئی ان سے باز پرس نہیں کرتا۔

مغل فرقے کے قبائل

اس طائفے کے لوگ سلاطین کشمیر کے زمانے میں خراسان اور ترکستان سے اس

ملک میں آ گئے اور سکونت اختیار کرلی۔

میر قوم:

میر کا لفظ دراصل میرزا ہے جسے لوگوں نے ذرا کاٹ دیا اور میرزا سے میر کر دیا۔ چنانچہ اب میرزا کو میر کہتے ہیں اور سادات و مغلوں میں میر کا لقب مشہور ہو گیا۔ فرق اتنا ہے کہ سادات کے لئے میر کا لقب پہلے آتا ہے جیسے میر مبارک اور میر مقبول وغیرہ اور مغلوں کے لئے بعد میں جیسے عزیز میر اور غفار میر۔ لیکن بعض مغلوں کے لئے تعظیم کی وجہ سے میر کا نام پہلے لاتے ہیں جیسے میر نازک قادری۔

بیگ قوم:

چغتائی زمانے کے بادشاہوں کی یادگار قوم سلاطین کشمیر کے عہد میں یہاں آئی اور ان میں سے اکثر لوگ عالی مرتب رئیس اور منصبدار تھے۔ اب ان کی اولاد نے پیشہ وری اور چاکری اختیار کر رکھی ہے اور ان کی شرافت رذالت میں بدل گئی ہے۔

اشائی قوم:

سلاطین کشمیر کے زمانے میں یہاں آئی ہے۔ کہتے ہیں ان کا جد خراسان کے مقامات سے عیشاور نامی ایک گاؤں سے آکر سلطان بڈشاہ کی مصاحبت سے سرفراز ہوا تھا۔ اب کشمیر کے لوگوں نے عیشاور کو اشائی سے مخفف کر دیا ہے۔

بانڈے قوم:

چغتائی بادشاہوں کے زمانے میں ترکستان سے آکر صاحب ثروت وحکومت رہے ہیں اور کشمیر میں ہی سکونت اختیار کر کے بنڈ پورہ گاؤں کو جاگیر کے طور پر پایا جس کی وجہ سے انہیں بانڈے کہتے ہیں۔

بچھ قوم:

سلاطین کشمیر کے عہد میں ان کا جد ترکستان سے آیا اور کشمیر کا ایک گاؤں بچھ پورہ جاگیر میں پایا اور اسی جگہ سکونت اختیار کر لی۔ اسی وجہ سے اس قوم کو بچھ کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔(۴)

گانی قوم:

کہتے ہیں ان کا جد گورگان سے آکر یہاں ساکن ہوا تھا۔ اس وجہ سے کشمیر کے لوگوں نے گورگان کو ذرا کاٹ کران کا نام گانی رکھ دیا۔

کنٹ قوم:

کہتے ہیں ان کا جد خواجہ حسین کابلی اکبر بادشاہ کے عہد میں ناگرنگر قلعہ کا تعمیر باشی تھا۔ قلعہ کا ملاخط کرنے کے موقع پر بادشاہ نے ایک عدد کنٹھ نامی مشہور زیور کو خلعت شاہی میں شامل کر کے اسے عطا کیا۔ اس وجہ سے اسے کنٹھ کہا گیا۔

پٹھان فرقہ:

افغان بادشاہوں کے زمانے میں اکثر پٹھان لوگ کابلستان سے آکر کشمیر میں سکونت پذیر ہوگئے۔ ان کے کل دو فرقے یہاں پر موجود ہیں ایک خان اور دوسرا خیبری۔ لیکن خان لقب کا اس ملک میں کوئی اعتبار نہیں رہا کیونکہ اکثر ڈوم اور ہانجی لوگ جو ملازم پیشہ ہیں یا نسوار فروشی کیلئے پشاور اور کابل میں آتے جاتے ہیں اپنے اُوپر خان کا خطاب اختیار کرتے ہیں۔

شیخ قوم کے قبایل (۵)

کشمیر کے اصلی باشندے جو سلاطین کشمیر کے زمانے میں مسلمان ہوئے سب شیخ کہلاتے ہیں۔ اور یہ بڑی وسیع قوم ہے کیونکہ سب طایفہ دار قومیں اسی فرقے کی شاخیں ہیں۔

پیرزادہ قوم:

تمام شیخ قوموں میں سے پیرزادہ اولین فرقہ ہے۔ اس لئے کہ ان کے اسلاف نے اسلام قبول کرنے کے بعد خداپرستی اختیار کی اور لوگوں کو مرید اور معتقد بنالیا۔ ان کی اولاد آج تک پشت در پشت صلاح وتقویٰ اور اعمال صالحہ پر کاربند رہ کر پیر مریدی کا شیوہ اختیار کئے ہوئے ہیں یا مقامات اور زیارتوں کی تولیت پر مسلط ہیں اور صلاح وتقویٰ کا مظاہرہ کرنے کے موقع پر سادات کے ساتھ خویشی وقرابت کو جائز جانتے ہیں اور ان کے

ساتھ زانو بہ زانو بیٹھتے ہیں۔ اور جو پیر مریدی کے طریق کار کو چھوڑ کر کوئی دوسرے کام کرنے لگ جاتے ہیں وہ اپنی حیثیت میں باقی نہیں رہتے۔

بابا یا شاہ قوم:

یہ کوئی ذاتی قبیلہ نہیں بلکہ ایک فرعی قبیلہ ہے یعنی جو کوئی اچھے اعمال اور نیک کاموں کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہو جاتے اسے بابا یا شاہ کہتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی اولاد اور ذریات کو بھی اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اب سے پہلے پیرزادوں کو بھی لوگ بابا کہتے تھے اور اب پیرزادہ کو شاہ کہنے کا رواج ہو گیا ہے۔ دراصل شاہ ایک عام لقب ہے یعنی جس کسی نے اپنے اندر ذرا سی ظاہری یا باطنی قوت پیدا کر لی وہ شاہ کہلاتا ہے۔

ملا یا مولوی قوم:

یہ بھی ایک فرضی لقب ہے۔ یعنی جو کوئی علم معقول اور منقول میں کمال حاصل کرتا ہے اسے ملا یا مولوی کہتے ہیں اور اس ملک میں چند عالی قدر خاندان ایسے تھے جنہیں پشت در پشت مولوی کہتے تھے۔ اب فقط مولوی ابوالخیر کا خاندان موجود ہے جس میں ہمیشہ علم کا سورج چمکتا رہا ہے۔

ملہ قوم:

چار طائفوں پر ایک فرضی لقب مقرر کر دیا گیا ہے۔ ایک مسجد کے ملاّ پر جو شہر اور

گاؤں میں ہمیشہ مسجد میں امامت کیا کرتے ہیں اور بچوں کو پڑھاتے ہیں اور لوگوں کے نذرات اور خیرات پر گذر بسر کرتے ہیں۔ دوسرے گورکن لوگ جو مردوں کو دفن کرتے ہیں۔ تیسرے غسال جو میت کو غسل دیتے ہیں۔ چوتھے، زمینداروں کا ایک قبیلہ مشہور ہے اور جو اصلی ہیں۔(٦)

اب ہم زمینداروں کی تفصیل بتائیں گے جن کا اصلی لقب ابھی موجود ہے۔ ماگرے، ڈانگر، نیایک، تانترے، ڈامر یعنی ڈار، بٹ، لون (٧) اور راتھر۔ یہ آٹھ قومیں راجاؤں کے زمانے میں جنگی تیر وتلوار کے مالک اور پہلوان اور غالباً کھتری قوم سے تھیں۔ انہوں نے اکثر بار بغاوت وفساد برپا کر کے نظام مملکت کو درہم برہم کر دیا۔ چنانچہ قدیم تاریخوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اور سلاطین کشمیر کے زمانے میں مسلمان ہو گئے اور ان کے قبیلوں میں قدیم لقب باقی رہا۔ ان کی سرشت میں وہ ذاتی برائی ابھی بھی موجود ہے اور ان کے بعض بزرگ چغتائی عہد تک ملک کے رئیس اور صاحب حکومت رہے ہیں جسکی تفصیل تاریخوں میں آئی ہے۔

رینہ قوم:

دو جماعتیں ہیں۔ ایک برہمن قوم سے ہے جنہیں راز دان بھی کہتے ہیں۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے قدیم رینہ لقب اپنے لئے باقی رکھا۔ دوسری جماعت چندر بنسی راجپوت راجاؤں کے قبیلے سے ہے جن کا جد راجہ سوسرم چندر سال ۵۰۰ھ (٨) کے اوائل میں نگر کوٹ سے یہاں آ کر سال ۷۲۵ھ (٩) تک سپہ سالاری اور وزارت عظمیٰ کے عہدوں پر فائز رہے۔ اس کے بعد راون چندر مسلمان ہو کر رینہ کے خطاب یعنی وزارت عظمیٰ کے

عہدہ سے سرفراز ہوا۔ چنانچہ اس کی اولاد اکبر بادشاہ کے زمانے تک ریاست اور وزارت عظمیٰ کے عہدوں پر قائم تھی۔ یہ کہنا کہ لون قوم رینہ کے خطاب کو اپنے ساتھ شامل کرتے ہیں غلط ہے۔ وہ ایک الگ قبیلہ ہے۔

پنڈت:

برہمن قوم سے صاحب شرافت اور قدر و منزلت والے ہیں۔ قدیم لقب باقی رہا ہے۔

کول قوم:

دتاتری رکھی برہمن کی اولاد سے ہے۔ قدیم لقب باقی رکھا ہے۔ البتہ پتو، مانتو (۱۰) ٹھکر، پرے، وانی، یرہ، پڈر، ترے، کنبی، مسلہ، صوفی وغیرہ ہندوؤں کے زمانے میں شاید شودر یا کایت قوم سے زمیندار پیشہ تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی ان ہی ناموں سے مشہور تھے۔ تواریخ میں ان کا ذکر کسی جگہ نہیں ملا۔ فقط ملک احمد یتو، سیدہ مانتو اور جہانگیر پڈر سلاطین کے زمانے میں رئیس گذرے ہیں۔

چک قوم:

ان کا جد نسگر چک داردو (۱۱) سے آیا تھا۔ سلاطین کے عہد میں اس کی اولاد دودھ پلانے اور پھر وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز تھی۔ سال ۹۶۰ھ (۱۲) میں باغی ہو کر ۳۵/

سال تک حکومت کی۔

ملک قوم:

کوئی ذاتی قبیلہ نہیں بلکہ ایک شاہی خطاب ہے۔ چنانچہ سلاطین کشمیر کے زمانے میں سب ہی رئیسوں، مصاحبوں، جاگیرداروں اور فوج کے افسروں کا خطاب ملک رہا ہے اور ہندوستان وترکستان کی راہوں کے محافظین بھی اسی لقب کے حامل تھے۔ اصل میں ملکوں کا قبیلہ سب ہی شیخ قبیلہ کے ہیں۔ اس زمانے میں ڈوم خود کو ملک کہتے ہیں۔

گنائی قوم:

کشمیری زبان میں منشی کو کہتے ہیں اور گنائی قبیلہ برہمن سے ایک نیک طبع اور مقتدر قبیلہ تھا۔ ان میں ہلمت گنائی نام کا ایک شخص مشہور زمانہ نیکوکار آدمی گذرا ہے۔ اس نے بھیڑوں کی قصابی کا کام اپنے ذمہ لیا۔ اب اسکی ذریات سب کے سب بھیڑوں کی قصابی کا کام کرتے ہیں اور طایفہ داروں کے حلقے میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ڈوم قوم، جو نہایت ہی نیچ قوم ہے، اپنے لئے گنائی لقب پسند کرتے ہیں۔ اس وجہ سے گنائی قبیلہ کا کوئی اعتبار نہیں رہا ہے۔ اب تو گنائی قوم کے لوگ خود کو گنائی کہنے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔

ریشی قوم:

کوئی ذاتی قوم نہیں۔ لیکن ہر وہ آدمی جو کشمیر کے ریشی کے مقبروں پر دو ایک پشتوں

تک مقیم رہا وہ ریشی کہلاتا ہے۔

طایفہ داروں کی قومیں

طایفہ داروں کی دو جماعتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی جماعت کے اہل حرفہ مثلاً نجاروں، گلکاروں، آہنگروں، کمہاروں، قصابوں، دباغوں، زرگروں، دھوبیوں، نانوائیوں اور شیر گوجریوں وغیرہ نے شرافت اور رذالت میں میانہ روی اختیار کی ہے۔ ہمیشہ اپنی ہی قوموں کے ساتھ رشتے باندھا کرتے ہیں اور بہت زیادہ بے شرمی اور بے حیائی روا نہیں رکھتے ہیں۔

دوسری جماعت یعنی ڈوم، گلبان، ہانجی، چوپان اور بکت قومیں تمام قوموں سے لوگوں میں نیچ ترین اور بدکردار قومیں ہیں۔

ڈوم قوم (۱۳):

کہتے ہیں کہ راجہ پرورسین نے ہندوستان پر تسلط پانے کے وقت ڈوم، چنڈال، ملیچ، سانسی اور میغ قوموں کو، جنہیں ہلاک کیا جاتا تھا، سڑکوں کی صفائی اور بار برداری کے کام میں اپنی پلٹن کے فوجی سفر کے لئے ملازم رکھا۔ جنگ وجدل کے ایام ختم ہونے کے بعد مذکورہ فوجی پلٹن کے ساتھ ہر ایک آدمی کو لوگوں کی جان و مال کی حفاظت اور حیوانوں کی نگہبانی کرنے کے لئے گاؤں گاؤں مقرر کیا اور ان کا کھانا پینا گھر گھر رابتہ کے طور پر متعین

کیا جیسا کہ آج تک معمول ہے۔ سکھ دور تک اگر کسی کا مال چوری ہو جاتا تو گاؤں کے ڈوم سے بطور تاوان وصول کیا جاتا تھا۔ غرض کہ اس ملک میں ان کی ذریات کی کثرت نے تسلط پیدا کر لیا ہے۔

سلاطین کشمیر کے عہد میں مسلمان ہو گئے اور مردہ خوری ترک کر دی اور مسلمان قوم کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہونے لگے۔ ان کے چہرے کی سیاہی اور دل کی ترگی ان کی ذاتی خصلت ہے۔ ہر کام میں مستعد اور چالاک ہوتے ہیں۔ فی الحال گائے، بیلوں کی پرورش، حکام کے احکام کو پہنچانے، شقداری، سزاولی، چوکیداری، سائنسی، خرمنوں کی حفاظت، توشہ خانے میں قسط لے جانے اور مکتوب الیہ تک مکاتیب پہنچانے کا کام ان کے ذمہ ہے۔

چوری میں، حرام خوری اور بے حیائی میں ممتاز ہیں اور حرام کاری اور زنا کرنے میں بے بدل۔ اب شرافت کیلئے بہت کوشاں ہیں اور اپنے اوپر شیخ، گنائی، خان اور ملہ وغیرہ القاب اختیار کر رہے ہیں۔

ہانجی قوم (۱۴):

مجازاً تین جماعتیں اس قوم میں۔ لیکن کمینہ پن، بد خصلتی، جہالت اور بد کلامی میں ممتاز ہیں اور فریب کاری، دغابازی اور مال خوری میں لاثانی۔

ان میں پہلی جماعت بہتر ہانجیوں کی ہے، جو بڑی کشتیوں میں غلہ اور ہیزم شہر کو لے جاتے ہیں۔ البتہ یہ فرقہ بے شرمی اور بے حیائی میں بہت زیادہ آگے نہیں بڑھتے۔ دوسری جماعت یعنی اولر جھیل کے ماہی گیر اور جھیل ڈل کے ہانجی وغیرہ مشہور ہیں۔ یہ بہتر

ہانجیوں کے مقابلے میں البتہ کمینہ پن اور جہالت میں زبردست جماعت ہے۔ تیسری جماعت ڈونگہ ہانجیوں کی ہے۔ یہ قوم دوسری قوموں کے مقابلے میں نہایت ہی بدخصلت قوم ہے۔ بے شرمی اور بے حیائی میں یکتا اور اپنی جوروں سے زنا کروانے اور دلالی کے کام میں بے مانند ہیں۔ رات دن بدکلامی اور گالیاں نکالنے میں ان کی زبان کھلی رہتی ہے۔ اپنی بیٹیوں کو فروخت کرنے اور ان سے زنا کروانے کے کام سے شرم نہیں کرتے۔ چنانچہ ڈوم اور ہانجی قوم کی بدکرداری اور بدچلنی کی وجہ سے اہل کشمیر ہمیشہ دنیا میں بدنام ہیں۔

گلبان قوم (۱۵):

بدخصلت قوم ہے۔ یہ زمینداروں کے گھوڑوں کو کاہ چرائی کے لئے سرد علاقوں میں لے جاتے ہیں۔ غارتگری اور رہزنی میں بڑے پھرتیلے ہیں۔

کرنیل میاں سنگھ نے اس قوم کی ناک اور کان کاٹنے اور ان کو قتل کرنے سے تنبیہ کی تھی۔ گلاب سنگھ نے گلبانوں کی تمام قوموں کو قید خانے میں زنجیریں ڈال کر بند کر دیا۔ رنبیر سنگھ نے عیال واطفال کے ہمراہ ان کو گلگت میں نظر بند رکھا جس سے لوگوں کو قدرے چین ملا۔

چوپان قوم (۱۶):

یہ لوگوں کے مویشیوں کو گھاس چرانے کی خاطر مرغزاروں میں لے جاتے ہیں۔ حرام خوری اور چوری میں گلبانوں کے شریک رہتے ہیں اور گلبان قوم سے رشتے باندھتے ہیں۔

بکت قوم:

معیشت کی خاطر ہر قوم کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اپنے بچوں کو ناچنا اور گانا بجانا سکھاتے ہیں۔ لونڈے بازی اور اغلام بازی کو عیب نہیں جانتے ہیں۔ اپنی ہی قوم سے رشتے باندھتے ہیں۔

کنجروں کی قوم:

کوئی ذاتی قوم نہیں۔ جو کوئی اس کام پر مصر رہا وہ اس قوم کا ہو گیا۔

پارہ دوز قوم:

اصل میں یہ لوگ چمار ہیں اور پنجاب سے آ کر یہاں ساکن ہو گئے ہیں۔ سلاطین کے عہد میں مسلمان ہو گئے اور مردہ خوری ترک کی۔

چوہر قوم:

یہ قوم بھی پنجاب سے آئی ہے۔ اگر چہ مسلمان ہو گئے ہیں لیکن ابھی بھی مردہ خور ہیں۔

یادداشتیں

(۱) حقارت سے لیا جانے والا نام۔

(۲) مراد ہے محبوب سبحان حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ جو سال ۵۶۱ھ (۱۱۶۱ء) میں واصل بحق ہوئے۔

(۳) ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء)۔

(۴) ویلی آف کشمیر کے مصنف لارنس کے خیال میں یہ پانچوں قومیں یعنی میر، بیگ، اشائی، بانڈے اور بچھ مغل ہیں۔

(۵) لارنس نے ان افغان قبیلوں کو جو کشمیر میں ساکن ہوئے کوکی خیل (آفریدیوں کی ایک شاخ)، یوسف زئی اور جوگوخیری (خٹک) لکھا ہے۔ خیبری یا آفریدی لوگ، جو درنگہامہ میں رہتے ہیں، ابھی تک اپنے قبیلے کی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ پشتو زبان بولتے ہیں اور آتے جاتے تیغ وخنجر ساتھ رکھتے ہیں۔ یوسف زئی لوگ حمل گاؤں میں رہتے ہیں اور سواتی اور بنیری لوگ بیروہ کے دیہات کے اطراف کو آباد کئے ہوئے ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی سرحدوں کی حفاظت کیلئے بہت سے افغانوں کو افغانستان اور پشاور سے بلوا کر کشمیر میں آباد کیا۔ مجھی پورہ کے افغان کشمیریوں کے ساتھ عقد مواصلت کی بنا پر قدیم باشندوں میں مدغم ہوگئے ہیں اور اس وجہ سے اپنی اصلیت کو بھول چکے ہیں (ویلی آف کشمیر ص ۳۰۹)۔

(۶) بقول لارنس بہت سے ملاحوں اور ڈوم قوم نے بھی ملہ لقب اختیار کر رکھا ہے۔ ان کے خیال یہ لفظ عربی ملاح کی بگڑی ہوئی صورت ہے جسے پنجاب میں کشتی بان کہتے ہیں (ویلی آف کشمیر ص ۳۰۸)۔

(۷) لارنس نے ولن قبیلے کو ویش اور ڈامر قبیلے کو شودر قوم (ہندوؤں میں نیچ ترین لوگ) میں شمار کیا ہے (ایضاً ص ۳۰۶) کسان لوگوں کا کہنا ہے کہ لون چیلاس سے آئے ہیں (ایضاً ص ۳۰۷ حاشیہ ۲)۔

(۸) ۱۶۱۰ء کے مطابق۔

(۹) مطابق ۱۳۲۴ھ۔

(۱۰) بعضوں کا کہنا ہے کہ یتو اور ٹھکر کشتواڑ سے آئے ہیں (ویلی آف کشمیر ص ۳۰۶)۔ اکثر مسلمانوں کی یہی رائے ہے کہ پنڈت، کول، بٹ، ایتو، ریشی اور مانتو قبیلے کے لوگوں کی اصل برہمن ہے (ایضاً مذکورہ صفحہ)۔

(۱۱) چیلاس (ایضاً ص ۳۰۸)۔

(۱۲) ۱۵۵۲ء۔

(۱۳) بعضوں کا کہنا ہے کہ ڈوم قوم میں چک قوم کی قدیم اولاد ہیں (حاشیہ ویلی آف کشمیر ص ۳۱۱)۔

(۱۴) کشمیر کے ملاح اہم ترین قوموں میں سے ہیں۔ اگرچہ ان کی اصلیت کے بارے میں صحیح اطلاع پانے کا امکان نہیں ہے لیکن ان کے دعویٰ کے پیش نظر، جو تاریخ کے لحاظ سے بہت قدیم ہے، کہا جاسکتا ہے کہ راجہ پربت سین اس قوم کو سنگدیپ سے لے آیا تھا۔ ہانجی دراصل ویش قوم سے ہیں اور جو کوئی ان سے ناو چلانے میں نااہل ہوتا ہے اسے یہ شودر ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ پوچھنے پر ہانجی لوگ خود کو کسی نہ کسی نوع سے منسوب کرتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جیسا کہ ان کے نمائندے سے معلوم ہوا، ہانجی لوگ دراصل چوپان تھے۔ لارنس کے بقول ہانجیوں کے طبقے میں ایک باپ اپنے اہل وعیال میں بڑا درجہ رکھتا ہے۔ مرد اور اولاد اپنی کمائی باپ کو دیتے ہیں اور وہ جس طرح چاہے اپنے عیال پر صرف کرتا ہے۔ ہانجی کا بیٹا جب تک نہ اسے باپ اجازت دے شادی نہیں کرتا۔ لارنس نے ہانجیوں کو ان طایفوں میں بانٹ دیا ہے (۱) ڈنبہ ہانز۔ یہ لوگ جھیل ڈل میں ناو چلاتے ہیں اور وہاں سبزی کی کاشت بھی کرتے ہیں (۲)۔ گاری ہانز۔ یہ لوگ ولر جھیل میں سنگھارے نکالتے ہیں۔ یہ دونوں طایفے ہانجیوں میں اپنا سر بلند رکھتے ہیں (۳)۔ بہت کے ملاح (۴) ڈنگہ ہانز۔ جو بیٹیوں کو فروخت کرنے اور دوسرے ناشائستہ کام کرنے سے نہیں شرماتے۔ ان میں بدترین لوگ نالہ مار کے ملاح ہیں جو مار ہانز کے نام سے مشہور ہیں (۵) ہاک ہانز یہ طایفہ دریاؤں میں شہتیر رانی کا کام کرتے ہیں (۶) گاڈہانز یعنی مچھلی پکڑنے والے ملاح۔ ان کی عورتیں بدزبانی اور گالیاں نکالنے میں بڑی مشہور ہیں (ویلی آف کشمیر، ص ۳۱۳۔۳۱۴)۔

(۱۵) لارنس گلبانوں کی اصل کو ڈوم خیال کرتا ہے (ویلی آف کشمیر ص ۳۱۲)۔

(۱۶) کشمیری میں پھوَل (ایضاً مذکورہ صفحہ)۔

کشمیر کے مذاہب

اس وقت ملک کشمیر کے باشندے کل تین فرقوں کے ہیں۔ ہندو، مسلمان اور سکھ۔ ان تینوں فرقوں کا ہم ترتیب کے ساتھ ذکر کریں گے۔

ہندوؤں کا مذہب

قدیم مورخ کشمیر کے ملک کو ابتدا سے ہی آریہ ورت (۱) میں شامل ایک ملک جانتے ہیں۔ چنانچہ پہلے زمانے میں اس ملک میں مذہب آریایوں کا مذہب تھا بلکہ بعض لوگ سانپو (۲) کی پرستش کرتے تھے۔ پھر بڑے بڑے رکھشیر وں کی تعلیم و تربیت کرنے سے شو (۳) مذہب رائج ہو۔ البتہ چار ورن (۴) مقرر کئے گئے۔ ایک برہمن، دوسرا کھتری، تیسرا ویش اور چوتھا شودر۔ ان میں سے برہمن لوگ صحرائی کاسنی وغیرہ سبزیاں کھانے اور حقیر کھانے اور حقیر سے کپڑے پہن کر سخت ریاضتوں سے اور لذتوں اور شہوتوں کو ترک کر کے اچھے اخلاق والے اور شہرت یافتہ ہو چکے تھے۔ اس کے بعد مشیت ایزدی سے سال ۵۰۰ بکرمی سے قبل ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں اودھ ملک کے اندر ایک راجا پیدا ہوا جس کا نام تھا کپل وست اور اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام شاک منی تھا اور اس نے جوانی کے آغاز سے ہی حکمرانی کو خیر باد کر کے شہوانی لذتوں سے کنارہ کشی کی اور مرتاض برہمنوں کی تعلیم و تلقین سے فوراً ہی کمال کا درجہ پا کر خود کو بودھ یعنی خداشناس عارف کا نام دیا اور کچھ

عرصہ بعد اپنے ذاتی جوش و جذبے کی بنا پر ایک نئے مذہب یعنی بدھ مذہب کا اختراع کر کے ایک عقیدہ ایجاد کیا کہ بنی نوع انسان کی تخلیق فی الحقیقت ایک ہی ہے اور ایک دوسرے سے یہ مادہ ذاتی میں کوئی فرق نہیں رکھتے ہیں۔

پس انسانی نجات اسی میں ہے کہ مخلوق ایک دوسرے کو یکساں جان کر شہوانی لذتوں، ہوا و ہوس اور نفسانی خواہش سے پرہیز کر کے صداقت و پاکیزگی اور خلوص و یگانگت پر پائیدار رہ کر تمام مخلوق کے بارے میں خیر و صلاح کے خواہش منداور مہربان و نیک اندیش بن کر خود کو نروان یعنی فنافی اللہ کے اہل جان لیں۔ اسی طرح سے اس نے اپنے شاگردوں کو شائستہ تعلیمات سے آراستہ کر کے ان میں سے ہر ایک کو اس مذہب کی اشاعت کے لئے اطراف و اکناف میں بھیج دیا۔ بہار اور مگدھ دیش (۵) کے لوگوں کو اپنی زندگی میں ہی اس مذہب کا فرمان بردار بنا دیا اور سال ۲۰۸ بکرمی سے پہلے راجہ اشوک نے ہندوستان کی حکومت کا تاج سر پر رکھ کر بدھ مذہب اختیار کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ہندوستان، برما، چین اور خطا کے باشندوں کو اس مذہب کا مطیع و فرمانبردار کیا۔ اسی زمانے میں کشمیر کے راجا نے، جو اشوک کا ہمنام (۶) تھا، اپنے لئے بدھ مذہب پسند کر لیا اور اس کی پیروی میں کشمیر کے لوگوں نے بھی یہی مذہب اختیار کیا اور اس کے آئین و رسوم رائج کئے۔ اس کے بعد شاکھ سہم اور ناگ سین نے، جو بدھ مذہب کے فضلا میں سے تھے، یہاں اس مذہب کی بڑی خوبی کے ساتھ ترویج کی۔

کچھ عرصے کے بعد چندر راچارج نے بودھ عالموں کے ساتھ بحث و مناظرہ کر کے شو مذہب کو ترقی دی۔ پھر اس کے بعد شنکر اچارج نے، جو ایک مرتاض فقیر تھا، بدھ عالموں کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کر کے لوگوں کو نصیحتوں کی راہ سے ہدایت کر کے

ہندوستان اور کشمیر میں شو مذہب کو رواج دیا۔

پھر اس کے بعد وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر میں مختلف مذاہب آئے جس کے نتیجے میں بعض ناگ پرست، بعض آفتاب پرست، بعض آتش پرست اور بعض دیوتا پرست ہو گئے اور برہمن فرقے میں سے کچھ کم ہی لوگ خدا پرستی پر قائم ہے۔

سال ۷۲۴ھ (۷) میں ذوالقدر خان کے واقعہ کے دوران کشمیر کے تمام باشندے لقمہ تیغ ہو گئے اور شہر کے اندر کل گیارہ آدمی زندہ بچ گئے، جو مختلف مذاہب کے تھے۔ جو لوگ پہاڑوں کی کمین گاہوں میں جا کر چھپ گئے تھے وہ لوٹ آئے اور انہوں نے دیہات کے اطراف میں سکونت اختیار کی۔ حکومت کے عدم انتظام، حوادث کی کثرت اور سختیوں کے ہجوم کی وجہ سے ہر کوئی اپنے مذہب وملت سے عاری ہو کر حیوان مانند ہو چکا تھا۔ ان ہی ایام میں رینچن شاہ نے دین اسلام کا طوق اپنے لئے زیب گردن بنا کر چار و نا چار یہاں کی اکثریت کو دین محمدیؐ کے مضبوط قلعہ میں لے آیا۔

پھر اس کے بعد سلطان سکندر بت شکن (۸) نے غلبگی کی علم لہرائی اور ہر جگہ بتوں کو توڑ کر اکثر ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ لیکن بعض برہمن لوگوں، جو اطراف واکناف میں گوشہ گیر اور خلوت نشین ہوئے تھے، حادثات ومصائب کو تحمل کر کے اپنے مذہب پر قائم رہے اور اپنی عقیدت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ چنانچہ سلطان زین العابدین نے اپنی حکومت کے عہد میں برہمن فرقہ پر احسانات اور مہربانیوں کی کثرت سے نوازشیں کیں اور برہمن فرقے نے فارسی علم وادب سیکھنے کی طرف توجہ مبذول کر کے ملکی کاروبار میں دخالت کرنے کی اہلیت پیدا کی اور کچھ لوگ سنسکرت علم پڑھنے میں ہی لگے رہے۔ اور اس وقت عام ہندو فرقہ پیر ومرشد، رہنما اور مفتیوں کی مانند ہیں۔

بڈشاہ کی خیر اندیشی کی شہرت کی وجہ سے یہاں کے بہت سے مفرور اور ہندوستان کے برہمن، جو تبرک جان کر یہاں کی سکونت اختیار کرنے کے خواہش مند تھے، لوٹ کر یہاں آگئے اور یہیں سکونت کی۔ ذوالقدر خان کے واقعہ کے سبب چونکہ یہاں کے ملل و مذاہب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ تب سے ہندو فرقہ یعنی برہمن، ویش اور شودر اس ملک میں رہ رہے ہیں۔

اگر چہ یہاں کے برہمن ایک ہی فرقہ کے ہیں لیکن مجازاً دو فرقے مانے جاتے ہیں۔ ایک ملماسی یعنی اس ملک کے پرانے باشدے اور دوسرے بانہ ماسی یعنی دوسرے اطراف سے نئے آئے ہوئے۔ ان دونوں فرقوں میں صرف ایک امر میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے، ہندو لوگ قمری سال کے حساب سے لود کے ایام میں تین سال کے بعد ایک قمری مہینے کو بڑھاتے ہیں اور اگر اس زائد مہینے کو ملماسی دو جیٹھ ماہ حساب کرتے ہیں تو بانہ ماسی دو ہار ماہ حساب کریں گے۔ نیز ملماسی لوگ دوسرے جیٹھ ماہ میں اور بانہ ماسی لوگ دوسرے ہار ماہ میں اپنے مردوں کے ارواح کی رہائی کی خاطر مچھ بون چشمے پر نذرو خیرات کرتے ہیں۔

یہ جو یہاں کے پنڈت لوگ دوسرے علاقوں کے برہمنوں کے ہاتھوں سے کچھ نہیں کھاتے پیتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم زمانے میں ایک مردہ خور آدمی یہاں آکر برہمنوں کے ساتھ ایک عرصے تک کھانے پینے میں شریک ہو گیا تھا اور آخر اس کی اندرونی خباثت ظاہر ہو گئی تھی۔ تب سے یہاں کے برہمن باہر کے برہمنوں سے نہ کھانے پینے کا کوئی تعلق رکھتے ہیں اور نہ ہی ان سے کوئی رشتہ ناطہ کرتے ہیں اور مذہبی رسومات میں بھی اس وجہ سے اختلاف ہے کہ اس ملک کا ایک رکھشیر لوگا کہ رکھشیر علوم کا ستفادہ کرنے کی غرض سے بیاس منیشر کے پاس گیا تھا اور وہاں اس کی اجازت کے بغیر کشمیری پنڈتوں کے

لئے موسم اور ان کے مزاج کو نظر میں رکھتے ہوئے اس نے وید اور شاستر و پوران کی تمام کتابوں میں سے ایک مختصر سی کتاب کا انتخاب کیا۔ جس کے مطابق یہاں کے پنڈت لوگ مذہبی رسومات ادا کیا کرتے ہیں۔

(۹) یہاں کے عطار سب شودر یا کھتری قوم کے ہیں اور ان کی عورتیں سرخ قصابہ سر پر باندھتی ہیں اور سونے کی نتھ ناک میں ڈالتے ہیں۔ ان کا طور طریقہ ڈوگروں (۱۰) سے ملتا جلتا ہے۔

دین اسلام کی اشاعت

کشمیر میں ہندو راجاؤں کے عہد تک دین محمدیؐ کی بالکل اشاعت نہیں ہوتی تھی۔ ذوالقدر خان کے واقعہ کے بعد کشمیر کے راجے آزاد نہیں رہے اور مختلف مذاہب کی ایک قلیل سی جماعت، جو تلوار کے زد سے بچ کر باقی رہ گئی تھی، وہ بھی اپنے مذہب کی اصلیت پر عمل پیرا نہیں تھی۔

رینچن شاہ نے، جو بدھ مذہب کا تھا، جب کشمیر کی حکومت سنبھالی تو اس نے مذاہب میں اختلافات کی بہتات کی وجہ سے اصلی مذاہب میں خلل ہوتے دیکھ کر اپنے اس ملک میں ایک ہی مذاہب کو رائج کرنا چاہا۔ چونکہ شو مذہب میں اس کی دخل اندازی ممکن نہ تھی اور دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی اسے تردید تھا۔ اس لئے اس نے دل میں ارادہ کیا کہ کل صبح کو جس کسی شخص کی صورت مجھے علی الصبح نظر آئے گی میں اسی کے دین کو قبول کرلوں گا۔

علی الصبح جناب سید شرف الدینؒ جو بلبل شاہ کے نام سے مشہور ہے دریا کی بہت کے اس طرف نماز ادا کر رہے تھے۔ ان کو خود اپنی آنکھوں سے نماز و نیاز میں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کمال خلوص کے ساتھ انہیں بلوا کر ان کے دین میں داخل ہوا اور اسکی پیروی میں لوگوں کی بھاری خلقت جو مختلف مذاہب کی تھی، چار رونا چار مسلمان بن گئی۔ صرف وید خوان برہمن اپنے مذہب پر قائم رہے اور وہ کسی کے خوف سے نہیں ڈرے۔ اس کے بعد سلطان سکندر نے اپنی حکومت کے ایام میں لوگوں کے ایک جم غفیر کو اپنے دین میں شامل کر کے بت شکنی کی شہرت پائی۔

نیز حضرت میر سید علی ہمدانی قدس سرہ اور حضرت میر محمد ہمدانی قدس سرہ نے اپنی تشریف آوری سے اس ملک کو رونق بخش کر ہندوؤں کی ایک کثیر جماعت کے دلوں میں الفت ڈالنے اور اپنے کمالات کا اظہار کرنے کی راہ سے مسلمان بنایا۔ اس کے بعد پانچ سو سال کی مدت تک اس ملک میں مسلمان بادشاہوں کی حکومت نافذ رہی۔ **الناس علی دین ملوکھم** کے مصداق محمدیؐ فرقہ روز بروز فروغ پاتا گیا اور ہندو مذہب میں ضعف پیدا ہوا۔ چنانچہ اس وقت اس ملک میں دو حصے مسلمانوں کے ہونگے اور ایک حصہ ہندوؤں کا ہوگا۔ اب محمدیؐ فرقے کے تین گروہ ہو گئے ہیں: ایک اہل سنت والجماعت، دوسرا اہل تشیع اور تیسرا خارجی وہابیوں کا۔

شیعہ مذہب کی اشاعت

مورخین لکھتے ہیں کہ سال ۸۹۲ھ (۱۱) میں سلطان حسن شاہ کے زمانے میں میر شمس

عراقی، جو شیعہ فضلا میں سے ایک بزرگ عالم اور بے نظیر دانشمند تھا، خراسان کے حکمران سلطان حسین مرزا کی طرف سے کشمیر میں آ کر سلطان کی طرف سے ایک خط ہمراہ ایک کھیش پوستین کے جو سلطان کا خاص لباس تھا، حسن شاہ کے لئے لایا اور بعض تحائف کی فرمائش بھی کی۔

ان ہی ایام میں مشیت الٰہی سے سلطان حسن شاہ نے زندگی کی پوستین کو پھاڑ کر جہاں فانی کو رخصت کیا اور میر شمس عراقی نے یہاں آٹھ سال تک قیام کر کے خود کو تقیہ سے کام لیتے ہوئے بابا اسماعیل کبروی جو شیخ وقت تھے کے مریدوں کے حلقے میں شامل کر لیا اور ان سے خاص ارادت و عقیدت کا اظہار کر کے اپنے لئے ایک حیثیت بنالی۔ ذاتی تقیہ، شائستگی اور ظاہری آرائش کے ہمراہ حسن بیان کی راہ سے بعض عجیب علوم سے آشنا تھا۔ شائد بابا اسماعیل نے اپنے مریدوں سے یہ بات کہہ دی ہوگی کہ اس مغل کی صحبت کو غنیمت جانو اور اس لئے بابا علی نجار، جو حضرت بابا کے برجستہ خلفاء میں سے تھا، ظاہری اور باطنی رابطے سے اس کے ساتھ مل گیا اور ایک دوسرے کے ساتھ خلوص و یگانگت کا اظہار کر کے آپس میں متحد ہو گئے۔ یہاں تک کہ مذکورہ میر نے اپنا عقیدہ اس کے دل میں ڈال دیا اور اس کی وساطت سے بعض اور آدمیوں کو بھی گمراہ کیا اور اس طرح سے امراء کشمیر میں عجیب طرح کا نفاق ڈالنے کے بعد خراسان کی طرف لوٹ گیا۔

جونہی سلطان حسین مرزا کو اس کے باطنی خلل سے آگاہی ہوئی اس کو اپنی ملازمت سے معزول کر دیا۔ اس لئے بارہ سال کی مدت گذرنے کے بعد پھر سے کشمیر آنے کا ارادہ کیا۔ آنے سے قبل اس نے حالات کے تجس کی خاطر کسی کو کشمیر روانہ کیا اور معلوم کیا کہ حضرت بابا اسماعیل عمر رسیدہ ہو گئے ہیں لوگوں کی صحبت سے اب الگ رہ رہے ہیں۔ اور بابا

علی نجار کی گرم بازاری ہے۔ بابا علی نجار کے نام خط لکھا کہ میں نے دنیا چھوڑ دی ہے۔ سید محمد نوربخش سے خلافت پا کر کشمیر آ رہا ہوں۔ بابا علی بڑے طمطراق سے اس کے استقبال کو نکلا اور کامل عقیدت کے ساتھ پیش آ کر اسے اپنی خانقاہ میں بٹھا دیا۔ اپنے مریدوں کو وہ اسکی تحویل میں دیتا گیا اور وہ لوگوں کو فریب دے کر خود کو سید محمد نوربخش سے منسوب کرتا رہا۔

اب میر شمس عراقی نے کم وقت کے اندر اپنا بازار گرم کیا اور ہر ایک کے ساتھ رابطہ و میل جول پیدا کر کے آہستہ آہستہ شیعہ مذہب کو رائج کرتا گیا۔ چنانچہ بابا علی کی کوششوں اور اسکی ترغیب پر کشمیر کے بعض امراء اس کے مطیع ہو گئے اور محلّہ جڈی بل میں ایک دو منزلہ خانقاہ بنا ڈالی۔ اور اسی جگہ سکونت اختیار کر کے خلوت نشینی میں سخت ریاضتیں کرنے کی شہرت شہر میں پائی اور بادشاہ کے ملازموں کے ساتھ شناسائی پیدا کی اور سادہ دل لوگوں کو غیر فطری واقعات و کرامات کو ظاہر کرنے کی راہ سے فریب دے کر اپنے مذہب میں لے آیا اور شہر میں نیز دیہات کے اطراف میں بابا اسماعیل کے مخلص عقیدت مندوں کی مدد سے مذہب کے انحراف میں کوشش جاری رکھتے ہوئے چوری چھپے پست فطرت اور سادہ لوح لوگوں کو تعلیم و تلقین کرنے لگا۔

لیکن سلطان محمد شاہ کی حیات تک شیعہ مسلک کی کوئی بھی علانیہ تشہیر و تبلیغ نہ کر سکا۔ اسی زمانے میں سلطان محمد شاہ کے خالو کاجی چک نے، جو سلطنت کا وزیر اعظم تھا، غازی خان اور ملک موسیٰ رینہ کے ہمراہ شمس عراقی سے رجوع کر کے اس کے مسلک کو قبول کر لیا اور اس کے مطیع ہو گئے۔ ان کی اطاعت سے شمس عراقی کو تقویت مل گئی اور وہ اپنے مذہب کو علانیہ طور پر جاری کرنے کی طرف مشغول ہوا اور شیعہ مذہب پر احوط نامی کتاب لکھ کر اسے شائع کیا۔

محلّہ حسن آباد میں بابا علی نے بہت زیادہ ترویج کا موجب بن کر اپنے مذہب کو ترقی

دی۔ حسن آباد اور بابا پورہ وغیرہ کے سبھی بابا اسی بابا علی کی اولاد سے ہیں۔

پھر اپنے وقتوں میں بابا خلیل، بابا طالب (۱۲) اور شیخ حسن جڈی بلی نے اس مسلک کی تائید کر کے اسے شایع کیا۔ چک بادشاہوں کی حکومت میں شیعہ مذہب نے زور پکڑ لیا اور لوگ جبراً اس مذہب میں داخل کر دئے گئے اور امیر خان جوان شیر کے عہد میں بھی شیعوں کو تقویت ملی۔

وہابی مذہب کی اشاعت

تاریخ شام میں محمد نصر شامی لکھتا ہے کہ حضرات شازلیہ (۱۳) کی اولاد میں سے نجد کے کوہستانوں میں عبدالوہاب (۱۴) نامی ایک شخص تھا، جو عجیب و غریب علوم سے آراستہ تھا۔ شاید شیطانی وسوسوں کے ہجوم یا نفسانی خواہشات کی مطلب بر آری یا شوکت و حکمرانی کے حصول کے خیال سے اس نے چار مذہبوں کے برخلاف خود سے ایک اور مذہب کا اختراع کر لیا اور اس کے احکامات اور قواعد و اصول پر التوحید نامی ایک نئی کتاب لکھ ڈالی اور قدیم تمام مجتہدوں اور مسلمانوں کو حکم کفر دے کر یمن، مسقط اور نجد کے ممالک کے بہت لوگوں کو اپنا تابع فرمان و مطیع بنا لیا۔

اپنے اس مذہب کو رجحان دینے کے مقصد سے اسکے دل میں ہمیشہ سے ملکوں کو مسخر کرنے کی آرزو موجود تھی۔ منشای تقدیر کے بموجب سال ۱۳۰۳ھ (۱۵) میں سلطان سلیم (۱۶) نے روم میں بغاوت کی اور وفات پا چکے عبدالحمید خان کے فرزندوں کو حکومت سے معزول کر کے روم میں پندرہ سال تک حکمرانی کی اور بالآخر مصطفیٰ خان کے ہاتھوں قتل ہو

گیا اور روم کی سلطنت فتنہ وفساد اور بغاوت وعناد کی آماجگاہ بن گئی۔ موقع کو غنیمت جان کر عبدالوہاب سال ۱۲۱۸ھ (۱۷) میں جمعہ کے روز منبر پر آیا اور تقریر کی کہ روم کی سلطنت میں فتنہ وفساد برپا ہوا ہے۔ میں اب کسی کو بادشاہت کے لائق نہیں سمجھتا۔ آپ کو ملکی نظم ونسق کی خاطر ایک بادشاہ کی ضرورت ہے۔ آپ اپنے اندر جس کسی شخص کو افضل مانتے ہیں اس کا آپ حکمرانی اور بادشاہت کیلئے مستقل طور پر انتخاب کرلیں۔ حاضرین نے فی البدیہہ جواب دیتے ہوئے کہا کہ آپ کی ذات گرامی کے بغیر کوئی دوسرا اس کام کے لائق نہیں۔ فوراً ہی لوگوں نے اس سے بیعت کر کے اسے امیر المومنین کا لقب دیا۔

اب عبدالوہاب مسند بادشاہت پر بیٹھ کر اپنی منشا کے مطابق احکامات جاری کرنے لگا۔ اس نے دلائل الخیرات اور قصیدہ بردہ نیز فقہ کی بعض کتابوں کو جلا ڈال اور انبیاء اولیاء کی شان میں تلخ وشیرین باتیں کہیں۔ مسجدوں میں ذکر واوراد خوانی سے منع کیا اور عید مولود شریف کو بدعت جانا۔ اور کعبہ ومدینہ کے میناروں میں جو بھی کوئی درود وسلام پڑھتا اسے قتل کر دیا۔ روضہ مطہرہ کی زیارت اور اولیاء اللہ سے استمداد مانگنے کو بدعت جانا اور اپنی مرضی کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی تجدید کی۔ اولیاء کے مقبروں کو مسمار کر ڈالا۔ کہتا تھا کہ یارسول اللہؐ کہنا کفر ہے۔ صرف ونحو اور لغت کے علوم بدعت ہیں۔ ولی اللہ یا امانت اللہ جیسے نام رکھنا، مرگ زاروں میں قرآن پڑھنا، خدا کے رسولؐ کو وسیلہ جاننا، خدا کے ولی کی قبر پر جا کر پکارنا، اولیاء کے نام پر نذر وہدیہ دینا، بزرگوں سے استمداد چاہنا اور تبرک مانگنا عین کفر ہے۔ کہتا تھا کہ پیغمبرؐ سے زیادہ یہ لاٹھی (عصا) ہماری بہت مدد کرے گی۔ اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں میں سے جو کوئی لائق اور قابل تھے، ان کو حکومت اور احکامات کے اجرا کرنے کے لئے اطراف واکناف میں بھیج دیا اور ان کو حکم دیا کہ جو کوئی ہمارے مذہب کی

تعمیل واطاعت نہ کرے گا اور ہماری التوحید کتاب پر نہ چلے گا، اسے قتل کردیا جائے۔ اس کے بموجب نجد و یمن کے کوہستانوں میں انہوں نے مذاہب اربع اور اپنے مسلک کو رائج کیا۔

سال ۱۲۲۱ھ (۱۸) میں عبدالوہاب نے اپنی قضا سے وفات پائی اور اس کا بیٹا سعود، جو بہت طرار اور ہوشیار آدمی تھا، اسکی مسند خلافت پر بیٹھا۔ اس نے فوراً ہی جبر و استبداد کا علم لہرایا اور نیام سے شمشیر خون خوار نکال کر بنی سعد اور بنی ثقیف قوم کے شہر طائف میں قتل عام کر کے وہاں مسجد حضرت ابن عباسؓ (۱۹) کو بنیاد سے اکھیڑ دیا۔ اور ہر جگہ لوٹ مار اور غارتگری برپا کرتے ہوئے بطحا کی جانب بڑھا اور حملہ کرنے سے پہلے التوحید کتاب کو خوف اور ڈر دلا کر شریف مکہ کے پاس پہنچا دیا اور شریف مکہ نے ۷/محرم جمعہ کے دن مذکورہ کتاب کو علماء وقت کے سامنے، جو وہاں طواف کے لئے جمع تھے، رکھ دیا۔

اس کتاب کا مطالعہ و تجزیہ کرنے کے بعد مولوی عمر ابن عبدالرسول نے، جو نامور علما میں سے تھے، فی البدیہہ اس کا جواب لکھ ڈالا اور اس کے مصنف پر حکم کفر صادر کر دیا اور اس حکم پر مولوی عقیل، مولوی حسین مغربی اور مولوی عبدالملک نے مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اسی دوران طایف کے زخمی لوگوں نے مکہ میں داخل ہو کر سعود کے آنے کی خبر لوگوں تک پہنچا دی۔ خوف کی وجہ سے اہل مکہ اور اطراف کے حاجی لوگ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور خطیب مکہ ابو محامد نے منبر پر آکر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر انہیں شوق دلایا اور سعود کا خون حلال قرار دیا۔

۸/محرم سنیچر کے دن سعود نے مکہ میں داخل ہو کر خون نوش تلوار قتل عام کرنے کے لئے نیام سے نکالی اور حرم کی زمین پر بلکہ بیت اللہ شریف میں اہل اسلام کے ہر خاص و عام

آدمی کا کام تمام کر دیا اور بیت المال کے خزانے میں جو سونا، چاندی، مال و اسباب، دولت و نقدی، بے شمار و بے نہایت مقدار میں موجود تھی اس کو اپنے قبضے میں لے آیا۔ شریف مکہ خدم وحشم کے ہمراہ جدہ کی طرف بھاگ گیا اور مکہ کے بعض لوگ خوف جان سے پہاڑوں کی گاروں میں چھپ گئے۔

اس شہر میں لوٹ مار اور غارتگری کے بعد سعود نے مدینہ طیبہ کا رُخ کیا اور ظلم و جور کا بازو دراز کر کے شہر کے باشندوں کا واقعہ حرہ کی مانند قتل عام کیا اور تمام مسجدوں اور مقبروں کو گرا دیا۔ بلکہ بیل اور کدال لا کر حضرت روضۃ اقدسؐ کے فیض رسان روضہ مطہر کی بنیاد اکھیڑنے کی کوشش کی۔ اچانک زمین کے سوراخ سے ایک ہیبت ناک اژدہا ظاہر ہوا جس کی ہیبت اور خوف سے لوگ ڈر گئے اور پوشیدہ جگہوں میں چھپ گئے۔ اس کے بعد عراق، حجاز اور یمن پر قابض ہوا اور چاروں مذاہب کے پیروں کو ہر جگہ قتل کر کے اکثریت کو اپنا مطیع و فرمان بردار بنا دیا۔

سال ۱۲۲۳ھ (۲۰) ۵ جمید الثانی کو سلطان محمود (۲۱) نے روم کے تحت پر جلوس کیا اور شہر و اطراف پر ربط و ضبط قائم کیا اور محمد علی پاشا (۲۲) کو جنگجو فوج کے ہمراہ سعود کی گوشمالی کرنے کیلیۓ اگن بوٹ (۲۳) سے روانہ کر دیا۔ ان ہی ایام میں سعود مکہ میں داخل ہوا اور مکہ کے باشندوں میں سے ہر چھوٹے بڑے کو بلوا کر ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم مجھ سے کہو کہ کس شخص نے مجھ پر حکم کفر صادر کیا ہے۔ سب نے مولوی عمر کی طرف اشارہ کیا۔ ان کو اپنے سامنے کھڑا کر کے کہا: ''السلام علیک یا شیخ المکۃ والعرب''۔ مولوی نے جواب میں کہا: ''وعلیکم السلام یا شیخ نجد''۔ سعود نے کہا: ''کیا مجھے ابلیس سے مشابہ کیا''؟ مولوی نے کہا۔ ''جیسے تم نے مجھے میرے وطن کے نام سے پکارا ویسے ہی میں نے بھی تجھے تیرے وطن کے

نام سے پکارا‘‘۔ پوچھا: ’’تم نے کسی دلیل سے مجھے کافر جانا‘‘؟ کہا: ’’التوحید کی کتاب کی دلیل سے۔‘‘ پوچھا: ’’کیسے‘‘؟ کہا: ’’اے سعود! کیا آج تک دنیا میں کوئی مسلمان ہی نہ تھا جب کہ وہ تمام صحابہ اور تابعین اور روئے زمین کے سارے مسلمان ہمیشہ نماز میں **السلام علیک ایھا النبی** پڑھتے آئے ہیں؟ کیا آپ کے خیال میں وہ سب کافر تھے؟ پس جو شخص حلال کو حرام قرار دے گا وہ کافر ہے۔‘‘ غرض بہت دلیلوں سے اسے قصور وار ٹھہرایا۔ سعود نے خشم میں آکر مولوی کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ مولوی عمر نے ایک سخت نعرہ مارا۔ یا احکم الحاکین۔ اسی وقت جدہ سے ایک قاصد نے آکر خبر پہنچائی کہ سلطان محمود کی لشکر مسعود ینبوع میں داخل ہوگئی ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی سعود نا محمود کے ہاتھ پاؤں گم ہو گئے اور مولوی عمر نے قتل ہونے سے نجات پائی۔

اس کے بعد سعود جدہ آگیا اور فریقین کا سامنا ہوا اور کافی جنگ وجدال کے بعد سعود نے راہ فرار اختیار کی۔ اس کی تاریخ: ہرب السعود الخارجی (۲۴) سے نکالی گئی۔ ابراہیم پاشا (۲۵) نے نجف تک اس کا پیچھا کیا اور اس کے پیروں کا جگہ جگہ قتل عام کر کے وہابیوں کی دنیا میں بیخ کنی کی۔ لیکن مسقط کے حدود میں اس کے مذہب کا اعتقاد لوگوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھا اور وہ التوحید کتاب پر عمل کرتے رہے۔

اسی اثنا میں سید احمد خان (۲۶)، جو ہندوستان کے عظیم بزرگوں میں سے تھا، حج کرنے کے بہانے چند سال تک یمن اور مسقط اور نجد کے شہروں کی سیر وسیاحت کرتا رہا۔ اس نے التوحید کتاب کا مطالعہ کر کے وہابی مذہب قبول کیا اور ہندوستان لوٹ آیا۔ وہاں مولوی اسماعیل دہلوی (۲۷)، جو مولوی عبدالعزیز (۲۸) کے اقربا میں سے تھا، پہلے اس کا مرید ہوگیا اور اسکی وساطت سے ایک کثیر جماعت اس کے تابع ہوگئی اور مولوی اسماعیل نے

تقویۃ الایمان کتاب (۲۹) التوحید کتاب کی تائید میں لکھ کر شائع کی۔ بلکہ اس نے جاہ و ثروت کے حصول کی خاطر اور اس مذہب کی اشاعت کیلئے سید احمد خان کو مخالفت پر اُکسا کر ایک کثیر فوج جمع کی اور جہاد کی نیت سے رنجیت سنگھ کی فوج کے ساتھ پشاور، ڈیرہ غازی خان اور ہزارہ میں مقابلہ کیا۔ آخر یہ سارے پشاور کی حدود میں بالاکوٹ میں قتل ہوئے۔

تب سے ہندوستان اور پنجاب میں اس مذہب کا رسم و آئین روز بروز ترقی پر ہے۔ چنانچہ اس ملک کے نامور علماء نے اس مذہب کو اپنا شعار بنا کر اب تک اس کی تائید میں چالیس کتابیں لکھی ہیں۔

خاص کر ہمارے اس زمانے میں سید صدیق حسن خان نواب بھوپال، جو برجستہ علماء وقت میں سے ہے، اس مذہب کی اشاعت میں مجتہد روزگار ہوا ہے۔ اور اس مذہب پر یقین و اعتماد کے حق میں اور چار مذاہب کی اہانت کرنے اور مقلدوں کو رد کرنے کے بارے میں کئی کتابیں لکھی ہیں اور اس ملک کے چند باشندوں کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعے سے دوستی و برادری کے روابط پیدا کر کے اپنی تصانیف کو ان کی نظروں میں لاتا رہتا ہے اور اپنے مذہب کو پھیلاتا ہے۔

ان میں سے یہاں کے ایک ہیچ آدمی حسین بطکو کچھ عرصہ پہلے غلام رسول اور نذیر حسین وغیرہ کے ساتھ اس مذہب کے حق میں رابطہ پیدا کر کے کشمیر لوٹ آیا۔ جب شہر میں اپنے بازار کو گرم نہ کر پایا تو شوپیان جا کر اپنے مذہب کا اعلان کیا۔ فوراً ہی دو تین سو آدمیوں کو اپنے مذہب میں داخل کر کے اسے رائج کیا۔ خاص کر شیر احمد خان بمبہ کے بیٹے عطا محمد خان کو دل و جان سے اسکے اپنے احباب اور ساتھیوں کے ہمراہ اس مذہب کا اطاعت گذار بنایا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اس بارے میں تشدد سے کام لے کر حسین بطکو کو اس ملک سے

نکال دیا۔ اس کے بعد صدیق حسن خان کے مریدوں میں سے سبز ارشاہ نام کے ایک شخص نے اس مذہب کا طوق اپنی گردن میں ڈال کر نزورہ محلے میں اس مذہب کو رائج کرنے میں کوشاں رہا۔

فی الحقیقت اس مذہب کی چنگاریاں اکثر لوگوں میں پڑ چکی ہیں۔ لیکن نامور حاکم کے ڈر سے اس کی چنگاری خاکستر کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔ جلد ہی اس کے شعلے آسمان تک بڑھ کے رہیں گے۔

سکھ مذہب کی اشاعت

قصص الہند کا مصنف لکھتا ہے کہ سال ۸۸۸ھ (۳۰) میں کھتری (۳۱) قوم کا کالو مل نامی ایک آدمی تلونڈی (۳۲) گاؤں کا پٹواری تھا۔ گورونانک اس کی پشت (۳۴) سے وجود میں آیا۔ جب بلوغیت کی عمر میں اس کا چہرہ چمکنے لگا تو سمی فارسی اور علم حساب کا کچھ حصہ سیکھ (۳۵) لیا۔

ایک دن اس کے باپ نے اس سے چالیس روپے ساتھ دے کر ایک گاؤں میں بھیج دیا۔ راستے میں فقیروں کی ایک جماعت نے اس سے روٹی مانگی۔ نانک نے چالیس روپے ان کو دیدئے۔ فقیروں نے کہا: ''ہمیں تو روٹی چاہیے، نقد روپے کا کیا کریں''۔ نانک نے گاؤں سے چالیس روپے کا آٹا خرید کر فقیروں کو دیا اور پھر گھر لوٹ آیا۔ باپ نے پوچھا ''کیا تجارت کی؟'' کہا: ''آخرت کی''۔ باپ غصے ہوا اور بڑی سختی کے ساتھ اسے پیٹنے لگا۔ ایک مسلمان ہمسائے نے اسے پیٹنے سے روک دیا۔

غرض نانک نے دنیاوی مشاغل کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور خدا کی تلاش میں مصروف عمل رہا۔ باپ نے قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ البتہ دلی شفقت کے ساتھ ماں اسے پالتی رہی۔

کالومل کا داماد کپورتھلہ کے علاقے سلطان پور میں سلطان ابراہیم لودھی کے ایک رشتہ دار دولت خان پٹھان کے پاس ملازمت کر رہا تھا۔ اپنے بہنوائی کی وساطت سے باوا نانک دولت خان کے غلے کے گودام کا مالک ومختار بن کر فطری آرزو کے ساتھ مسکینوں کے لئے سخاوت وخیرات سے کام لینے لگا۔ مخالفین نے غبن کرنے کے خیال سے اس کا محاسبہ کیا لیکن ارادہ خداوندی سے حساب میں اضافگی پائی۔

ان ہی ایام میں پٹیالہ کے علاقے میں شادی کی اور دو بیٹے ہوئے ایک سری چند (۳۶) اور دوسرا لچھمن۔ بالآخر بیوی، اولاد، مال اور جائیداد کی طرف مائل نہ ہو پایا اور ان تمام سے تعلقات کو کاٹ کر خدا پرستی میں مشغول ہو گیا اور کوہستانوں اور صحراؤں میں گھوم کر بغیر کچھ کھائے اور بے خوابی کی حالت میں درختوں کے نیچے سخت اور شدید ریاضت میں گذر بسر کی۔

کہتے ہیں تین دن تک دریائے راوی کے پانی میں یاد خدا میں چھپ کر بیٹھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو صلح کل کی وجہ سے برابر جانتا تھا۔ ہر آدمی کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ مسجد نظر آتی تو فوراً نماز پڑھنے لگ جاتا اور اگر کسی بت خانے کے پاس پہنچ جاتا تو بتوں کی پوجا شروع کر دیتا۔

کہتے ہیں کہ ربع مسکون کی سیاحت کرتے ہوئے مسجدوں اور مقبروں، تیرتھوں اور مندروں کی ہر جگہ زیارت کی اور سمندر کو عبور کرنے کے بعد حرمین الشریفین کا طواف بھی

کیا۔ فنای کل کی وجہ سے ہر طرف جلوہ الٰہی کو دیکھتا رہا۔

ایک دن اس کو بیت اللہ شریف کی جانب پاؤں پھیلائے سویا ہوا پایا گیا۔ لوگوں نے پوچھا: ''اللہ کے گھر کی طرف کیوں پاؤں پھیلائے ہوئے ہو''؟ کہا: ''مجھے تو ہر طرف اللہ ہی نظر آ رہا ہے۔ اب تم میرے پاؤں اسی طرف گردو جس طرف اللہ نہیں'' (۳۷)۔ غرض ایک کامل توحید پرست تھا۔ آپ کے غیر معمولی واقعات کو وجود میں لانے کے سلسلے میں دفتروں کے دفتر کھولے گئے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک روز نواب دولت خان نماز پڑھ رہا تھا اور نانک دور سے دیکھ رہا تھا۔ نواب نے ڈانٹا کہ ''تم نے نماز کیوں نہ پڑھی''؟ کہا: ''تم تو نماز میں قندھار پہنچ کر گھوڑے خرید رہے تھے۔ بھلا تمہارے ساتھ میری نماز کیسے درست ہو جاتی؟''

اسی طرح ایک دن قاضی نے اسے نماز پڑھنے پر مجبور کیا۔ قاضی جب نماز سے فارغ ہوا تو اسے ویسے ہی کھڑا پایا۔ قاضی نے تنبیہ کی اور کہا کہ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ کہا: تم اپنے بیٹے کی بیماری کے خیال اور گھوڑے کے مادہ بچھڑے کے کہیں کنویں میں گر نہ جانے کے غم میں پریشان حال تھے۔ میں تمہارے ساتھ بھلا کیسے نماز پڑھتا؟

ہردوار کے میلے میں چند برہمنوں کو دیکھا جو مشرق کی طرف رُخ کر کے اپنے مردوں کی روحوں کو پانی دیتے تھے۔ باوانانک (۳۸) نے مغرب کی طرف منہ کر کے پانی پھینکنا شروع کیا۔ برہمنوں نے بے خبر جان کر پوچھا: ''یہ مغرب کی طرف رُخ پھیر کر پانی کیوں چھڑک رہے ہوں''؟ کہا: ''کرتارپور میں میری کھیتی سوکھ چکی ہے، اسی کی آبپاشی کر رہا ہوں''۔ انہوں نے کہا: ''کرتارپور تا سینکڑوں میل دور ہے۔ بھلا تمہارا یہ پانی وہاں کیسے پہنچ جائیگا''؟ کہا: ''تو پھر تمہارا پانی اس دنیا سے اس دوسری دنیا میں تمہارے مردوں کی

روحوں تک کیسے پہنچ پائے گا''؟

ساتھیوں میں سے دو آدمی ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک ہندو قوم کا بالا اور دوسرا ڈوم قوم کا مردانہ (۳۹)۔ مردانہ ہمیشہ ستار اور سرود بجانے پر مامور تھا۔ اور بالا خدمت کرنے پر۔

سال ۹۰۰ھ (۴۰) کے اوائل میں باوا نانک کچھ عرصے کیلئے ایمن آباد میں مقیم تھا۔ ان ہی ایام میں ہندوستان کو فتح کرنے کے ارادے سے بابر بادشاہ ایمن آباد میں داخل ہوا۔ باوا نانک کو مع چیلوں کے بیگاری کے لئے گرفتار کر کے بابر کے سامنے پیش کیا گیا۔ بابر اس وقت شراب پی رہا تھا۔ اسنے کہا کہ: ''بابا کو بھی شراب پلا دو''۔ بابا نے کہا: ''اس شراب کا نشہ عارضی ہے اور میں نے تو وہ شراب پی رکھی ہے جس کا نشہ ہمیشہ کیلئے باقی رہیگا''۔ بابر نے کہا کہ میرے حق میں دعا کیجئے۔ کہا: ''ہندوستان کی سلطنت تجھے اور تیری اولاد کو سات پشتوں تک مبارک ہو (۴۱)''۔

اسکے بعد باوا گورداسپور گئے اور وہاں دھرم سال (۴۲) بنائی اور اس کا نام کرتار پور رکھا۔ وہیں پر اپنے عیال اور بچوں کو بلایا اور ہندوؤں اور مسلمانوں اور عام لوگوں کو اپنا مطیع بنا کر اکہتر سال کی عمر میں ۱۵۹۶ھ (۴۳) بکرمی میں دنیا سے انتقال کیا۔

مسلمانوں نے اسے دفن کرنا چاہا اور ہندوؤں نے جلانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ دونوں فرقوں میں خونریزی اور تصادم کی نوبت آ گئی۔ اسی کیفیت کے دوران انہوں نے دیکھا کہ تابوت میں سے بابا کی لاش غائب ہو چکی تھی۔ ہر کوئی افسوس کرنے لگا اور بالآخر تابوت جنازے کے اُوپر ڈالے گئے بالا پوش کے دو ٹکڑے کئے گئے۔ ایک حصے کو مسلمانوں نے دفن کیا اور دوسرے کو ہندوؤں نے آگ میں جلا دیا۔ کچھ عرصے بعد دریائے راوی میں

طوفان آگیا۔ اور دونوں جگہیں سیلاب کی زد میں آگئیں۔

باوانانک کی وفات کے بعد گوروانگد جانشین (۴۴) ہوا اور تیرہ سال گذارے۔ اس کی وفات کے بعد گوروامرداس بائیس سال، اس کے بعد اس کا داماد گورورام داس (۴۵) سات سال، گوروارجن (۴۶) پچیس سال، گوروہرگوبند آٹھ سال (۴۷)، گوروہر رائے (۴۸) تیرہ سال اور گوروہرکشن (۴۹) تین سال تک یکے بعد دیگر جانشین ہوئے اور ایک گروہ کوفراہم کر کے چل بسے۔

اس کے بعد عالمگیر بادشاہ کے عہد میں تیغ بہادر حکمرانی کے تخت پر بیٹھا اور اس نے عالمگیر کی مخالفت شروع کی۔ بادشاہ نے اسے کچھ عرصہ قید ڈالنے کے بعد قتل کردیا (۵۰)۔ اس کے بعد گورگوبند سنگھ (۵۱) نے بادشاہت کرنے کے خیال سے ایک جماعت بنالی اور دہلی کے بادشاہوں کی حکومت میں ضعف وسستی پاکر اس نے اطراف واکناف اور پنجاب میں بغاوت کا علم بلند کیا۔

جان لینا چاہے کہ باوانانک اور گوروانگد نے اپنی عمر فقر وفنا اور صلح وصفا میں گذار دی اور انہوں نے کوئی الگ مذہب بنانے اور کسی کے خلاف دشمنی رکھنے میں بات تک نہ کی۔ اس کے بعد امرداس اور رام داس نے مذہب کا اختراع کر کے اس کے امرونہی کا اظہار کیا۔ اور پنجاب کے بہت سے لوگوں کو اس مذہب میں لے آئے اور ہرکشن کے زمانے تک ہر کسی نے فقیری کے لباس میں اور گورونانک جی کی پیروی کرتے ہوئے اس مذہب کو پھیلانے کی کوشش کی اور بہت سے لوگوں کو اپنی متابعت کے دائرے میں لے آئے۔

اس کے بعد تیغ بہادر اور گوروگوبند سنگھ نے فقر وفنا سے خالی ہوکر پنجاب کے

اطراف میں حکومت کا اقتدار قائم کر کے اپنے مذہب کو فروغ دیا اور ان کے چیلوں نے کئی بار بغاوت کا جھنڈا لہراتے ہوئے درانی بادشاہوں کے ساتھ بڑی جنگیں لڑی (۵۲) ہیں۔ زمان شاہ (۵۳) کے زوال کے بعد رنجیت سنگھ کی قسمت کا سورج لاہور سے طلوع ہوا اور اس نے پنجاب، پشاور، ملتان (۵۴) اور کشمیر کو قبضہ اقتدار میں لا کر اپنے مذہب کو استحکام دینے کی کوشش کی اور اپنے زمانے کا ایک مشہور اور نامور شہریار بن گیا۔

سال ۱۲۳۴ھ (۵۵) میں اسکی حکومت کا سایہ کشمیر کے ملک پر پڑا اور فتحیاب فوج کے ہمراہ پنجاب کے سکھوں کی ایک بڑی جماعت نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ اس ملک میں سکونت اختیار کی اور تنخواہ کے بدلے ان کو زرعی زمین جاگیر میں دی گئی جسے خود آباد کر کے ملازمت کے حقوق ادا کرتے رہے۔ اس وجہ سے یہ جنسی سکھ کہلائے جاتے تھے۔

رنجیت سنگھ کے فوت ہو جانے کے بعد راجہ گلاب سنگھ نے اس ملک پر قبضہ کیا اور اس نے جنسی سکھوں کو اپنی فوجوں میں بدستور ملازم رکھا اور اس طرح سے یہ سب یہی کے باشندے ہو گئے۔

سال ۱۲۹۰ھ (۵۶) میں اس فرقے کی نفر شماری تقریباً بتیس ہزار مرد اور عورتوں پر مشتمل متعین ہوئی۔ اولر پرگنہ، کامراج اور بیروہ وغیرہ جگہوں میں ان کی اکثریت رہی ہے۔ زمینداری کرتے ہیں اور اپنے مذہب کے احکامات پر پابند ہیں۔

یادداشتیں

(۱) آریہ (الف پر مد، ر پر سکون، ی پر زبر اور ہ پر سکون) یعنی ایک شریف قوم اور ورت (و پر زبر اور بعد کے ہجوں پر سکون)۔ سنسکرت میں دائرہ۔ مراد ہے آریہ ورت سے آریہ کی اقامت گاہ یعنی ہندوستان کا ملک۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا (شمارہ نہم، چھاپ ایڈن برگ) کے مولف کی تحقیق کے مطابق آریہ سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہیں اُونچے نسب کا آدمی۔ ابتداء میں یہ لفظ قوم کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ لیکن وید کے مطابق آریہ اسے کہتے ہیں جسے اندر اور اگنی دیوتاؤں پر کل یقین واعتماد ہو۔ بعد کے وقتوں میں آریہ کے معنی بالکل بدل گئے اور ایک ایسے شخص کو کہا گیا جو برہمن، کھتری اور ویش کے تین اقوام سے منسوب ہو۔ سنسکرت لغت کی اہم کتاب امرکوش سے پتہ چلتا ہے کہ آریہ کا لفظ ار سے ماخوذ ہے جس کے معنی زمین ہیں۔ اس لحاظ سے قیاس ہے کہ آریہ کا اطلاق دہقانوں اور کسانوں پر ہوتا ہوگا

(۲) متن میں ناگ آیا ہے جس کے معنی سنسکرت میں بڑا سانپ ہے۔ ڈاکٹر نالکنشادت نے گلگت مینوسکرپٹس کے مقدمہ میں لکھا ہے (جلد ا ص ۱۰) کہ سانپ پوجا کشمیر میں قدیم زمانے سے موجود تھی اور اسی لئے ہندوستان کے اطراف میں یہ عقیدہ پھیلا۔ کشمیریوں کی سانپ پوجا کی تائید راج ترنگنی اور نیلہ مت پوران سے بھی ہوتی ہے۔ ان کتابوں سے یہی بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کشمیر کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ سانپوں سے جن میں اہم سانپ نیلہ تھا محفوظ تھی۔

(۳) کشمیر میں شو مذہب جو ترکا شاسنا یا ترکا شاستر یا مختصر طور پر ترکا سے معروف ہے تین وجودوں کی ایک قسم ہے۔ کشمیر شوازم کے مصنف ڈاکٹر جگدیش چندر چٹرجی (حصہ اول ص ۳ چھاپ سرینگر ۱۹۱۴ء) کے بقول کشمیر میں شومت نویں صدی کی ابتدا یا آٹھویں صدی عیسوی کے اواخر میں پھیلا۔ اس مذہب کی تین اقسام کی کتابیں یہ ہیں: اول، آگم شاستر جو تختیوں کا ایک مجموعہ ہے اور آسمانی علم وعمل کے قواعد پیش کرتی ہے۔ دوم شپند شاستر جس میں شو مذہب کا اصول تفصیل کے ساتھ آسان عبارت میں بیان کیا گیا ہے اور فلسفیانہ موشگافیوں سے مبرا ہے۔ سوم پرتی بگیا شاستر جو شو مذہب کا اصل الاصول اور فلسفے کا خلاصہ پیش کرتی ہے۔ کشمیر میں پرتی بگیا فرقے کا بانی سوم آنند کو مانا جاتا ہے۔ لیکن جس شخص نے اس کے قواعد کو لکھا اس کا شاگرد اودیا کرتھا۔ پرتی بگیا کی تائید کرنے والے کائنات اور خالق ومخلوق کے باہمی تعلقات کے نظریے کو سپند شاستر کے اقوال کے مطابق ہی تسلیم کرتے ہیں۔ سپند شاستر کے

معتقدین کا عقیدہ ہے کہ ریاضت و زہد کے عالم میں طالب کے دل پر ذات الٰہی منعکس ہوتا ہے۔ پرتی بگیا فرقہ وحدت الٰہی پر یقین رکھتا ہے۔

(۴) گروہ۔

(۵) ہندوستان کے صوبہ بہار کے قدیم اطراف کا نام تھا۔

(۶) اس بارے میں محققین کی رائے مختلف ہے کہ آیا دو اشوک تھے (ایک کشمیری اور دوسرا ہندوستانی) یا ایک ہی تھا۔ راج ترنگنی سے معلوم ہو جاتا ہے دو تھے اور ان میں کشمیری اشوک، اشوک موریہ سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے گذرا ہے۔ راج ترنگنی (جلد ارص ۶۴) کے مقدمہ میں ڈاکٹر سٹاین نے کلہن کی اس روایت کو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے۔ مور، ڈاکٹر نالینکش دت کے بیان سے بھی (مقدمہ گلگت مینوسکرپٹس ص ۷ ر چھاپ ۱۹۳۹ء سرینگر) یہی بات اخذ ہوتی ہے۔ اس کے بقول اشوک موریہ نے اپنی زندگی کے اواخر میں کشمیر کو فتح کیا اور اپنے وزیر موگلی پت لتا کے مشورے سے بدھ مذہب کے مبلغوں کو دنیا کے اطراف میں بھیجا۔ مجھنتکا کو جو اس مذہب کا ایک بڑا عالم تھا، کشمیر کی جانب روانہ کر دیا۔

(۷) ۱۳۲۳ء۔

(۸) دیکھئے تاریخ حسن جلد دوم۔

(۹) صحیح ہے کسابہ۔ کشمیری زبان میں اس رومال سے مراد ہے جسے چھوٹی سوئیوں اور زیورات سے مزین کر کے عورتیں سر پر ڈالتی ہیں۔

(۱۰) ڈوگرہ ریاست کشمیر کے جموں صوبے کی شوالک پہاڑیوں اور سانبہ اور رام نگر تحصیل کے مضافات کی ایک مشہور قوم ہے۔

(۱۱) ۱۴۸۶ء۔

(۱۲) ۱۴۶۹ء۔ ۱۵۰۶ء۔

(۱۳) بابا طالب اصلاً اصفہان کا ہے جو چکوں کے زمانے میں کشمیر آیا۔ چونکہ فنون علم سے آراستہ تھا اس لئے قبولیت پیدا کی۔ سلاطین و امراء وقت میں معتبر تھا۔ جب وفات پائی تو سرینگر کے ایک محلہ بابا پور میں بابا خلیل کے مزار میں دفن ہوا۔ شعر و سخن سے کافی بہرور تھا۔

(۱۴) شاذلیہ ایک مسلمان فقرہ ہے جو الشاذلی سے منسوب ہے۔ اس فرقے کے بانی مراکش کے ایک صوفی ابو الحسن علی بن عبداللہ الجبار الشریف الزرویلی (۱۱۹۶ھ۔ ۱۲۵۰ھ) تھے۔ آپ کی تالیفات میں سے حزب البحر و البر اور حزب الفتح اور حزب الکبیر یادگار اور ادو ظائف ہیں (جامع اللغات اُردو ص ۲۴۳، چھاپ جامع اللغات کمپنی لاہور)۔

(۱۵) صحیح ہے محمد ابن عبدالوہابؒ۔ وفات ۱۷۸۷ء ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا قائد۔ جن کی حسن مساعی سے یہ تحریک عرب اور دیگر اسلامی ممالک میں رائج ہوئی۔ آنجناب نے اپنی تحریک کو مذہب توحید کا نام دے کر کتاب و سنت کے احیاء میں بڑی کوشش کی۔ مغربی ممالک میں اس تحریک کی شہرت وہابیت کے نام سے ہے۔ وہابیہ تحریک در حقیقت کوئی نئی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ وہی تحریک ہے جسے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال پہلے سال ۱۳۲۸ء میں امام ابن تیمیہ حرانیؒ نے ملت کے احیاء اور کفر و شرک کو مٹانے کے لئے شروع کیا تھا۔ وہابی تحریک کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف ذات خداوندی ہی عبادت اور بندگی کی سزاوار ہے۔ شفاعت اور وسیلہ جوئی کا عقیدہ شرک کی ایک قسم ہے اور اسی طرح اولیاء اللہ کے مقبروں سے مدطلب کرنا شرک کی ایک قسم ہے۔ وہابی تحریک عرب اور شام میں انیسویں صدی عیسوی میں منتشر ہوئی اور قلیل وقت میں بہت سے لوگ اس جماعت کے تابع ہو گئے (اسلامک ریویو۔ انگلستان۔ شمارہ نمبر ۱۹۵۱ء)۔

(۱۶) ۱۷۸۸ء۔

(۱۷) سلطان سلیم ثالث روم کے سلطان ثالث کا بیٹا ہے۔ ۱۷۸۹ء میں اپنے چچا سلطان احمد رابع کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں فرانسیسیوں اور روسیوں کے درمیان عظیم جنگ واقع ہوئی۔ فرانسیسیوں کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ ۱۸۰۷ء میں اس کے خلاف بغاوت ہوئی اور اسے تخت سے معزول کر دیا گیا۔ (جامع اللغات اُردو، ص ۳۸۷/ جامع اللغات کمپنی لاہور)۔

(۱۸) عبدالمجید خان اول ابن احمد ثالث (۱۷۲۵ء۔ ۱۷۸۹ء) سال ۱۷۷۴ء میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں ایرانیوں اور روسیوں کے درمیان عظیم جنگیں ہوئی۔ بکووینیہ، جو عثمانی سلاطین کے قبضے میں تھا، آسٹریا کے تسلط میں چلا گیا اور روس کا قبضہ کریمیا اور بسریبہ پر ہو گیا۔

(۱۹) ۱۸۰۳ء۔

(۲۰) ۱۸۰۶ء۔

(۲۱) حضرت نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے جو ہجرت سے تین سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ تفسیر قرآن کریم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ کچھ عرصے کیلئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں بصرہ کے حاکم تھے۔ آخر ستر سال کی عمر میں ۶۸۷ء میں (سال ۶۸ ھ میں) واصل بحق ہوئے۔ (قاموس المشاہیر جلد ۲/ ص ۷۰)۔

(۲۲) مطابق روز جمعہ ۲۹/ جولائی ۱۸۰۸ء۔

(۲۳) سلطان محمود ثانی (۱۷۸۵ء۔ ۱۸۳۹ء) احمد چہارم کا بیٹا ہے۔ اپنے چچا سلطان سلیم سوم کی معزولی کے

بعد سال ۱۸۰۸ء میں اکتیسواں سلطان بنا۔ ۱۸۲۱ء میں یونان ترکوں سے آزاد ہوا اور ۱۸۲۸ء میں حکومت برطانیہ اور فرانس کے درمیان جنگ ہوئی (جامع اللغات ص ۴۸۴)۔

(۲۴) محمد علی پاشا (نائب) ۱۷۶۹ء میں پیدا ہوا۔ جب مصر میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے بیچ جنگ ہو رہی تھی تو محمد علی ترکی فوج کے ساتھ مصر روانہ ہو گیا تا کہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں انگریزوں کی مدد کرے۔ سال ۱۸۰۱ء میں جب فرانسیسیوں کو شکست ہوئی اور مصر میں انگریزوں کو لوٹنے کے بارے میں فتنہ فساد ہوا تو موقع کو غنیمت جان کر محمد علی نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ ۱۸۴۱ء کے معاہدہ کے مطابق انگریزوں نے اسکی اولاد کا مصر کی سلطنت پر نسلاً بعد نسل حق کو تسلیم کیا۔ محمد علی پاشا کا ۱۸۴۹ء میں انتقال ہوا اور اسکی جگہ اس کا پوتا محمد اسماعیل مصر کا بادشاہ بن گیا۔ (قاموس المشاہیر جلد ۲ ص ۱۹۷)۔

(۲۵) ناو کی ایک قسم جو پیٹرول سے چلتی ہے۔

(۲۶) ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء)۔

(۲۷) ابراہیم پاشا مصر کے بادشاہ محمد علی پاشا کا بیٹا تھا۔ ۱۷۸۹ء میں متولد ہوا۔ ۱۸۱۹ء میں وہابیوں کے ساتھ لڑائیوں اور دوسری فتوحات کی وجہ سے شہرت پائی۔ ۱۸۴۸ء میں جب محمد علی پاشا حکمرانی سے معذور ہوا تو ابراہیم پاشا قسطنطنیہ چلا گیا۔ باب عالی نے اسے محمد علی کا نائب تسلیم کر لیا۔ انگلستان سے لوٹ کر سال ۱۸۴۸ء میں ۹ ر نومبر کو قاہرہ میں وفات پائی (قاموس المشاہیر جلد ۲ ص ۱۴)۔

(۲۸) یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ جو ہندوستان میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے پیش رو تھے۔ آپ سال ۱۲۰۱ھ کے صفر مہینے (نومبر ۱۷۸۶ء) میں ہندوستان کے اُتر پردیش صوبہ کے رائے بریلی شہر میں متولد ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام مولانا سید محمد عرفان تھا۔ آپ بچپن کے عہد سے ہی حضرت شاہ عبدالعزیز محدثؒ دہلوی کی شخصیت سے متاثر تھے۔ آپ جب ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے دست حق پرست پر طریقت نقشبندیہ میں بیعت کی۔ سوائے نظریہ مرشد کے، جس پر آپ کو اعتراض تھا کہ یہ نظریہ کتاب وسنت سے مستند نہیں، اپنے مرید کے اس ایمان پر استقامت کرنے سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ خوش ہوئے اور ان کو آفرین کہا۔ چند سال تک حضرت سید احمد شہیدؒ عربی ممالک کی سیر وسیاحت میں مصروف رہے اور سال ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۳ء) میں حج بیت اللہ کے بعد ہندوستان لوٹ آئے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ ایک تنومند اور طاقتور آدمی تھے۔ تقریباً دس سال تک ٹونک کے حکمران امیر خان (۱۷۶۸ء۔۱۸۳۴ء) کی مصاحبت میں رہ کر تفنگ اور گولہ اندازی کے جنگی آلات کے استعمال میں جیسی چاہئے واقفیت پیدا کر لی۔ ۱۵ر دسمبر ۱۸۱۷ء کو جب امیر خان نے انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کیا تو حضرت موصوفؒ نے اس کی مصاحبت کو ترک کیا۔ ہندوستان میں جب مسلمانوں کو زوال آنا شروع ہوا اور جاٹ،

راجپوت، مرہٹہ اور سکھ قوموں نے مسلمانوں کی بیخ کنی کرنے کیلئے سر اٹھایا تو حضرت موصوفؒ نے حکومت الٰہیہ کی احیاء کی خاطر جذبے سے سرشار ہوکر اپنے پیروؤں کو جہاد اور سرفروشی کیلئے آمادہ کیا۔ فوراً آنجنابؒ کی دعوت کو پانچ سو افراد نے لبیک کہا اور جب پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو حضرتؒ نے سکھوں کے خلاف جہاد کرنے کو اپنی تحریک کا اولین مقصد قرار دیا۔ سال ۱۸۲۶ء میں حضرت سید شہیدؒ خیر پور (سندھ) کی راہ سے غزنی اور قندھار میں داخل ہوئے۔ قبیلہ بارک زئی نے، جو اس خطے کے باشندے ہیں، نے لاپروائی اور سردمہری کا مظاہرہ کیا لیکن یوسف زئی قبیلے نے، جو پشاور اور سندھ کے بیچ میں رہتے ہیں، حضرت موصوفؒ کو مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اس قبیلے کے افراد جوان جگھوں کے جنگجو لوگوں میں شمار ہوتے ہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حلیف یار محمد خان کے مقابلے میں آنجنابؒ کے وجود کو غنیمت جان کر آنجنابؒ کے مددگار اور معاون بن گئے اور اسلام کے ان اولوالعزم مجاہدوں کی لشکر چارسدہ اور نوشہرہ کی راہ سے پشاور سے چل کر اکوڑہ (خٹک) میں داخل ہوئی۔ یہاں پر حضرت موصوفؒ نے سردار بدھ سنگھ سندھیانوالہ کی قیادت میں سکھوں کی یلغار کو پسپا کیا (نومبر ماہ ۱۸۲۶ء)۔ کہتے ہیں کہ اس دوران یار محمد خان نے آنجنابؒ کو زہر دینے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ۱۸۲۹ء میں یار محمد خان جنگ میں شکست کھا کر فوت ہوا۔ اس جنگ کے نتیجے میں یار محمد خان کا بھائی سلطان محمد پشاور شہر پر قابض ہوگیا۔ سال ۱۸۳۰ء میں خالصہ (سکھ) فوج اور مجاہدین اسلام کے درمیان تیسری جنگ ہوئی۔ سکھوں کے سپہ سالار جنرل الارڈ اور ہری سنگھ نلوہ تھے۔ اس جنگ میں افراد کی کمی کے سبب حضرت سید احمد شہیدؒ پسپا ہوئے لیکن اس صدمہ سے آپ نے ہمت نہیں چھوڑی بلکہ چند مہینوں کے بعد نئے سرے سے اپنی لشکر کو ترتیب دے کر سلطان محمد خان کو، جو سکھوں کا حلیف تھا، ایک خونی معرکہ میں شکست دے کر پشاور پر قابض ہوگئے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کو اسلام کے اماموں اور ملت اسلامی کے عظیم افراد میں شمار کیا جاتا ہے۔ آنجنابؒ کے حکم سے پشاور میں شراب نوشی بند ہوگئی اور قلیل عرصے میں غیر شرعی امور ممنوع قرار دیئے گئے اور شرک و بدعات کا قلع قمع کر دیا گیا۔ حضرت موصوفؒ نے کتاب وسنت اور توحید خداوندی کے اثبات کو مقدم جان کر ان کی تلقین کی۔ سال ۱۸۳۱ء میں حضرت موصوفؒ نے اپنے ایک نائب مولوی شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مشورے پر کشمیر کے مسلمانوں کو، جو سکھوں کے ظلم و استبداد کے پنجے میں تھے، رہائی دلانے کا ارادہ کیا۔ جب آپ ایبٹ آباد کے شمال میں ۴۵ میل دور کنہار دریا کے کنارے پر واقع بالاکوٹ نامی جگہ پر پہنچے تو شیر سنگھ شہزادے کی سرکردگی میں سکھوں کی فوج نے چھپ کر مجاہدین پر حملہ کیا اور دوسرے غازیان اسلام کے ساتھ حضرت موصوفؒ نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ حادثہ ماہ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ (مئی ۱۸۳۱ء) میں پیش آیا۔ (قاموس المشاہیر جلد ۱ ص ۳۱۴۔ ہسٹری آف دی سکھس مصنفہ کنگھم ص ۱۸۶ تا ۱۸۸، اور کشمیر جلد ۲ ص ۷۳۴)۔

(۲۹) حضرت مولوی شاہ اسماعیل شہیدؒ (۱۷۸۱ء۔ ۱۸۳۱ء) مولانا عبدالغنی کے فرزند اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدثؒ دہلوی کے پوتے تھے۔ آخر میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے حلقہ ارادت میں آگئے اور سکھوں کے خلاف جنگ میں آنجنابؒ کا ساتھ دے کر شہادت پائی۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تصنیفات میں اصول فقہ کا رسالہ اور

تقویۃ الایمان کتاب مشہور ہیں (جامع اللغات اُردو ص ۱۹۸)۔

(۳۰) شاہ عبدالعزیز محدثؒ دہلوی خلف الصدق تھے حضرت امام شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی کے۔ آنجناب کی پیدائش سال ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) میں دہلی میں ہوئی اور آپ کا تاریخی نام غلام حلیم رکھا گیا۔ والد بزرگوار سے تحصیل علوم کرنے کے بعد تدریس وارشاد میں مشغول رہے۔ آپ ایک عالم باعمل اور محدث کی حیثیت سے مشہور تھے۔ آنجنابؒ کی تصنیفات میں سے سر الشہادتین، بستان المحدثین اور تفسیر فتح العزیز ہیں۔ ۷/شوال المکرم ۱۲۳۹ھ (جون ۱۸۲۴ء) کو واصل بحق ہوگئے۔ ایک شاعر نے آنجنابؒ کی تاریخ وفات اس شعر سے نکالی ہے۔

عقل و دین لطف و کرم فضل و ہنر علم و عمل
بی سر و پا گشتہ انداز دستِ بیدادِ اجل

(قاموس المشاہیر جلد۲/ص ۶۴)۔

(۳۱) تقویت الایمان کتاب اُردو زبان میں ہے اور کلکتہ میں چھپی ہے۔ یہ کتاب دو حصوں میں بٹی ہے۔ پہلا حصہ مولانا شاہ اسماعیلؒ کی تصنیف ہے اور دوسرا حصہ کسی اور کا مرتب کیا ہوا خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ اسماعیلؒ کتاب کی تمہید میں اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ کلام اللہ کو فقط دانشمند لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ خدا خود فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو رسول امیؐ کی طرف بھیجا ہے۔ شاہ اسماعیلؒ کے بقول ایک مرد موحدؔ کیلئے دو چیزوں پر اعتقاد لازمی اور ضروری ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور دوسرا معرفت رسولؐ پر۔ بہت سارے لوگ بزرگوں کے اقوال کو ہادی اور رہبر مانتے ہیں لیکن ہدایت کیلئے صرف اللہ کے کلام کو کافی وشافی جان لینا چاہیئے۔ بزرگوں کے اقوال جب تک قرآن کریم کے موافق نہ ہوں گے ان پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ تقویت الایمان کے باب اول میں وحدت ربانی پر بحث کی گئی ہے اور اس میں بزرگوں، اولیا اللہ اور فرشتوں سے استمداد مانگنے کو خلاف شریعت قرار دیا گیا ہے (حاشیہ ، ہسٹری آف دی سکھس مصنفہ کنگھم ص ۱۸۶۔۱۸۷)۔

(۳۲) ۱۴۸۳ء۔

(۳۳) کھتری ہندو قوم کی دوسری جماعت ہے۔ اس کا باپ کالو مل کھتریوں کے ایک طایفہ بیدیوں میں سے تھا (دبستان مذاہب چھاپ نول کشور پریس لکھنو ص ۲۲۳)۔

(۳۴) پٹواری (پ پر زبر اور ٹ پر سکون) ہندی میں اس آدمی کو کہتے ہیں جو دیہاتی لوگوں کا شجرہ کش ہوتا ہے۔ سیر المتاخرین (ترجمہ برگس جلد ا/ص ۱۱۰) میں آیا ہے کہ نانک کا باپ غلہ کا تاجر تھا اور صاحب دبستان مذاہب نے لکھا ہے (ص ۲۲۳) کہ نانک خود دولت خان لودھی کے غلہ کی حفاظت کیا کرتا تھا۔

(۳۵) تلونڈی ایک گاؤں ہے جو گوجرانوالہ (صوبہ پنجاب پاکستان) کے شمال میں دس میل کی دوری پر ہے۔ نانک کے زمانے میں یہ گاؤں رائے بھوا بھٹی کے قبضے میں تھا (سکیچ آف دی سکھس مصنفہ میلکم ص ۷۸۔ سفرنامہ

فاسٹر جلد ا رص ۲۹۲۔۲۹۳)۔

(۳۶) کنگھم کی روایت سے بابا نانک کا سال تولد ۱۴۶۹ء ہے (ہسٹری آف دی سکھس ص ۳۹)۔

(۳۷) سیر المتاخرین کے مصنف نے لکھا ہے (جلد ا رص ۱۱۰) کہ گورونانک کا استاد اس کا ہمسایہ سید حسن تھا۔ یہ بے اولاد آدمی نانک کو اپنے بیٹے کی طرح پرورش کر کے اسے پڑھاتا تھا۔

(۳۸) سلطنت کی مدت ابتدائے ۹۱۵ھ (۱۵۱۰ء) سے ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) تک۔

(۳۹) دولت خان لودی خاندان کے سرداروں میں سے تھا۔ یہ وہی دولت خان ہے جس نے بابر کو دہلی فتح کرنے کی ترغیب دی۔ عالم آدمی تھا اور عمدہ شاعر بھی۔ فتح دہلی سے کچھ عرصہ قبل ۱۵۲۶ء میں فوت ہوا (قاموس المشاہیر جلد ا رص ۲۴۲)۔

(۴۰) یہ وہی سری چند ہے جو تاریخ میں اورداسی فرقے کے بانی کی حیثیت سے مشہور ہے۔ لیکن لچھمن چونکہ عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتا تھا اس لئے گمنامی کی حالت میں مر گیا اور سوائے نام کے اس بارے میں اور کچھ معلوم نہیں۔ ملا محسن فانی نے دبستان مذاہب میں (ص ۲۲۵) نانک کے بیٹوں کو کرتاری کہا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کے باپ کی وفات کرتار پور میں ہوئی اور احتراماً سکھوں نے انہیں کرتاری کہا ہو۔

(۴۱) معتبر اسلامی تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ معلوم نہیں حسن نے کہاں سے لکھ کر نقل کر دیا۔ گیرٹ کے بقول بھی (حاشیہ ہسٹری آف دی سکھس مصنفہ کنگھم ص ۴۱) عرب اور مکہ میں گورونانک کی سیاحت کی تحقیق مصدقہ نہیں۔

(۴۲) بقول ملا محسن فانی (دبستان مذاہب ص ۲۲۳) نانک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل تھا اور اس نے شریعت محمدیؐ کی بھی بات کی ہے۔ تناسخ پر بھی ایمان رکھتا تھا اور شراب، گوشت اور سور کو حرام جان کر حیوانوں کے گوشت کو ترک کر دیا تھا اور حیوانوں کو اذیت دینے سے منع کرتا تھا۔

(۴۳) مردانہ کے بارے میں اس بات کے بغیر اور کچھ معلوم نہ ہو پایا کہ وہ ایک مسلمان قوال تھا جسے رباب بجانے میں کمال حاصل تھا۔ یہ شخص گورونانک کی شادی کے موقعہ پر آیا اور گورونانک سے ہدیہ مانگا۔ نانک نے اس کے جواب میں خدا سے اس کے حسن لحن کی درخواست کی جو قبول ہوگئی۔ ساری عمر رباب بجانے میں گذاری (ٹن ماسٹرز مصنفہ پورن سنگھ ص ۲۴)۔

(۴۴) ۱۴۹۴ء۔

(۴۵) گیرٹ کے بقول (حاشیہ ہسٹری آف دی سکھس ص ۴۰) گرنتھ سے یعنی اسا راگ اور تیلانگ کے

ابواب سے اس پیش گوئی کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بابا نانک نے ایک گاؤں کی تباہی (؟) اور فاتح کی حیثیت سے بابر کے حملوں کی خبر دی تھی۔

(۴۶) دھرم سال ہندی میں سرائے اور مسافر خانہ ہوتا ہے۔

(۴۷) ۱۵۳۹ء۔

(۴۸) گورو انگد کا اصلی نام لہنا تھا (پنجابی میں اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں سے بقایا رقم وصول کرنے پر مامور ہو) چونکہ انگد نے گورونانک کی دل و جان سے خدمت کی تھی اس لئے لہنا نے اپنا نام انگد رکھا جس کے معنی ہیں نانک کے ساتھ مل جانا (دبستان مذاہب ص ۲۲۵) کنگھم کے بقول (ہسٹری آف دی سکھس ص ۴۹) گورو انگد کھتری قوم کی ایک شاخ تیہان قوم سے تھا۔ سال ۱۵۵۲ء میں بیاس دریا کے پاس کڈور نامی جگہ پر وفات پائی۔ اس کے بارے میں ہماری واقفیت اسی قدر ہے کہ اس نے نانک کے ساتھی بالا سے جو روایتیں سنی تھیں ان کو لکھا۔ لیکن اس نے مرشد کی تعریف میں جو اپنی نظمیں کہی تھیں ان کو بھی گورو گرنتھ صاحب (سکھوں کی مقدس کتاب) کا حصہ بنا دیا۔

(۴۹) گورو امرداس گورونانک کا تیسرا جانشین ہے۔ مذکورہ تاریخ میں کنگھم کی روایت کے بموجب (صفحہ مذکور) گورو امرداس کھتری قوم کی بھلہ شاخ سے تھا۔ سال ۱۵۰۹ء میں پیدا ہوا۔ ساڑھے بائیس سال تک نانک کا خلیفہ رہا اور سال ۱۵۷۴ء میں فوت ہوا (۱۶۳۱ بکرمی)۔ اس گورو (خلیفہ) کے بڑے کارناموں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے اداسیوں (دنیا کو ترک کرنے والوں) کو سکھوں کے فرقے سے الگ کر دیا۔ گورو امرداس کے عہد میں سکھ مذہب کے پیروؤں نے بڑی ترقی کی۔ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ جس کی خمیر میں وسیع المشربی تھی مذکورہ گورو کی نصیحتوں کو بغور سنا کرتا تھا۔

(۵۰) گورو رام داس کھتری قوم کے سودھی قبیلے سے تھا۔ ۱۵۲۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۸۱ء میں وفات پائی۔ کہتے ہیں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے پاس اسکی بڑی عزت تھی اور احترام پایا تھا (ہسٹر آف دی سکھس ص ۵۱)۔

(۵۱) گورو ارجن دیو سکھوں کا چوتھا گورو اور گورو رام داس کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ گوندوال (پنجاب) میں ۱۵۶۳ء میں پیدا ہوا۔ دنیا کی طرف مایل ہونے کی وجہ سے اس کے بڑے بھائی پرتھی چند کو نظر انداز کر دیا گیا اور ۱۵۸۱ء میں ارجن دیو کو گورو چن لیا گیا۔ اس واقع نے پرتھی چند کے دل میں گورو کے خلاف عداوت کا بیج بو دیا اور پرتھی چند کی بیوی نے بھی اس عداوت کاری کو ہوا دی۔ اسی دوران اس وقت کے چندو نام حاکم نے اپنی بیٹی کی شادی گورو ارجن کے بیٹے کے ساتھ کرنی چاہی لیکن گورو ارجن نے اسے قبول نہیں کیا۔ اس لئے چندو اور پرتھی چند دونوں گورو ارجن دیو کے خلاف حسد اور دشمنی برتنے میں کمر بستہ ہو گئے۔ بدقسمتی سے ان دنوں میں گورو ارجن دیو نے حضرت نورالدین جہانگیر بادشاہ کے فرزند شہزادہ خسرو کو، جو اس وقت باپ کے خلاف بغاوت پر اتر آیا تھا، پناہ دی اور

اس کے حق میں فتح و کامیابی کی دعا کی۔ پرتھی چند اور چندو جو اس موقعہ کے بارے میں خدا سے دعائیں مانگتے تھے مسلسل اور پے در پے شکایتیں لے کر بادشاہ کے حضور میں جاتے اور اس سے التجا کرتے کہ گورو ارجن دیو پر شاہی عتاب کیا جائے۔ چندو کے بہی خواہ سرکاری ملازم پادشاہ کو بے خبر رکھ کر گورو ارجن دیو کو رنج اور عذاب پہنچایا کرتے تھے۔ گورو نے جب دیکھا کہ ان لوگوں سے نجات پانا ممکن نہیں تو بادشاہ سے اجازت مانگ کر نہانے کے بہانے سے دریائے راوی پر چلا گیا اور سکھوں کے عقیدے کے بموجب وہاں پر لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا (ہسٹری آف جہانگیر مصنفہ بینی پرشاد، ص ۱۴۸)۔

(۵۲) گورو ہرگوبند باپ کی وفات کے بعد گیارہ سال کی عمر میں ۱۶۰۶ء میں خلافت کے مسند پر بیٹھا۔ ملا محسن فانی لکھتا ہے کہ گورو ہرگوبند نے فوجی طور طریقہ اختیار کیا۔ باپ کے برعکس تلوار باندھی، نوکر چاکر رکھے اور شکار کرنے بھی جاتا رہا۔ نورالدین جہانگیر بادشاہ نے اس کے باپ گورو ارجن مل پر جرمانہ کی بناء پر اسے بارہ سال تک قید میں رکھا اور بعد میں شفقت سے کام لے کر رہا کر دیا۔ ہرگوبند کی پوجا سکھ لوگ الوہیت کی نظر سے کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہے۔ اتوار کے دن ۳ محرم الحرام ۱۰۵۵ھ کو (۱۹ فروری ۱۶۴۵ء) گورو نے آخرت کا سفر اختیار کیا (دبستان مذاہب ص ۲۳۵۔۲۳۷)۔

(۵۳) گورو ہررائے گورو ہرگوبند کا پوتا تھا۔ ۱۶۴۵ء میں مسلمہ طور پر گورو بن گیا۔ سکھ لوگ اس گورو کو ساتواں مقام دیتے ہیں۔ بقول ملا محسن فانی گورو ہررائے آخری گورو تھا جس کی اس کے ساتھ (ملا محسن فانی کے ساتھ) کافی جان پہچان تھی اور خط و کتابت بھی۔ گورو ہررائے کی وفات کرتار پور میں سال ۱۶۶۱ء میں ہوئی۔ (دبستان مذاہب، ص ۲۳۸۔ ہسٹری آف دی سکھس ص ۶۱)۔

(۵۴) گورو ہرکشن سال ۱۶۵۶ء میں پیدا ہوا۔ سال ۱۶۶۱ء میں حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازیؒ کی صحیح رائے سے باپ کا جانشین ہوا۔ ۱۶۶۴ء میں دہلی سے لوٹ کر چیچک کی بیماری سے وفات پائی۔ (ہسٹری آف دی سکھس ص ۶۲)۔

(۵۵) گورو تیغ بہادر کے قتل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے آدم حافظ نامی ایک مسلمان کی پیروی کرتے ہوئے بغاوت، فتنہ و فساد اور رہزنی کا طریقہ اختیار کیا تھا اور مسلمان دولت مند آدمیوں کو لوٹتا تھا۔ اس لئے شاہی فوج تیغ بہادر کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دی گئی۔ کافی جنگ و جدل کے بعد گورو تیغ بہادر کو ہمراہیوں کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ یقین کے قریب ہے کہ شاہی حکم سے ۱۶۷۵ء میں بغاوت و سرکشی کے پاداش میں قتل ہوا (ہسٹری آف دی سکھس مصنفہ کنگھم ص ۶۵) لیکن عمدۃ التواریخ کے مصنف سوہن لال کے الفاظ میں گورو تیغ بہادر اعلان جنگ کرنے کے نتیجے میں ایک جلاد کے ہاتھوں مارا گیا۔ (کشیر جلد ۲ ص ۷۰۳)۔

(۵۶) گورو گوبند سنگھ فرزند گورو تیغ بہادر سکھوں کا دسواں گورو ہے۔ ۱۶۶۶ء میں ہندوستان کے صوبہ بہار کے شہر پٹنہ میں پیدا ہوا اور باپ کی وفات کے بعد آنند پور میں جانشین ہوا۔ گورو گوبند سنگھ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے خلافت اور جانشین کے طریق کار کو منسوخ کر کے اسکی جگہ خالصہ جماعت (یعنی پاک لوگوں کی جماعت) قائم کی۔ نیز سکھوں میں اکالی طائفہ (خدا کے سپاہی) بھی اسی گورو کی ایجاد ہے۔ سکھوں میں پانچ علامتوں کا اختیار کرنے کے طریقے کو بھی جو پنجابی زبان میں حروف کاف سے شروع ہوتے ہیں یعنی کیس (لمبے بال)، کنگھا، کرپان (خنجر)، کچھا (گھٹنوں کے اُوپر پاجامہ کے نیچے کا کپڑا) اور کڑا (ہتھیلی میں لوہے کا حلقہ) اسی گورو کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ گورو گوبند سنگھ سال ۱۷۰۸ء میں گل خان پٹھان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جس کے باپ کو گورو نے مار ڈالا تھا۔ اس گورو نے اس بقایا رقم کی، جو گھوڑوں کی خریداری کے ضمن میں اس کے پاس باقی تھی، ادائیگی سے انکار کیا اور نوبت جھگڑے پر پہنچی اور گل خان کو قتل کر دیا گیا۔ گورو گوبند سنگھ دکن کے مقام نانديد میں، جو سکھوں میں ابچالہ کے نام سے مشہور ہے، دفن ہے۔ نظام حیدر آباد نے گورو گوبند سنگھ کی خانقاہ اور گرنتھی (گرنتھ کی محافظ جماعت) کیلئے پانچ گاؤں وقف کر رکھے ہیں (کشمیر جلد ۲ رص ۷۰۳۔۷۰۴)۔

(۵۷) ان جنگوں کی تفصیل جاننے کیلئے دیکھے ہسٹری آف دی سکھس مصنفہ کنگھم باب سوم اور چہارم۔

(۵۸) شاہ زمان جس کے دل میں ہمیشہ سے ہندوستان کو مسخر کرنے کا عزم تھا ۱۷۹۳ء میں کابل میں تخت نشین ہوا۔ ۱۷۹۵ء میں حسن ابدال فتح کیا لیکن مرکز میں بعض واقعات نمودار ہونے کی وجہ سے واپس کابل چلا گیا۔ سال ۱۷۹۸ء میں دوسری بار ہندوستان آکر کسی مزاحمت کے بغیر لاہور پر قابض ہوا۔ لیکن ایک سال کے بعد اپنے ہی بھائی محمود کی سازش کی وجہ سے لاہور کو ترک کر کے کابل چلا گیا۔ رنجیت سنگھ نے، جس کی قسمت کا ستارہ طلوع میں تھا، فرصت کو غنیمت جان کر لاہور پر قبضہ کیا۔ شاہ زمان کو سال ۱۸۰۳ء میں مذکورہ بھائی نے اندھا کر دیا اور چند سال بعد اپنی موت مرا (ہسٹری آف دی سکھس ص ۱۱۹ رص ۱۳۲ رتک)۔

(۵۹) پشاور اور ملتان کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بالترتیب ۱۸۲۳ء اور ۱۸۱۸ء میں فتح کیا (ایضاً ص ۱۶۱/۱۵۶)۔

(۶۰) مطابق ۱۸۱۸ء رنجیت سنگھ نے تین بار کشمیر کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ پہلی بار ۱۸۱۴ء میں، دوسری بار ۱۸۱۶ء میں اور تیسری بار جو آخری کوشش تھی جبار خان درانی کے ہاتھوں ۱۸۱۹ء میں فتح کیا (ایضاً ص ۱۵۴)۔

(۶۱) مطابق ۱۸۷۳ء۔

کشمیر کے لوگوں کا لباس

قدیم زمانے میں کشمیر کے لوگ جاڑے اور گرمیوں میں اُوپر سے نیچے تک پٹو (۱) کے بنے پوشاک کے پانچ طرح کے لباس پہنا کرتے تھے۔ کرتہ، پاجامہ، درمہ، کاژن اور لونگی۔ کرتہ پیشواز کی طرح کا ہوتا تھا جس کا دامن کشادہ تھا اور کشتواڑ کے لوگوں کے لباس کی مانند سینے سے کلائی تک چسپاں رہتا تھا۔ اور کشتواڑیوں ہی کی طرح پاجامہ بھی تنگ اور چست پہنتے تھے۔ درمہ کی لمبائی سات آٹھ گز اور چوڑائی ڈیڑھ گز رسے دو گز تک کی ہوئی تھی۔ یہ ملالیدہ پٹو کا سلا ہوا ہوتا تھا۔ جس کے گرد ڈوری (۲) لگائی جاتی تھی اور تین پیچوں کی صورت میں بدن پر پہنتے تھے۔ پہلا پیچ سر پر، دوسرا کندھوں اور تیسرا دائیں بغل کے نیچے ہوتا تھا اور پھر کناروں کو گردن پر گرہ دے کر باندھتے تھے۔ کاژن باریک پٹو کا ہوتا تھا۔ دس بارہ گز کا، جس کی چوڑائی پانچ چھ گرہ کی ہوتی تھی اور اسے سر پر باندھتے تھے اور لونگی کو، جو سولہ گز لمبی ہوتی تھی، کمر پر باندھنے تھے اور پولہ جسے گھاس سے رسی کی شکل دیتے تھے، مرد اور عورت پاؤں میں ڈال دیتے تھے۔

سلاطین کشمیر کے زمانے میں جب ہندوستان اور ترکستان کے لوگ یہاں آ گئے تو یہاں کے لوگوں میں ساٹھ گز لمبے دستار، اوز بکی یعنی میخ دار جوتے، کشادہ سینے والے فراخ اور طویل پیرہن، جس کی آستین ڈیڑھ گز لمبی اور تنگ و چست ہوتی تھی، پہننے کا رواج ہوا۔ نیز کہنی کے پاس آستین میں چاک دینے کا بھی رواج ہوا جسے قرابہ کہتے تھے۔ تاکہ وہاں سے ہاتھ آسانی سے نکل سکے۔ ان ہی ایام میں بغل میں کانگڑی پکڑنے کا بھی رواج

ہوا۔

میرزا حیدر کے عہد میں مسلمانوں نے کشادہ آستین والے ازار کے استعمال کو پسند کیا اور پنڈت قدیم (۳) وضع پر ہی رہے۔ افغان دور میں بھی محمدیوں نے پیرہن کی آستین کشادہ کردی اور جوتے کی جگہ فرشی جوتے کو پہنا۔ پنڈتوں نے آستین کو بدستور چوڑی دار برقرار رکھا اور قورابہ موقوف کردیا۔ البتہ عورتوں کے لباس کی آستین کو کھلا کردیا۔

سکھوں کے زمانے میں درمہ کی جگہ چادر کا استعمال ہونے لگا اور گرمیوں میں روئی کے کپڑے کی چادر کو رائج کیا گیا اور دستار میں کمی کردی گئی۔

آج کل ہندوؤں اور مسلمانوں کا لباس یکساں ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ پنڈت لوگ دراز آستین والا چوڑی دار پیرہن اور قدیم معمول کے مطابق چست ازار اور بیس گز لمبی اور ایک فٹ چوڑی پگڑی (۴) پہنتے ہیں۔ اس کے برعکس محمدی حضرات کے لباس کی آستین اور ازار کھلے ہوتے ہیں اور نصف مقدار کی ململ سر پر باندھتے ہیں۔ عام طور پر پٹو یا پشمینے کی ایک بر یا دوبر والی چادر کا استعمال جاڑے میں ہوتا ہے۔

چند سال سے پیرہن کے نیچے قمیض اور پختہ دار سینہ بند پہننے کا رواج ہوگیا ہے اور بعض شرفا میخ دار جوتوں کو ابھی بھی پاؤں میں ڈالے ہوئے ہیں۔ ورنہ عام طور پر پاپوش رائج ہے۔ نیز چند سال سے اہل دربار اور دولت مند لوگ چوغہ اور انگرکھا کی آرائش ولایتی طریقے پر کرنے لگے ہیں۔

یادداشتیں

(۱) پٹو کشمیری زبان میں اُون کے بنے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔

(۲) ڈوری یعنی رسی اور یہاں چند رسیوں سے بنی رسی سے مراد ہے۔

(۳) کشمیری برہمن۔

(۴) ہندی میں پگڑی یعنی عمامہ۔

کشمیر کے لوگوں کی خوراک

چونکہ کشمیر کے ملک میں چاول کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے، اس لئے یہاں کے رہنے والوں کو ہمیشہ سے اس کی عادت ہے۔ لیکن کسان اور حاجت مند ضرورت کی وجہ سے مکی، باجرہ اور چینا وغیرہ اجناس بھی کھاتے ہیں اور جھیل اولر کے ہانجی سنگھاڑوں کے مغز کو کوٹ کر آٹا بنانے کے بعد کھاتے ہیں۔ پنڈت لوگ فاقہ (۱) کرنے کے دنوں میں پھلوں (۲) اور میوؤں اور سنگھاڑوں کے مغز کھانے کو غنیمت جانتے ہیں۔ مسلمان گیہوں کی روٹی کو چائے کے ساتھ کھانا پسند کرتے ہیں گو کہ ضرورت پڑنے پر اور رغبت پیدا ہونے سے اسے کھاتے بھی ہیں۔

سالن:

بھیڑ کا، پرندوں کا اور مچھلیوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ ہمیشہ کرم کا ساگ اور گاہ بہ گاہ شلجم، کدو، بادنجان، پالک، میتھی وغیرہ ترکاریوں کا رواج ہے۔ کبھی کبھی جنگلی کاسنی، کاہو اور پہاڑی ساگ بھی کھاتے ہیں۔

چائے: (۲)

قدیم زمانے میں معدوم تھی۔ میرزا حیدر کے عہد میں سبز چائے یارقند سے نمودار ہوئی اور اُونچے لوگوں کو اس کی رغبت ہوئی۔ افغان دور میں سورتی چائے اور دگلی چائے اور سیاہ چائے آئی جسے سستی ہونے کی وجہ سے بعض عام لوگ پینے لگے۔ لیکن خاص لوگ اس کا

پینا عیب اورضرررسان سمجھتے تھے۔عوام میں سے بعض لوگ چائے کی ہوس میں چیڑ کے درخت کے چھلکے کوپکا کراس کے رس کو چائے کی جگہ پیتے تھےاور بعض بہی کے درخت کے پتوں کوکوٹ کراس کے جوشاندے کوچائے کی مانند پیتے تھے۔

نورہ صاحب پٹوان ایک فقیر کامل ہوا کرتے تھے۔اس نے انجبار کی جڑ (رنگ راچ) کو، جوحشیش کی ایک قسم ہے، چائے کی طرح جوش دے کر چائے کے بدلے پی لیا۔ اس جڑ سے اچھی چائے بن جاتی ہے جو کمر کے درداور بخار کیلئے مفید ہے۔اسی طرح سے لوگ اوراقسام کی مصنوعی چائے پیا کرتے تھے۔

گلاب سنگھ کے زمانے میں برطانوی حکومت کی توجہ کرنے سے پہاڑی چائے وافر مقدار میں ہوئی اورکئی سال سے لوگ عام طور پر اسی چائے کی طرف رغبت کرنے لگے ہیں۔

قہوہ:(۳)

۱۳۰۰ھ (۴) کے اواخر سے اس کا بھی رواج ہوگیا ہے۔بعض بڑے لوگ پیا کرتے تھے۔

نسوار:(۵)

اس سے قبل سکھوں کے زمانے تک بعض لوگ کشمیری نسوار کا استعمال کرتے تھے۔ گلاب سنگھ کے زمانے میں پشاوری نسوار عام ہوگئی اورشہراور گاؤں میں سب ہی چھوٹے بڑے اس کا استعمال کرتے ہیں۔

تمباکو: (۶)

یہی کوئی سو سال سے اس کا رواج ہو چکا ہے اور عام طور پر استعمال میں ہے۔

افیون:

بعض لوگ گاہ بہ گاہ کھاتے ہیں۔

شراب:

پہلے رنبیر سنگھ کے حکم سے ممنوع تھا لیکن عیاش لوگ چوری چھپے اس کا شغل کرتے تھے۔ اب تو عام ہے اور ہندو کم و بیش اس کی طرف راغب ہیں۔

یادداشتیں

(۱) متن میں برت۔یعنی روزہ (فاقہ)۔

(۲) متن میں پھل ہار۔فلو ہار کشمیری لفظ ہے جو پھل یعنی میوہ اور وہار یعنی خوارک سے مرکب ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک فلو ہار ایسی خوراک ہے جو کلی طور پر میوؤں پر مشتمل ہے۔

(۳) یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ چائے کی اصل چین کے ملک سے ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ چی ننگ کے زمانے میں (۲۷۳۷ ق م) چین کی سرزمین میں چائے پینے کا رواج تھا جیسا کہ تاریخ کی ایک کتاب سے جو حضرت عیسیٰؑ سے پانچ سو سال پہلے لکھی گئی اور کان فوکس نے اس کے حاشیے لکھے ہیں، ظاہر ہو جاتا ہے کہ پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ چین میں دوائی اور علاج معالجہ کیلئے چائے کو استعمال کیا جاتا تھا لیکن ۷۸۰ء سے یولونامی ایک شخص نے چائے پر جو کتاب لکھی ہے اس سے یہ بات تحقیقی ہو چکی ہے کہ کشمیر میں چائے نباتات کی جڑ کی قسم کی معروف دوائی کے طور پر مستعمل تھی اور یورپ میں چائے کا وجود سولہویں صدی عیسوی سے بتلایا گیا ہے۔لیکن چائے پینے کی عادت انگستان میں سترہویں صدی کے وسط میں ہوئی جب ولندیزی ملاحوں نے قلیل مقدار میں مشرقی ممالک سے انگلستان میں چائے پہنچادی۔۱۸۲۰ء میں چائے کا پودا ہندوستان کے آسام صوبے کے میدانوں میں دریافت ہوا۔۱۸۳۴ء میں مشرقی ہند شرکت، جس کا اس زمانے میں ہندوستان پر غاصبانہ تسلط تھا، کی طرف سے چائے کا بیج لانے کیلئے چین کی طرف ایک وفد روانہ کیا گیا لیکن جب معلوم ہوا کہ بیج لائے بغیر ہی چینی چائے کی آسام میں کاشت ہو سکتی ہے تو مذکورہ وفد کو واپس بلایا گیا۔ اسی سال مذکورہ شرکت نے کماؤں میں چائے کی کاشت شروع کی اور ۱۸۳۵ء میں چائے کا اولین باغ آسام کے لکھیم پور میں مذکورہ شرکت کے تحت وجود میں آ گیا۔تھوڑی مدت میں چائے کی پیداوار نے ایسی اہمیت پیدا کی کہ اب دنیا کے بیشتر ملک ہندوستان سے چائے منگواتے ہیں۔ ہندوستان میں یہ جگہیں چائے کے مراکز ہیں: آسام، بنگال، بہار، اوڑیسہ، یوپی اور پنجاب (خلاصہ از چمبرز انسائیکلوپیڈیا جلد ۹ ص ۸۹۴)۔

(۴) قہوہ سے ترکی قہوہ مراد نہیں بلکہ کشمیر میں میٹھی چائے بغیر دودھ کے بھی قہوہ کہلاتی ہے۔

(۵) ۱۸۸۲ء۔

(۶) سفوف (پوڈر) کی ایک قسم جسے ضرورت کے وقت عادی لوگ ناک کے اندر ڈال دیتے ہیں (چمبرز کے انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۵۲/ ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ نسوار کا استعمال ۱۵۶۱ء سے دنیا میں موجود ہے)۔

(۷) یعنی تمباکو۔

کشمیر کے حادثات و مصائب

اگلے زمانوں کے مؤرخوں نے سلاطین کے عہد تک اس سرزمین کے حادثات و مصائب کو، جیسے قحط، وبا اور زلزلے وغیرہ کو جیسا کہ تاریخ نویسی کا طریقہ ہے، لکھنے سے پہلو تہی کی ہے۔ لیکن متاخرین وقائع نویسوں نے یہاں کی بعض آفتوں اور حادثوں کا، جو ذکر کیا ہے، ان کو بیان کیا جاتا ہے:

کشمیر کی خشک سالیاں

پہلا واقعہ:

راجہ تونجین (۳۰۰۷ کلجگ) کے عہد حکومت میں برف و بارش کی وجہ سے جو بھادوں ماہ میں پے در پے دو تین ہفتوں تک جاری رہی، فصل کے کچے رہ جانے سے عظیم قحط اٹھا۔ جس میں لوگوں نے آدمیوں کے گوشت کھانے کو غنیمت جانا۔ انصاف سے کام لے کر اول تو مذکورہ راجا نے موجودہ غلے کو محتاجوں کیلئے وقف کر دیا پھر اسکے بعد خزانوں اور دفنیوں کو مصرف میں لایا اور لوگ پھر بھی بھوک! بھوک! کی صدائی دیتے تھے۔ راجہ موصوف کو مجبور ہو کر چارہ و تدبیر کی کوئی راہ سجھائی نہیں دی اور بھوک کے بیماروں کی تیمارداری کرنے کے غم میں رنجیدہ و آزردہ خاطر ہو کر اپنے شبستان میں داخل ہوا اور خود کو زندہ جلانے کی فکر کرنے

لگا۔اس کی بیوی نے جس کا نام داگہ پشٹا تھا اسے خود کو جلا کر اپنی جان ضائع کرنے سے روکا اور کہا کہ اس پیدا کرنے والے کے فضل ورحمت کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں اور اسکی عظمت و عنایت کا دسترخوان بے پایاں ہے۔بہتر یہی ہوگا کہ آج رات میں اور تم دونوں، ہم اور میں سے بالاتر ہوکر، عجز وزاری کے ساتھ حضرت باری کی بارگاہ میں التجا کر کے زحمت وذلت کی موجوں کے تلاطم سے نجات پانے کی اُمید کریں۔ہوسکتا ہے کہ ہماری بے لاگ التجا کی قبولیت سے یہ بلا ہم سے ٹل جائے۔اپنی بیوی کی ہدایت پر راجا رات بھر درگاہ کبریا میں التجا کرتا رہا۔دوسرے روز موسیٰ کی قوم کی طرح آسمان سے من وسلویٰ نازل ہوا یعنی ہر آدمی کے بغل میں دو بھنے ہوئے کبوتر پہنچتے رہے جب تک فصل پختہ ہوئی اور سختی کے دن گذر گئے۔

دوسرا واقعہ:

راجہ پارتھ (۱) کے عہد میں بارش کی کثرت کی وجہ سے دریاؤں میں طغیانی آگئی۔ فصل برباد ہوا اور قحط عظیم پڑا۔دفن نہ کیئے جانے کے سبب مردے مچھلیوں کی خوراک بن گئے۔

تیسرا واقعہ:

راجا ہرش دیو کے عہد میں سال ۱۱۷۹ بکرمی (۲) میں بارشوں کی کثرت اور سیلاب سے پیداوار تلف ہوئی اور سخت قحط واقع ہوا کہ شالی کی ایک خروار ہرش دیوسکہ میں پانچ سو فلوس کی قیمت تک پہنچی اور مس کے وزن میں بھیڑ کی اُون اور جو کا آٹا بکتا تھا۔نمک اور مصالح جات کا نام ونشان تک نہ تھا۔

چوتھا واقعہ:

سلطان علاء الدین کے زمانے میں ۵۸۷ھ (۳) میں بے وقت بارشوں کی وجہ سے قحط پڑا۔ بہت سے لوگوں کی جانیں ضائع ہوگئیں۔

پانچواں واقعہ:

سلطان زین العابدین کے زمانے میں ۸۷۵ھ (۴) میں بارشوں کی کثرت کی بنا پر پیداوار کچی رہ گئی اور قحط ظاہر ہوگیا۔ سلطان نے محتاج لوگوں کے حق میں خزانے اور دفینے وقف کر کے قحط زدوں کی جان بچالی۔

چھٹا واقعہ:

سلطان محمد شاہ کی حکومت میں سال ۹۳۹ھ (۵) میں سلطان سعید خان والئی کاشغر نے کشمیر کو فتح کرنے کیلئے چار ہزار سوار فوج متعین کی، جن سے جنگ وقتال میں سارا جاڑا گذر گیا اور ہار کے مہینے میں جنگ کا خاتمہ صلح پر ہوگیا۔ اس فتنہ وفساد کی وجہ سے زراعت کامیابی کے ساتھ نہیں ہو پائی اور قحط وسختی اس حد تک بڑھ گئی کہ باپ اپنے بیٹے کے منہ سے اور ماں بیٹی کے ہاتھ سے زبردستی کر کے لقمہ چھین لیتی تھی۔ دو سال تک بہت سی خلق خدا کی جانیں تلف ہوگئی۔

ساتواں واقعہ:

علی شاہ چک کی حکومت میں ۹۸۴ھ (۶) میں اسوج کے مہینے میں بارشوں اور برفباری کی شدت سے کشمیر میں غلے کا وہ قحط پڑا کہ قحط سے مرے ہوئے لوگوں کا گوشت زندہ بچے ہوئے لوگ کھاتے تھے۔ علی شاہ نے اپنا معمور خزانہ محتاجوں کیلئے وقف کر کے بند

گان خدا کی تکلیفیں اور غم اپنے اُوپر برداشت کر لئے۔ دو سال ایسے ہی گذرے، تیسرے سال میں زیتی شاہ مجذوب (۷) کو راہ میں دیکھا اور پوچھا: ''مستانے! یہ مصیبت کب تک باقی رہے گی؟'' کہا: ''جب تک تو زندہ ہے''۔

سال ۹۸۶ھ میں علی شاہ عید (۸) کے روز چوگان کھیل رہا تھا۔ اچانک جھکنے سے اسے انتڑیوں میں جھٹکا لگا اور اسی وقت زندگی کی چوگان اسکے ہاتھ سے نکل کر اس نے ملک عدم میں آسودگی پائی۔ تب کہیں قحط ٹل گیا (۹)۔

بیان ہوا ہے کہ قحط پڑنے سے پہلے زیتی شاہ مستانہ راستے میں کہیں جا رہا تھا۔ خوراک کے چند دانے بیت الخلاء سے اٹھا کر کہا: ''اے دنیا کی محبوب چیز! تو نے خود کو کیوں اس قدر بے عزت کر دیا ہے؟ کچھ عرصے کیلئے اب خود کو چھپا دو''۔ اچانک بے موسم بارشوں کے آنے سے کشمیر میں تین سال تک قحط پڑا اور زیتی شاہ مجذوب، جو علی شاہ کے قبیلے سے تھا ہر روز اس کے باورچی خانے میں گھس کر کہتا تھا: ''چولھا گرم کرو''۔ ایک روز علی شاہ کے شبستان میں داخل ہوا اور علی شاہ کی بیوی کے پاس ہم زانوں بیٹھ گیا۔ علی شاہ دروازے سے اندر آ گیا اور سختی و عتاب سے اسے باہر نکال دیا۔ مستانہ نے باورچی خانے میں جا کر تمام دیگوں کو الٹ پلٹ کر دیا اور کہا: ''آگ کو ٹھنڈا کر دو''۔ اس کے بعد عیدگاہ میں چلا گیا اور ہاتھ کی لاٹھی پر چڑھ کر دوڑنے لگا اور لاٹھی کو رسی جان کر کھینچتے ہوئے کہتا جاتا تھا: ''متی کور گونگلُ ھَتہِ لج کھار'' یعنی دیوانے نے ہل چلایا اور شالی کی ایک خروار ایک فلوس کی قیمت پر بکی۔ ان ہی دنوں میں قحط اٹھ گیا۔ لوہر چک کے (۱۰) زمانے میں ایک فلوس میں شالی کی ایک خروار بکتی تھی۔

آٹھواں واقعہ:

اکبر بادشاہ کے عہد سلطنت میں ۱۰۱۳ھ (۱۱) میں، جب میرزعلی اکبرنائب حاکم تھا، بے موسم بارشوں کی وجہ سے ایک عظیم قحط برپا ہوا اور ملک نے ویرانی کی طرف رُخ کیا۔ اللہ کے بہت سے بندے ضائع ہو گئے۔ اکبر بادشاہ نے پنجاب اور لاہور سے کافی غلہ بھیجا لیکن وہ کافی نہیں پڑا۔ دو سال اسی حالت میں گذرے۔

نواں واقعہ:

شاہجہان کے عہد سلطنت میں ۱۰۵۷ھ (۱۲) تربیت خان کے وقت میں خریف کی ہواؤں میں خنکی پیدا ہونے کے باعث غلے میں بہت نقصان ہوا ور سخت قحط پڑا۔ غذا کی نابودی کی وجہ سے لوگ فوت ہوئے۔ شاہجہان نے گجرات اور ملتان اور لاہور سے کافی غلہ روانہ کیا اور امراء بلکہ اپنے حرم خانے سے بھی بھاری رقم لے کر قحط زدوں کو دے دی۔

دسواں واقعہ:

عالمگیر بادشاہ کے عہد میں جب حفظ اللہ خان (۱۳) کشمیر کا حاکم تھا فصل میں کمی ہو گئی اور غلے کی قحط کی وجہ سے لوگ نہنگ مرگ کی غذا بن گئے اور ملک درہم برہم ہو گیا۔

گیارہواں واقعہ:

محمد شاہ غازی (۱۴) کی بادشاہت کے دوران اعظم خان کی نیابت کے وقت ۱۱۳۶ھ (۱۵) میں بارشوں کی کثرت کے باعث قحط پڑا اور شالی کی خروار آٹھ روپے تک پہنچ گئی۔ چاول سونا ہو گیا اور بندگان خدا جوق در جوق ہلاک ہو گئے۔ چھ مہینوں تک قحط کی سختی حاوی رہی اور اثر دو سال تک باقی رہا۔

بارھواں واقعہ:

محمد شاہ کے عہد اور احترام خان کی حکومت میں ۱۱۴۴ھ (۱۶) میں فصل کچی رہ جانے کے باعث قحط کی آگ بھڑک اٹھی۔ احترام خان نے یہاں کے رئیسوں کے اُکسانے پر غلے کی خاطر ہر کسی کے ساتھ دست اندازی کی اور شہر میں عجیب آشوب بپا ہو گیا۔ عوام نے پیٹ کی خاطر نیز اہل فساد کی تحریک پر شورش اُٹھائی اور داروغہ عُدالت فضلیت خان اور محمد اشرف خان مفتی کو غلے کی گرانی میں اصلاح کرنے کیلئے ان کے گھروں سے نکال کر جامع مسجد میں لے گئے اور وہاں ہنگامہ اور فساد برپا کر کے ان دونوں فاضل آدمیوں کو قتل کر دیا اور غلہ داری کی تہمت میں کئی لوگوں کے گھروں کو لوٹ کر ان میں آگ لگادی۔

اسی سال مظفر آباد کے بمبوں نے بھی شورش برپا کر کے ملک کشمیر کو لوٹ لیا۔

تیرھواں واقعہ:

محمد شاہ کی بادشاہت کے اور افراسیاب خان کی نیابت کے ایام میں ۱۱۵۹ھ (۱۷) میں بمبوں کے لوٹ کرنے کے سبب لوگ پامال اور خستہ حال ہو چکے تھے۔ اس پر علاوہ یہ ہوا کہ بہار کے موسم میں بارشوں کے برسنے کی وجہ سے کھیتیاں بالکل ہی پنپ نہ سکیں اور سخت قحط ظاہر ہوا۔ بے رحم بن کر غلہ فروشوں نے غلہ چھپا دیا۔ قہر الٰہی کی تند و تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ چاول کے دو سیر بھی ایک دو وپے میں کسی کو نہیں ملتے تھے۔ لوگوں نے زیورات و ملبوسات کو مٹی کے مول فروخت کر ڈالا۔ اول تو قحط زدہ مردوں کو گھاس میں چھپا کر دفن کرتے تھے لیکن بعد میں کتوں، بلیوں اور آسمانی پرندوں نے مردوں کو کھا کھا کر زندوں پر احسان کیا۔ بعض بھوکوں نے خود اپنے بچوں کو چبا کر کھا لیا۔ دو تین تنگوں سے زیادہ مول نہ

رکھنے والی ہزاروں لڑکوں اور لڑکیوں کو بیچ ڈالا گیا۔ ایک تہائی آبادی ہلاک ہوگئی۔ ایک تہائی فرار ہوگئی اور ایک تہائی باقی رہ گئی۔ سات ماہ سے زیادہ عرصے تک قحط کی سختی برقرار رہی۔ اس کے بعد فصل اُگ آئی۔ دوسرے سال خود پیدا کردہ قحط ہوا کہ ایک خروار کو سات روپے میں بیچنے لگے۔

اس کی تاریخ قہر مردم کشمیر (۱۸) سے نکالی گئی ہے۔

چودھواں واقعہ:

احمد شاہ درانی کے زمان سلطنت میں ۱۱۶۹ھ (۱۹) میں، جب سوکھ جیون مل حاکم تھا، بارشوں کی کثرت کی وجہ سے غلہ گران ہوگیا۔ خواجہ ابوالحسن خان بانڈے جو مالیہ کا مختار تھا، اس کا کفیل ہوگیا اور اس نے غلے کے موجود قلیل ذخیرے کو اپنی حسن تدبیر سے ہر گھر میں پہنچا دیا۔

چونکہ اول بہار میں زمیندار لوگ بیج کیلئے بیکار بیٹھے تھے، خواجہ نا موار نے غلہ میں سے ایک ایک خروار نکال کر رعایا میں مساوی طور پر بانٹ دی کہ اگلے سال جنس کے طور پر وصول کروں گا۔ آہستہ آہستہ ۱۲۵۰ھ (۲۰) تک لوگوں کے پاس اتنی رقم باقی رہ گئی کہ سال بہ سال ہر خروار پر ایک ترک اور ہر روپے پر ایک آنہ اضافہ وصول کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد معاف ہوا۔

پندرھواں واقعہ:

حکیم نورالدین خان کے زمانے میں ۱۱۷۹ھ (۲۱) میں فصل کی کمی اور پیداوار میں قلت اس حد تک پہنچی کہ خاص و عام دام بلا میں گرفتار ہوگئے۔ چھ ماہ تک قحط بڑا سخت تھا۔

سولھواں واقعہ:

سردار عظیم خان کے زمانے میں ۱۲۲۹ھ (۲۲) میں فصل کے خام رہ جانے کے سبب قحط نے سر اٹھایا اور شالی کی ایک خروار سولہ روپے میں بیچی جانے لگی۔ زندہ بچ جانے والے مردوں کے گوشت کو حلال سمجھتے تھے۔ دو ایک سال سختی میں گذرے لیکن پانچ سال تک گرانی کا اثر باقی تھا۔ قحط سال عظیم تاریخ (۲۳) ہے۔

سترھواں واقعہ:

رنجیت سنگھ کی حکومت اور شیر سنگھ کی صوبہ داری کے ایام میں سال ۱۲۴۸ھ (۲۴) (سموت ۱۸۸۹ بکرمی) میں موسم بہار کے اوائل میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر کی سیر کرنے کیلئے پونچھ میں اپنی جاہ وحشمت کے خیمے نصب کئے اور تیاریوں کیلئے شیخ غلام محی الدین اور جمعدار خوشحال سنگھ کو پہلے کشمیر بھیج دیا۔ انہوں نے کمال جوش وخروش کے ساتھ غلہ ضبط کر کے قحط کی آگ کے شعلوں کو آسمانوں تک پہنچا دیا۔ قحط کی خبر سنتے ہی رنجیت سنگھ پونچھ سے واپس لاہور چلا گیا۔ ادھر خوشحال سنگھ نے ظلم واستبداد اور غلے کو ضبط کرنے کی راہ سے قحط کے بارود خانے میں آگ لگا دی اور لوگ بھوک کی آگ میں ایندھن کی طرح جل گئے۔

کتک کے مہینے میں جب کہ شالی ابھی کاٹی نہیں گئی تھی کثرت سے برفباری ہوئی اور فصل برف کے نیچ دب کر ضائع ہوئی اور قحط کی تنگی ایسی سخت ہوگئی کہ لوگوں نے اپنے زیورات اور آلات واسباب کو مٹی کے مول بیچ ڈالا۔ زندہ بچے ہوئے لوگ مردوں کو بے تحاشا کھا لیتے تھے۔ اکثر لوگوں نے بچوں کو فلوس اور چند لقموں کے عوض دوسروں کی تحویل میں دے دیا۔ چاول کے دو سیر ایک روپے میں بھی نہیں ملتے تھے۔

سال ۱۲۵۰ھ میں کرنیل میاں سنگھ کشمیر کا حاکم مقرر ہوا۔ جب وہ شیر گڈھ میں داخل ہوا تو محل کے بڑے کمرے کی چھت پر آ گیا۔ اُسے سارے شہر میں کہیں روشنی کیلئے چراغ بھی جلتا نظر نہیں آیا اور نہ ہی کہیں سے صبح کے مرغ کی آواز سنی۔ بازاروں اور سڑکوں پر بھنگ اُگتی دیکھی۔ یہ دیکھ کر وہ غم واندوہ میں ڈوب گیا۔ آخر کمال کوشش اور جد وجہد کے ساتھ اس نے پنجاب اور پہاڑ کے علاقوں سے شالی وغیرہ مہیا کروا کے یہاں تخم ریزی کی اور پنجاب سے انڈے منگوائے اور بہت احسان سے کام لے کر ملک کو آباد کیا۔ قحط کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی اور دوسرے سال ارزانی ہوگئی۔

اٹھارواں واقعہ:

رنبیر سنگھ کے عہد حکومت اور وزیر پنوں کے انتظامی دور میں ۱۲۸۱ھ (۲۵) (سموت ۱۹۲۱ بکرمی) میں شالی کی فصل میں تھوڑی سی خامی پیدا ہوگئی اور کسی کے ذہن میں قحط اٹھنے کا خیال تک نہ تھا۔ بہار کے دنوں میں غلے کی تنگی واقع ہوئی اور غلے کے موجود ہونے کے باوجود بھی کسی شخص کو رشوت دیئے، چارہ سازی کئے، صعوبت اٹھائے اور جانبازی کا مظاہرہ کئے بغیر ایک دانہ بھی ہاتھ نہیں آتا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی مہاراجہ رنبیر سنگھ نے قحط کو ہٹانے کے انتظام کی خاطر دیوان کرپارام کو کشمیر روانہ کر دیا۔ اس ناموار آدمی کے داخل ہونے سے پہلے غمخوار حاکم نے فوراً ہی موجود غلے کو طلب گاروں کی رقم اور ملازموں کی تنخواہ میں فروخت کر ڈالا۔ چند ہی روز میں اسے طلب گاروں نے صرف کر ڈالا اور جب دیوان جیٹھ کے مہینے میں آیا تو کل ساٹھ ہزار خروار شالی موجود تھی۔ اپنی نیک نیتی سے دیوان موصوف نے ذخیرہ کی کمی کے باوجود بازاروں میں غلہ کثرت سے مہیا کرایا کہ کسی کو قحط کے آثار دکھائی نہ دیئے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ایک کثیر رقم خرچ کر کے پنجاب اور لاہور سے بھاری مقدار میں غلہ کشمیر میں پہنچا کر اس کی قیمت کو سستا کر دیا اور ایک لاکھ روپے کی قیمت کا پنجاب کا غلہ محتاجوں اور مسکینوں میں مفت بانٹ دیا۔ کتک کے مہینے میں دیوان نے نئے فصل کی ساٹھ ہزار خروار شالی شہر میں پہنچا دی اور ہر گھر کو یکبار ایک خروار بخش کر قحط کو ہٹا ڈالا۔ اس واقعہ میں کسی کو بھی جان کا صدمہ نہیں پہنچا۔

انیسواں واقعہ:

(۲۶) رنبیر سنگھ کی حکومت اور وزیر پنوں کے انتظامی عہد میں ۱۹۳۴ھ کے (سموت ۱۹۳۴ بکرمی) کتک کے مہینے میں، جبکہ شالی کی فصل کھیتوں میں کاٹی جانے کے قریب تھی، آسمان سے اندھیروں کی طرح بارش اترنے لگی جو متواتر ڈھائی ماہ تک ہجوم کی صورت میں جاری رہی۔ دریائے بہت میں طغیانی آگئی اور جھیل ولر میں سیلاب آیا اور شالی کی فصل مٹی میں لت پت ہوگئی۔ جو کچھ کٹ چکی تھی وہ خرمنوں میں سڑ گئی۔ حاکم کو قحط کا خیال تک نہ آیا۔ دو لاکھ خروار شالی کا ذخیرہ کام کے فکر میں ضائع ہوا اور بہار کے دنوں تک قحط کے کوئی آثار نہیں تھے۔

بہار کے آغاز میں زمیندار لوگ بیجوں کے محتاج ہو گئے۔ وزیر نے حکم دیا کہ دیہات میں ہر شخص کی خانہ تلاشی کر کے شالی باہر لائی جائے۔ حکم نکلتے ہی زمینداروں کے گھروں کی تین دفعہ تلاشی کی گئی اور جہاں کہیں سے ایک دانہ بھی ملا لے گئے۔ خانہ تلاشیوں کے واقعات سے قحط کی آگ بھڑک اٹھی اور بہت سے چولہوں سے دھواں تک نہیں اٹھا۔ اکثر لوگ دفن نہ کئے جانے کے سبب کتوں اور جانوروں کی غذا بن گئے۔ چونکہ پنجاب کے تمام راستے بند تھے، اس لئے ہزاروں لوگ پہاڑوں اور سڑکوں پر راستہ بند پڑنے کے سبب

مر گئے۔ شہر میں ایک ہفتے یا دو ہفتوں کے بعد آدھ سیر سڑی ہوئی شالی رسد کے طور پر دی جاتی تھی۔ بازار میں ایک روپے میں تین سیر غلہ بھی نہیں ملتا تھا۔

دریا دلی اور ہمت کی بلندی سے کام لے کر مہاراجہ رنبیر سنگھ نے پنجاب سے ایک لاکھ پچانوے ہزار سات سو چودہ من غلہ منگوا کر شہر میں پہنچا دیا اور شہر میں غریب گھروں کو متعین کیا۔ اور اپنے دفینوں اور خزانوں کو خالی کر کے لوگوں کی جان بچالی۔ تقریباً ڈھائی سال تک قحط کی آگ جلتی رہی اور سال ۱۲۹۷ھ (۲۷) میں درگاہ خداوندی سے مکمل طور پر فصل عطا ہوئی۔ قحط کی آگ بجھ گئی۔ مسلمانوں کے فرقے کا ایک حصہ تباہ ہوا اور دو حصے بچ گئے۔ ہندوؤں میں سے کسی کو بھی اس حادثے سے نظر بد نہ لگی۔

کشمیر میں وبا کے حادثے

اگلے زمانوں میں عام وباؤں کے حادثات کا زبانوں پر کوئی ذکر نہیں۔ ہوسکتا ہے واقع ہی نہ ہوئے ہوں (۲۸)۔ چغتائی بادشاہوں کی حکومت کے عہد میں جو واقعات ہوئے ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلا حادثہ:

احمد بیگ خان (۲۹) کے زمانہ حکومت میں ۱۰۲۴ھ (۳۰) میں واقع ہوا اور ایسی حالت ہوگئی کہ تکفین و تجہیز کیے بغیر مردوں کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ حسن شال ایک امیر آدمی تھا، اس کی ساری جائیداد خاک میں مل گئی۔ اس کے پاس چوپایوں کی بڑی تعداد تھی۔

کسی نے ان کا خیال تک نہ کیا اور وہ جنگل کا رُخ کر کے بھاگ گئے۔ چالیس روز تک یہ حادثہ بڑھتا ہی گیا۔

دوسرا حادثہ:

آزاد خان (۳۱) کے عہد میں ۱۱۹۸ھ میں یہاں کے لوگوں پر طاری ہوا۔ صرف شہر کے اندر ہزاروں لوگ وادی فنا کی نذر ہو گئے۔ دیہات کے اطراف میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

تیسرا حادثہ:

دیوان موتی رام (۳۲) کے ایام حکومت میں ۱۲۳۵ھ میں یہاں کے لوگوں سے انتقام لے کر ہزار ہا خاص و عام کو ہجوم در ہجوم موت کے خیموں میں دھکیل دیا۔

چوتھا حادثہ:

دیوان کرپا رام کے جاہ و جلال کے وقت میں ۱۲۴۳ھ (۳۳) میں اس گلستان کے باشندوں پر حاوی ہو کر ایک مہینے تک دن بہ دن بڑھتا گیا۔ ہزار ہا ہزار لوگ جادۂ روزگار سے دار القرار میں پہنچ گئے۔

پانچواں حادثہ:

شیخ غلام محی الدین کے زمانہ حکومت کے دوران ۱۲۶۴ھ (۳۴) میں رجب مہینے کے اوائل میں نمودار رہا۔ ماہ رمضان کے آخر تک اس گلستان کے لوگوں کے سرمایہ جان کو لوٹ کر انہیں صحرائے عدم میں پہنچا دیا اور مردوں کو کفنائے بغیر ننگے بدن ہی گھاس سے ڈھک کر دفن کیا گیا۔

چھٹا حادثہ:

رنبیر سنگھ (۳۵) کی حکومت میں ۱۲۷۴ھ (۳۶) (سمت ۱۹۱۴ بکرمی) میں مگھر اور پوہ کے مہینوں میں برف کے مرگ زار میں بندگان خدا کو دفن کر کے ہزار ہا ہزار مٹ گئے۔ اس کے بعد تین مہینوں تک مہلت دے کر سمت ۱۹۱۵ بکرمی کے بیساکھ اور جیٹھ مہینوں میں پھر سے لوٹ آیا۔ دو مہینوں تک پھر جوش وخروش کے ساتھ لوگوں کو مار ڈالا۔

ساتواں حادثہ:

رنبیر سنگھ حکومت کے زمانے میں ۱۲۸۴ھ (۳۷) میں (سموت ۱۹۲۴ بکرمی) وبا نے سر اُٹھا کر تین چار ماہ کی مدت میں ہزاروں انسانوں کو موت کی وادی میں پہنچا دیا۔

آٹھواں حادثہ:

پھر مہاراجہ موصوف کے زمانہ جاہ وجلال میں ۱۲۸۹ھ (۳۸) میں ساون کے مہینے میں (سموت ۱۹۲۹ بکرمی) وبا نے نمودار ہو کر تین چار ماہ تک لوگوں کو موت کے اژدہا کے منہ کی غذا بنا دیا۔ ان ہی دنوں میں شیعہ لوٹ بھی واقع ہوا۔ اس حادثے کی تاریخ ہے جگر سوخت (۳۹)۔

نواں حادثہ:

پھر رنبیر سنگھ کی حکومت میں ۱۲۹۳ھ (۴۰) (سمت ۱۹۳۳ بکرمی) میں وبا نے لوگوں کو تنگ کر کے تیرہ مہینوں تک اپنا کام جاری رکھا اور بہت سے بندگان خدا کو موت کے زاویے میں پہنچا دیا۔

دسواں حادثہ:

پھر مہاراجہ رنبیر سنگھ کی حکومت میں ۱۲۹۶ھ (۴۱) میں (سموت ۱۹۳۶ بکرمی) چالیس روز تک صرف شہر کے اندر اپنا ہنگامہ گرم کر کے اکثر بندگان خدا کو موت کی وادی میں پہنچا دیا۔ اسی سال قحط کی مصیبت بھی بڑی سخت تھی۔

کشمیر کے بھونچال

پہلا سانحہ:

جس زمانے میں جھیل ولر کی جگہ پر سندمت نگر شہر آباد تھا، وہاں کے لوگوں پر بدکاری کی وجہ سے عذاب نازل ہوا اور سندر سین (۴۲) کے عہد میں رات کو ایسا بڑا بھونچال آیا کہ سارا شہر اُجڑ گیا اور زمین کی سطح پھٹ جانے سے ایک ایسا چشمہ پانی کا اُبل پڑا کہ سارا شہر آنکھ جھپکنے میں طوفان کی نذر ہو گیا۔ اب اس چشمے کو ولرناگ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔

دوسرا سانحہ:

راجہ اونتی ورما (۴۳) کے عہد میں سموت ۹۴۰ بکرمی میں رات کو بڑا زلزلہ آیا۔ بارہمولہ کی طرف میں واقع کھادہ نیار پہاڑ کا ایک حصہ دریائے بہت کی گہرائی میں لڑھک کر آ گرا اور پانی کے بہاؤ کو روک دیا اور زمین کی سطح کو بیج بہارہ تک سیلاب کی زد میں لے آیا اور سارے دیہات اور سب کھیتی برباد ہو کے رہ گئی۔ اس کے بعد دانا سو کی تدبیر سے پہاڑ

کے پتھروں کو پانی کی گہرائیوں سے نکال کر اور پانی کا راستہ صاف کر کے زمین نمودار ہوگئی۔

تیسرا سانحہ:

فتح شاہ کی حکومت کے ایام میں ۹۰۷ھ (۴۴) میں ۱۲/اسوج کو رات کا ایک پہر ڈھلنے کے بعد ایک بڑا زلزلہ آیا جس سے بہت سے بندگان خدا کی جانیں تلف ہوئیں اور گھر برباد ہو گئے۔ تین مہینے تک زمین و زمان ہلتے رہے۔ اس کے بعد وقت گذرنے کے ساتھ قرار پایا گیا۔

چوتھا سانحہ:

اسماعیل شاہ کے زمانے میں ۹۶۰ھ (۴۵) میں سخت بھونچال آگیا جیسے کہ قیامت کا بھونچال تھا۔ عمارتیں لوگوں کے ہمراہ زمین میں دھنس گئیں۔ گھر خاک کے ساتھ برابر ہو گئے۔ زمین کی سطح میں وسیع شگاف پڑ گئے اور بعض قدیم چشمے غائب ہو گئے اور نئے چشمے اُبل پڑے۔ ایک ہفتے تک ایک ہی بھونچال حرکت میں تھا اور دو ماہ کے بعد زمین میں سکون آگیا۔ عجیب حالات وجود میں آ گئے۔ کہتے ہیں نندہ مرگ کے متصل آڈون پرگنے میں دریائے ویشو کے کنارے پر ایک دوسرے کے مقابل میں ایک میل دور حسن پور اور حسین پور نامی دو گاؤں واقع تھے۔ نصف رات کو دونوں گاؤں ایک دوسرے سے بدل گئے اور حسین پور کی جگہ پر حسن پور اور حسن پور کی جگہ پر حسین پور نمودار ہو گئے۔ چنانچہ اس وقت حسین پور کی زراعتی زمین حسن پور کی طرف میں ہے اور حسن پور والوں کی زمینیں حسین پور کی طرف میں واقع ہیں اور دونوں گاؤں کے بیچ میں سے دریائے ویشو بہتا ہے۔ یہ بات تو کشمیر میں ضرب المثل ہے۔ نیز کامراج پرگنہ کے ماورہ ضلع میں پہاڑ کا ایک ٹکڑا لڑھک کر نیچے آ گرا اور چھ سو آدمیوں کو مار ڈالا۔

پانچواں سانحہ:

سیف خان کے عہد حکومت میں ۱۰۸۰ھ (۴۶) میں ۳ ر صفر کی تاریخ کو بھونچال کا حادثہ ظاہر ہوا۔ شام سے صبح تک سبھی عمارتیں گہوارے کی طرح حرکت کرتی اور ہلتی رہیں۔ البتہ جانوں کا اتنا زیادہ زیاں نہیں ہوا۔

چھٹا سانحہ:

ابراہیم خان (۴۷) کی صوبہ داری کے زمانے میں پہلے سیلاب کی طغیانی ہوئی پھر اسکے بعد سخت بھونچال آنے سے گھر برباد ہو گئے اور جانیں موت سے ہمکنار ہو گئیں۔ بہت عرصے تک زلزلہ قائم رہنے سے لوگوں کے حالات متزلزل تھے۔ زلزلہ زدگان نے الگ گھر بنوائے۔ اس کی تاریخ ہے طغیان بے حد۔

ساتواں سانحہ:

دل دلیر خان کی نیابت کی حکومت کے زمانے میں ۱۱۴۸ھ (۴۸) میں ۲۲ ر ذی قعدہ کو ایک عظیم بھونچال، جو قیامت کبریٰ کی نشانی تھا، ظاہر ہوا اور ایک ہی جھٹکے سے شہر و دیہات میں گھر زمین بوس ہو گئے اور گویا ایک پورے عالم کی جانیں برباد ہو گئیں۔ قریب تین ماہ تک یہ بھونچال جھنجھوڑتا رہا لیکن پہلی سی شدت نہ تھی۔ رات دن میں کئی بار ہلتا رہتا تھا اور لوگ جان سے مایوس ہو چکے تھے۔ اس بھونچال کی تاریخ آیت کریمہ ابتلی المومنون وزلزلو از لز الاً شدیداً سے نکالی گئی۔

آٹھواں سانحہ:

کریم داد خان کی حکومت کے دنوں میں ۱۱۹۳ھ (۴۹) میں زمین کی سطح یوں ہل گئی

کہ کشمیر کے لوگوں کے گھر شہر و دیہات میں ایک ہی جنبش سے لڑھک گئے اور بہت سے لوگ جان سے گذر گئے۔ ڈیڑھ ماہ تک سخت جانگداز رہا۔ لوگوں نے میدانوں میں بھونچال خانے بنوالئے تھے۔

نواں سانحہ:

آزاد خان (۵۰) کے زمانے میں ۱۱۹۹ھ میں واقع ہوا اور زیادہ تر شہر کے اندر زیر وزبر کر گیا۔ دو تین ماہ تک جھنجوڑتا رہا۔ بہت سے گھر اور بے شمار جانیں تلف ہوئیں۔

دسواں سانحہ:

سردار عبداللہ خان کی حاکمیت میں ۱۲۱۸ھ (۵۱) میں ۵؍محرم کو ایک عظیم بھونچال آیا۔ اکثر جگہوں پر زمین پھٹ گئی اور گھر ٹوٹ کر گر گئے۔ بعض عورتوں کے حمل گر گئے اور بعض لوگ دیواروں اور گھر کی طاق نما دیواروں کے نیچے دب کر مر گئے۔ خانقاہ معلیٰ کے کنگرے کا قبہ بھی چھت سے لڑھک گیا۔

گیارہواں سانحہ:

کرپارام کی حکومت کے دوران ۱۲۴۳ھ کی ۲۲؍ذی الحجہ (۵۲) کی تاریخ کو رات کا پہلا پہر ڈھلے زمین و زمان ہلنے لگے اور محشر کا شور اٹھا۔ بہت سے بندگان خدا دارالبقا میں پہنچے۔ زمینیں دھنس گئیں اور مکان خاک کے ساتھ یکسان ہو گئے۔ تین مہینوں تک سخت تھا اور نو مہینوں تک کبھی کبھی لوٹ آتا تھا۔

بارہواں سانحہ:

رنبیر سنگھ کی حکومت میں ۱۲۸۰ھ (۵۳) میں (سموت ۱۹۲۰ بکرمی) بہادوں کی (۵۴) ۲۰/ تاریخ کو آخری پہر کے وقت زمین ہلنے لگی۔ کروھن اور بانگل میں اکثر جگہوں پر زمین پھٹ گئی لیکن گھروں اور جانوں کا زیادہ زیاں نہ ہوا۔ تین ماہ تک قائم رہا اور مشرقی اطراف میں کم محسوس ہوا۔

تیرھواں سانحہ:

رنبیر سنگھ کی حکومت کے اواخر میں ۱۳۰۲ھ میں ۱۵/ شعبان (۵۵) کو (۱۹/ جیٹھ ۱۹۴۲ بکرمی) شب برأت میں صبح کے تین بجے زمین اچانک زلزلے میں آگئی اور محشر کا شور برپا ہوا۔ اول جھٹکے میں سوپور، بارہمولہ، بانگل (۵۶) اور کروھن (۵۷) میں تہہ وبالا کر کے سبھی گھر گر گئے۔ نیز ان علاقوں میں بہت سیلاب آ کر زمین پھٹ گئی۔ بعض جگہوں پر سبز ریت اور سبز پانی اُبھر آیا۔ گندھک کی بو ایک ماہ تک باقی تھی۔

کروہن پرگنہ کے کیلرہ ڈورہ گاؤں میں زمین پھٹ گئی اور زمینی اجزا کا بھاپ، جو بقول حکم زلزلے کا باعث ہوتا ہے، اکثر جگہوں سے نکلنے لگا اور پتلی اور عجیب وغریب سفید کیچڑ ظاہر ہو گئی۔ بھاپ کے نفوز کے جھٹکے سے وہاں کی زمین کا سات سو فٹ لمبا اور تین سو فٹ چوڑا ایک قطعہ ستر فٹ کی گہرائی تک نیچے چلا گیا۔ جس کے اندر زمینداروں کے پانچ چھ گھر نابود ہو گئے۔ اس گہرائی میں زمین کے بعض حصے ستونوں کی طرح اپنی اصلی ہیئت میں کھڑے تھے۔

اکثر جگہوں پر زمین تبدیل ہو گئی۔ گو کہ شہر میں بہت زیادہ زور نہیں کیا پھر بھی تین سو

مکانوں کو اپنی جگہ سے اکھیڑ ڈالا۔ باقی کو توڑ پھوڑ سے شکستہ کر دیا۔ پادشاہی محل کو بھی چشم زخم لگا اور چھاونیاں گرا دیں۔ زیادہ تر خرابی شیر گڈھ کو ہوئی۔ پرگنات واطراف میں زیادہ نقصان نہیں ہوا۔

بعض دیہات میں زلزے کو محسوس نہیں کیا گیا۔ تین مہینوں تک زلزلے کی خاصی شدت رہی کہ رات اور دن میں کئی بار آتا رہا۔ اس کے بعد ہفتے میں ایک دو بار لرزہ رہتا تھا اور چودہ ماہ تک اس کا اثر باقی تھا۔ لوگوں نے میدانوں میں چٹائی خانے بنوائے لیکن خوف سے لرزتے رہتے تھے۔

اس حادثے سے سارے ملک کشمیر میں ۳۵ / ہزار جانوں کا زیاں ہوا۔ اجن میں بیس ہزار گھوڑے اور گائے، بیل دس ہزار اور آدمیوں میں ڈیڑھ ہزار نفوس شامل تھے۔ ان میں وزارت کامراج میں بارہ سو، شہر میں ڈھائی سو اور پرگنوں میں پچاس آدمی تھے۔ مؤرخوں کے بقول چونکہ کامراج کے پہاڑوں میں گندھک کی کانیں زیادہ تعداد میں ہیں شاید اسی وجہ سے کامراج کے علاقے میں ہر دفعہ سخت بھونچال آتے ہیں۔ چنانچہ عوام کی زبان پر وتربنیول (۵۸) کا لفظ مشہور ہے۔

رنبیر سنگھ نے رعایا پروری کے خیال سے اور دریا دلی سے کام لے کر بھونچال کے ستم زدہ لوگوں کو مکانوں کی مرمت اور گھروں کی ترمیم کیلئے بیس ہزار روپے نقد وجنس کی صورت میں عطا کئے۔ وزارت کامراج کے زمینداروں کے مالیہ میں دو لاکھ روپے کم کر دیئے اور بارہمولہ اور سوپور میں لکڑی پر چنگی کا معمول کا گذر معاف کر دیا۔

اس حادثے کی تاریخ ہے: زلزلہ شدید شب برائت اور طغیان کبیر (۵۹)۔

کشمیر کے سیلاب

پہلی طغیانی:

کہتے ہیں اگلے زمانے (٦٠) میں بھونچال کے حادثہ سے کھادنیار پہاڑ لڑھک گیا اور زمین میں سے اولر کا چشمہ اُبل پڑا۔ جس نے سندھ مت نگر شہر کو ڈبو دیا اور بیج بہاڑہ تک سیلاب آ گیا۔ اس کا قصہ بیان ہو چکا۔

دوسری طغیانی:

راجہ درلبھ وَردن (٦١) کی سلطنت کے دنوں میں سال ۱۴ھ (٦٢) میں بارشوں کی کثرت کی وجہ سے سرینگر شہر پانی میں ڈوب گیا اور راجہ پرورسین کا بنایا ہوا وتالن مرگ کا باندھ ٹوٹ جانے سے وتالن مرگ میں طوفان آ گیا جس سے جھیل ڈل بن گئی۔

تیسری طغیانی:

راجہ للتادت (٦٣) کے عہد میں ٦٧ بکرمی میں طوفان آنے سے راجہ کی شہر کی عمارتیں تباہ ہو گئیں اور اسے لتہ پور میں شاہی عمارات بنانی پڑیں۔ طوفان سے شہر کی اکثر عمارتیں برباد ہوئیں۔

چوتھی طغیانی:

اونتی ورما (٦٤) کے ایام حکومت میں ۹۳٦ بکرمی میں بھونچال کے صدمے سے

کھادینار پہاڑ سے اس کا ایک ٹکڑا لڑھکنے کی وجہ سے بہت دریا کا پانی رُک گیا اور سیلاب آ گیا۔

پانچویں طغیانی:

راجہ پارتھ کے عہد میں ۱۰۱۵ بکرمی (۶۵) میں واقع ہونے سے سارا شہر پانی میں غرق ہو گیا اور مکان بلبلوں کی طرح پانی میں تیرتے رہے۔

چھٹی طغیانی:

سلطان شہاب الدین کی بادشاہت کے زمانے میں ۱۴۳۶ بکرمی (۶۶) میں سخت سیلاب آنے سے بیس ہزار گھر تباہ ہو گئے۔

ساتویں طغیانی:

علی خان چک کی حکومت میں ۹۸۲ھ (۶۷) میں برسات کے موسم میں مکانوں اور پیداوار کو برباد کر ڈالا۔

آٹھویں طغیانی:

ابراہیم خان کے زمانے میں ۱۰۸۹ھ (۶۸) میں کشتیوں کی طرح مکان پانی میں گھومنے لگے اور ان کے اندر گھر والے واویلا کر رہے تھے۔ اس کی تاریخ ہے: طغیانی بے حد۔ ان ہی ایام میں بھونچال بھی آ گیا۔

نویں طغیانی:

نوازش خان کی صوبہ داری کے دنوں میں ۱۱۴۳ھ (۶۹) میں بارشوں کی کثرت

کے سبب سخت سیلاب آ گیا۔ عمارتیں اور پیداوار تباہ ہو گئے۔

دسویں طغیانی:

دل دلیر خان کے زمانے میں ۱۱۴۸ھ (۷۰) میں سیلاب نے طغیانی کی اور ہزاروں مکان ویران اور درہم برہم ہو گئے۔ گھروں کے صحن اور میدانوں میں پانی دیر تک ٹھہرا رہا۔

گیارہویں طغیانی:

افراسیاب خان کے ایام حکومت میں ۱۱۶۰ھ (۷۱) میں سیلاب کے باعث دس ہزار گھر برباد ہو گئے۔ دریائے بہت کے پل ٹوٹ گئے۔ پیداوار اور عمارات میں تباہی آ گئی۔

بارہویں طغیانی:

امیر خان جوان شیر کی حکمرانی کے دنوں میں ۱۱۸۴ھ (۷۲) میں پانی کے طوفان نے دریائے بہت کے پل توڑ ڈالے اور عمارتیں درہم برہم ہو گئیں۔

تیرہویں طغیانی:

جمعہ خان کے زمانے میں ۱۲۰۲ھ (۷۳) میں دریائے بہت میں طغیانی آ گئی اور قاضی زادہ باندھ کا دروازہ ٹوٹ جانے سے شہر کا شمالی حصہ پانی میں ڈوب گیا اور لوگوں کے مکان اور مال و جائیداد تباہ ہو گئے۔

چودھویں طغیانی:

عبداللہ خان کی حکومت میں ۱۲۱۴ھ (۷۴) میں دریائے بہت آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا اور بیرونی پیداوار میں تباہی آ گئی۔

پندرھویں طغیانی:

کرنیل میاں سنگھ کے عہد میں ۱۲۵۲ھ (۷۵) میں کھنہ بل، بیچ بہاڑہ، پانپور اور امیرا کدل کے پل گر گئے۔

سولہویں طغیانی:

شیخ غلام محی الدین کی حکمرانی (۷۶) میں قاضی زادہ باندھ ٹوٹ گیا اور خانیار اور رعناواری میں تباہی آ گئی۔ فتح کدل سے سنبل تک چھ پل برباد ہو گئے۔ بارش سات دنوں تک برستی رہی۔

آگ کی وارداتیں

پہلی آگ:

جب راجہ پرورسین (۷۷) نے سرینگر شہر آباد کیا، کہتے ہیں چھتیس لاکھ گھر آباد ہوئے۔ اچانک آگ کی واردات سے کوہ ماران کے شمال میں شہر کا نصف حصہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ چنانچہ اس وقت بھی لوگ زمین کو پانچ چھ گز تک کھود کر سرخ رنگ کی مٹی کو نمونے کے طور پر نکال لیتے ہیں۔

دوسری آگ:

راجہ للتادت نے اپنی حکومت کے دنوں میں بنگال کے راجہ کے ساتھ عہد شکنی کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کے آدمیوں نے آکر ایک بڑی جنگ چھیڑ دی اور نصف شہر کو جلا ڈالا۔ نیز دو بڑے مندروں کو بھی تباہ کر دیا۔

تیسری آگ:

راجہ ابھی منیو (۷۸) کی حکمرانی میں سال ۱۰۳۸ بکرمی میں آگ کی واردات سے شہر کے بہت سے محلے برباد ہو گئے۔ راجہ نندہ گپت نے تجدید تعمیر کر کے شہر کو آباد کیا۔

چوتھی آگ:

سہد یو کے زمانہ حکومت میں ۷۰۶ھ (۷۹) میں ذوالقدر خان نے ۷۲ ہزار سوار فوجیوں کے ساتھ کشمیر میں آکر سارے شہر میں آگ لگا دی اور شہر کے ساکنوں کا قتل عام کر کے ملک کو بے نور بنا دیا۔

پانچویں آگ:

سلطان محمد شاہ اور سلطان فتح شاہ نے ۹۰۰ھ (۸۰) کے عرصے میں دیر تک باہمی جنگوں کے نتیجے میں کئی بار شہر کے علاقوں کو نذر آتش کر ڈالا۔ اس کی کیفیت اپنی جگہ پر بیان ہو گی۔

چھٹی آگ:

سلطان حسین شاہ کے عہد میں ۸۸۵ھ (۸۱) میں اسکندر پورہ محلے سے علاء الدین

پورہ تک آگ لگ جانے سے قریب دس ہزار گھر جل گئے۔ جامع مسجد اور خانقاہ معلیٰ دونوں میں آگ لگ گئی اور حسن شاہ نے پھر تعمیر کئے۔

ساتویں آگ:

دلاور خان کی حکومت کے دنوں میں ۱۰۲۹ھ (۸۲) میں اسکندر پورہ میں آگ نمودار ہوئی اور راجوری کدل اور صراف کدل وغیرہ تک گیارہ ہزار گھر جل گئے۔ جامع مسجد دوسری بار خاک کے ساتھ مل گئی۔ پھر جہانگیر بادشاہ نے اسے آباد کیا۔

آٹھویں آگ:

افتخار خان کی حکمرانی میں ۱۰۸۶ھ (۸۳) میں کاوڑارہ میں آگ لگ کر جامع مسجد تک کا علاقہ لپیٹ میں آگیا اور بارہ ہزار مکان جل کر مٹی ہوگئے۔ عالمگیر بادشاہ نے تیسری بار جامع مسجد کو آباد کیا۔

نویں آگ:

نوازش خان کی نیابت میں ۱۱۲۳ھ (۸۴) میں سیلاب کی وارادت کے بعد صراف کدل محلے سے آگ نے سر اٹھا کر ملچمر محلے تک چالیس ہزار گھروں کو تباہ کرڈالا۔ پارہ آتش بُرد و پارہ را آب برد (کچھ حصہ پانی لے گیا اور کچھ آگ کی نذر ہوگیا)۔

دسویں آگ:

ابوالبرکات خان کے زمانے میں ۱۱۵۰ھ (۸۵) میں آگ کا حادثہ ہوا۔ اسکی وجہ ہے کہ ابوالبرکات کا منصب داروں کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا۔ ماہ رجب کے غرہ کے روز دریائے بہت کے پل توڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ جنگ ہوئی اور شہر کے وسط میں آگ لگا

کر بیس ہزار مکانوں کو جلا ڈالا۔

گیارویں آگ:

عطیت اللہ خان کی حکومت میں ۱۱۵۲ھ (۸۶) میں نادر شاہ کی طرف سے فخر الدولہ کشمیر کا ناظم ہو گیا تھا۔ یہاں آ کر عنایت اللہ خان اور دیگر منصب داروں نے اس کی متابعت نہیں کی اور آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ شہر کے درمیان اور اطراف میں غصے اور شرارت کی حرارت سے پندرہ ہزار گھروں کو جلا ڈالا۔

بارہویں آگ:

منصور خان کی حکومت میں ۱۱۵۸ھ (۸۷) میں ببر اللہ خان باغی ہو گیا اور بمبہ اور کشتواڑیوں نے مل کر کشمیر کو لوٹ لیا اور شہر کے وسط میں پندرہ محلوں میں آگ لگا دی۔ اس کی تاریخ ہے عام التشویش۔

تیرہویں آگ:

افراسیاب خان کے زمانے میں قحط اٹھا تھا۔ خواجہ علاء الدین نقشبندی اور حاجی عتیق اللہ قادری نے عوام کے ہجوم کے ہمراہ غلہ فروشوں کیخلاف شروش برپا کی۔ نائب صوبہ کے آدمیوں نے اس فساد کی طرف متوجہ ہو کر زینہ کدل کے علاقے میں شورشیوں کا مقابلہ کیا اور نائب کے آدمیوں نے زینہ کدل کے اطراف میں آگ لگا کر دس بارہ محلوں کو جلا ڈالا اور گھروں کو لوٹ (۸۸) لیا۔

چودھویں آگ:

آزاد خان کے ظلم وجور کے زمانے میں ۱۱۹۹ھ (۸۹) میں ٹینکی پورہ میں آگ لگ

گئی اور کئی محلے جل گئے۔ دریائے بہت کے کنارے سے دوسرے کنارے تک بوج پتر کا ایک ورق جلتا ہوا میں سے عبور کر کے قاضی زادہ باندھ سے اہلمر اور حبہ کدل تک گویا ایک دنیا کو تیرہ وتار کر گیا۔ قریب آٹھ ہزار گھر برباد ہو گئے۔

پندرھویں آگ:

عبداللہ خان کے زمانے میں ۱۲۱۵ھ (۹۰) میں صراف کدل محلہ سے لے کر کئی محلے آگ کی زد میں آ کر خاکستر ہو گئے۔

سولھویں آگ:

گلاب سنگھ کے زمانے میں ۱۲۶۷ھ (۹۱) میں ٹینکی پورہ محلے سے آگ ظاہر ہوئی اور زین دار صاحب محلے تک کوئی ایک دو ہزار گھروں کو مٹی کے ساتھ ملا دیا۔

سترہویں آگ:

رنبیر سنگھ کی حکومت میں ۱۲۹۲ھ (۹۲) میں دن میں دوپہر کے وقت ٹینکی پورہ میں پھر آگ لگی اور سات سو مکان تباہ ہو گئے۔

اٹھارہویں آگ:

رنبیر سنگھ ہی کی حکومت میں ۱۲۹۵ھ (۹۳) میں کشمیر میں قحط پڑا تھا۔ چھ ماہ تک گرمیوں کے موسم میں بارش کا برسنا بند ہو چکا تھا۔ شہر اور دیہات میں ہزاروں گھر جل گئے۔ کوئی بھی دن آگ لگے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ ان ہی دنوں میں ۲۲ / بہادروں ۱۹۳۵ میں حبہ کدل سے آگ بھڑک اٹھی اور قاضی زادہ باندھ تک دو ایک گھنٹوں میں ایک ہزار مکانوں کو جلا دیا۔ نیز شیعوں کے لوٹ کے سبب اہل تشیع کے گھروں میں نو بار آگ لگا کر ان کو خاکستر کر دیا گیا۔

شیعوں کا لوٹ

دوسرے ملکوں اور شہروں میں سنی اور شیعہ لوگ ایک ہی ماں کے شکم سے پیدا ہوئے دو بھائیوں کی طرح ہیں۔ عمداً کسی پر سبّ اور تبرا نہیں پڑھتے۔ لیکن کشمیر کے شیعہ کینہ توزی اور تعصب میں مشہور ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔

دو گروہاندر درجہاں بی پیر　　سنی بلخ و شیعۂ کشمیر

(دنیا میں دو جماعتیں گمراہ ہیں۔ بلخ کے سنی اور کشمیر کے شیعہ)

اور یہ ثواب کے ارادے سے اعلانیہ طور پر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ پر سبّ پڑھنے اور ان کی بدگوئی کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے سوا کسی اور کام کو پسندیدہ نہیں جانتے۔ اس وجہ سے سینوں کے قہر و خشم کی آگ جوش میں آ کر ہر تیس چالیس سال کے بعد ہمیشہ ان کے خاندانوں کو اجاڑ کے رکھ دیتی ہے۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو　　گندم از گندم بروید جو ز جو

(عمل کے سزا سے غافل نہ ہو۔ گندم سے گندم اور جو سے جو ہی اُگتی ہے)

پہلی لوٹ:

سال ۹۵۵ھ (۹۴) میں میرزا حیدر نے شہر کے روسا جیسے عیدی رینہ (۹۵) اور خواجہ حاجی بانڈے وغیرہ کی معاونت سے عام لوگوں کو حکم دیا کہ شیعوں کو لوٹ لیں۔ اس اشارے کو پاتے ہی عوام نے ہر طرف حملہ آور ہو کر شیعہ فرقے کا تاخت و تاراج کر کے ان کے گھروں کو آگ لگانے سے خاکستر کر دیا اور شمس عراقی کی خانقاہ کو، جو جڈی بل محلے میں

تھی، نذرِ آتش کیا اور شمس عراقی کی لاش کو قبر سے نکال کر کتوں کی نجاست میں جلا ڈالا اور اس کے مقبرے پر شہر کے لوگوں کیلئے بیت الخلا بنائی اور بابا علی نجار کے مریدوں میں سے شنگلی ریشی (۹۶)، جس کا پرسپور کے اطراف میں زور تھا، کا سر شالی کوب سے کوٹ دینے کے بعد اس کے جسد کو بڑی ذلالت کے ساتھ جلا ڈالا اور بہت سے شیعہ امراء اور شمس عراقی کے پیروؤں کو قتل کر دیا۔

اور میر شمس عراقی کے عزیز فرزند میر دانیال کو، جو اسکردو میں اپنے مذہب کو رواج دے رہا تھا، میرزا حیدر نے سرزنش کر کے بلوا کر ایک سال تک قید میں ڈال دیا اور گواہوں کی گواہی سے سبّ صحابہ ثابت ہو جانے کے بعد اسے قاضی ابراہیم اور قاضی عبدالغفور کے فتویٰ سے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کی تاریخ دشت کربلا کہی گئی ہے (۹۷)۔

دوسری لوٹ:

۹۹۴ھ (۹۸) میں جب اکبر بادشاہ کی فوجوں کے ہمراہ کشمیر کو فتح کرنے کیلئے میرزا قاسم خان ہیر پورہ میں پہنچا اور یعقوب خان چک نے جنگ و مقابلہ کرنے کیلئے ہیر پورہ تک پیش قدمی کی، سید یوسف خان بیہقی نے، یعقوب خان چک کے وزیر نازک بٹ سے خلعت اور اسلحہ و گھوڑا فریب سے لے کر کچھامہ میں عالم شیر ماگرے اور شمسی چک کے لڑکے ظفر خان چک کے ساتھ مل کر اور ایک دوسرے سے عہد و پیمان باندھ کر شہر کا رُخ کیا اور شہر میں آ کر شمس چک اور محمد بٹ کو، جنہیں یعقوب خان نے قید میں رکھا تھا، زندان سے نکالا اور عوام کے ساتھ متفق ہو کر محلہ جڈی بل میں آگ لگائی اور شمس عراقی کی خانقاہ کو، جسے دولت چک نے پھر سے بنوایا تھا، نذرِ آتش کر دیا اور میر شمس عراقی کی جگہ کو بیت الخلاء میں تبدیل کر کے شیعوں کو بہت اذیت پہنچائی۔ ان کے ننگ و ناموس اور جان و مال کو غارت کر چکنے کے بعد پونچھ کی راہ سے فرار ہو کر اکبر بادشاہ کی فوج کے ساتھ جا ملے۔

تیسری لوٹ:

ظفر خان کے عہد حکومت میں ۱۰۴۵ھ (۹۹) میں شہر کے لوگ توت کھانے کیلئے مائسمہ میں گئے تھے۔ وہاں شیعوں اور سینوں میں جھگڑا ہو گیا۔ لاپروائی سے کام لے کر شیعوں نے صحابہ کبارؓ پر سبّ پڑھی۔ مدعیوں نے قاضی ابوالقاسم کے پاس جا کر اپنا دعویٰ پیش کیا اور ان سے شرعی فیصلہ سبّ پڑھنے والوں کے نام حاصل کیا۔ صوبہ دار نے جو شیعہ تھا ان کو اپنے پاس بلانے میں تساہل سے کام لیا اور عوام نے شورش کی اور بعض شیعوں کے گھروں کو لوٹ کر جلا ڈالا۔ خواجہ خاوند محمودؒ (۱۰۰)، جو نقشبندی خاندان سے تھے، نے بیچ بچاؤ کر کے عوام کو لوٹ کرنے سے منع کیا اور حاکم شرع اور نائب صوبہ کے نام پیغام بھیجا۔ لیکن ناظم اور قاضی کی طرف سے سبّ پڑھنے والوں کی تنبیہ کرنے میں وقت کی ڈھیل دی گئی۔ تب حضرت خواجہؒ ہفت چنار (۱۰۱) میں جا کر بیٹھ گئے۔ صوبہ کا ناظم اس وجہ سے خود جا کر بڑی سماجت کر کے خواجہ مذکورہؒ کو واپس لے آیا اور سبّ پڑھنے والوں کو سزا دی۔ لیکن اسی ضمن میں خواجہؒ کے مفسد (۱۰۲) ہونے کا بیان بادشاہ کے حضور میں لکھ بھیجا۔ حضور بادشاہ کے مطالبہ پر خواجہؒ دہلی چلے گئے اور شاہجہان آباد کے مقبروں کی زیارت کرنے کے بعد لاہور لوٹ آئے اور وہیں پر انتقال فرمایا۔

چوتھی لوٹ:

ابراہیم خان کے زمانے میں ۱۰۹۶ھ (۱۰۳) میں محلہ حسن آباد میں عبدالشکور اور اسی کے بیٹے صادق نے ایک سنی کے ساتھ دشمنی کا مظاہرہ اور جھگڑا کر کے حضرت سید انامؑ کے اصحاب کرامؓ کے حق میں بدگوئی کی۔ اہل سنت نے قاضی کے حضور میں دعویٰ کیا۔ قاضی

کے فیصلہ دینے پر سبّ پڑھنے والوں نے ابراہیم خان، جو شیعہ تھا، کی پناہ لی۔ اس وجہ سے قاضی محمد یوسف نے جوش میں آ کر صوبہ دار کے ساتھ بحث و مناظرہ کیا۔ اسی دوران عوام نے حسن آباد کو آگ لگا دی اور اسے غارت کر دیا۔ اس حرکت سے ابراہیم خان کا بیٹا فدائی خان حسن آباد کے لوگوں کی حمایت میں آ نکلا۔ ادھر سے عوام اور کابل کے خان اپنی لشکر مثلاً الف خان، فرید خان اور میرزا محمد مقیم وغیرہ کے ہمراہ اور خواجہ شریف دہ بیدی، خواجہ محمد صابر، میرزا سلیم اور میرزا حلیم وغیرہ جیسے صاحب منصب حضرات کے ساتھ مل کر مقابلے میں آ گئے اور ایک بڑی جماعت کو قتل اور زخمی کر دیا اور عوام کے غلبہ پانے کے سبب قاضی بھی بے حال ہو گیا۔ ابراہیم خان مجبور ہو کے رہ گیا اور اس نے عبدالشکور، اس کے بیٹے اور داماد کو عوام کے حوالے کر دیا۔ جنہوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد قاضی ترک صوبہ دار کے گھر میں آتا جاتا رہا اور ملا محمد طاہر مفتی بیچ میں آ گیا۔ عوام نے اس کے گھر کو بھی لوٹ لیا اور شیعوں کے پیر بابا قاسم کو راستے میں پکڑ کر سخت خواری و ذلات کے ساتھ قتل کیا۔

غرض عوام نے شہر میں خونریزی، لوٹ کھسوٹ، غارتگری اور آگ لگا کر شورش و فساد برپا کر دیا۔ چارہ جوئی کیلئے فدائی خان نے باہر آ کر محمد سلیم کو عوام کی ایک جماعت کے ہمراہ قتل کر ڈالا۔ اس دوران حضرت خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ کے فرزند بقا باباؒ نے شورش اٹھا کر ابراہیم خان کے گھر کو نذر آتش کر دیا۔ ناظم نے اپنی فوج بھجوا کر بقا بابا، وقائع نگار، بخشی اور حاجی بانڈے، خواجہ قاسم اور لالہ گنائی جیسے روساء کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ عوام اس رعب وداب کی وجہ سے شورش سے باز رہے لیکن حقیقت حال عالمگیر بادشاہ کے کانوں تک پہنچ گئی اور کشمیر کی صوبہ داری پر حفظ اللہ خان کو مقرر کر دیا گیا اور ابراہیم خان اپنی معزولی کا فرمان پڑھ کر قیدیوں کے ہمراہ حضور میں روانہ ہوا۔ لاہور پہنچ کر بادشاہ والا جاہ کے حکم

سے قیدی۔ رہا ہو کر وطن لوٹ آئے (۱۰۴)۔

پانچویں لوٹ:

میر احمد خان کی حکومت میں ۱۱۳۲ھ (۱۰۵) میں جب کہ وہ عبداللہ خان کی طرف سے نائب صوبہ مقرر ہو گیا تھا، یہ واقعہ وجود میں آیا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ملا عبدالنبی، جس کا لقب محتوی خان تھا، کچھ عرصہ پہلے شاہزادہ عالم بہادر (۱۰۶) کے دربار میں ہم صحبت اور ہم مجلس ہونے کا اعزاز پا کر اپنے قوم قبیلے کے ہمراہ اس خطہ دلپذیر میں منصب اور جاگیر پانے کے بعد سکونت پذیر اور لوگوں اور عوام میں اُلفت و اتحاد پیدا کرنے کی راہ سے اپنے رُتبے میں خاصا اضافہ کرنے میں کامیابی پائی۔ اس جگہ کے پنڈتوں میں سے ایک شخص کو چندرہ سیر گاؤں کا، جو اس کی جاگیر میں تھا، ناظر مقرر کیا۔ پنڈت موصوف اس گاؤں کے بعض معاملات کو نپٹانے اور کچھ خامیوں کو دور کرنے کی غرض سے دیوانی دفتر میں گیا۔ دفتر کے منشیوں نے اسے کچھ پیش کش دینے کی استدعا کی جیسے کہ رسم تھی۔ اپنی قوت کے پیش نظر اس نے غصے میں آکر کچھ نہیں دیا۔ آپس میں گفتگو تک بات پہنچی اور گالی گلوچ اور بدکلامی کی نوبت آئی۔ مذہبی طعن و تشنیع سے کام لیتے ہوئے دفتر کے منشیوں نے اسے سخت اذیت پہنچائی اور اس کا کوئی کام نہیں کیا۔ پنڈت موصوف نے سخت بیقراری اور سراسیمگی کی حالت میں محتوی خان کے پاس آکر پنڈتوں کے سلوک اور ان کی ذہنیت کو بڑھا چڑھا کر بیان کر کے اسے مشتعل کر دیا۔ پس محتوی خان نے پنڈتوں کے فرقے کی زجر و توبیخ کیلئے قوانین وضع کئے۔ اول یہ کہ وہ سر پر پگڑی نہیں باندھیں گے۔ دوم یہ کہ وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہونگے۔ سوم یہ کہ پاپوش کی جگہ پاؤں میں پولہ پہنیں گے۔ چہارم یہ کہ بچوں کو مکتب نہیں بھیجیں گے اور پنجم یہ کہ جزیہ دیں گے۔

اسکے بعد ان قوانین کو جاری کرنے کیلئے میر احمد خان سے استدعا کی ۔ دربار شاہی اور کشمیر میں ہندوؤں کے غلبہ پانے کی حقیقت کے پیش نظر اسے ان قوانین کی کوئی عملی صورت نظر نہیں آئی ۔ بلکہ اس ملک کے روسا اور مفتیوں اور اہم دفتری پیش کاروں نے محتوی خان کے رائے کی مخالفت کرتے ہوئے ان قوانین کو لاگو نہ کرنے کی سفارش کی ۔لیکن بات تو لوگوں تک پہنچ چکی تھی ۔ان کی ایک کثیر جماعت میر احمد خان کے پاس گئی اور اس سے شیخ الاسلام کے مجوزہ احکامات کو جاری کردینے کی گذارش کی ۔ لیت ولعل سے کام لیتے ہوئے اس نے ان کو نکال دیا۔عوام وحشی جانوروں کی مانند بھر گئے اور حکم حاکم کو بالائے بام رکھ کر انہوں نے پنڈتوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔

ہندوؤں کی قوم میں مجلس رائے نامی ایک ہندو بڑا صاحب ثروت ، پادشاہی آمدینوں کا صراف اور خود ایک کروڑ روپے کے سرمائے کا مالک تھا۔اس کا دولت محل نواب بازار میں تھا اور اس کی تجارتی کوٹھی صراف کدل میں داغ شال دفتر کے پاس تھی ۔ان ہی عبرت انگریز دنوں میں یہ شخص سوار ہو کر راستے سے گذر رہا تھا۔عوام نے اسے سواری سے نیچے اُتار کر اور اس کی پگڑی کو طوق گردن بنا کر ذلت کی کاک پر پچھاڑ دیا۔ ہزار جد و جہد کر کے جان سے رہائی پائی اور جا کر میر احمد خان کی پناہ لی اور اپنے خانمان اور مال و جان کی حفاظت کیلئے اس سے چند سپاہی لے کر گھر لوٹ آیا۔ راستے میں عوام نے اس کی توبیخ و توہین کرنے کے لئے پھر ہجوم کی صورت میں اس کی طرف پیش قدمی کی ۔سپاہیوں نے اس کی مدد کیلئے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور عوام کو ڈرانے کیلئے نیام سے تلواریں نکالیں اور ہجوم کرنے والوں کو خوف و ہراس دلا کر قیامت برپا کی ۔اس سے ایرے غیرے اور لچے اور اوباش قسم کے لوگ تاؤ میں آ گئے اور انہوں نے سپاہیوں کو موت کی وادی میں پہنچا دیا اور مجلس

رائے کو زخمی اور مجروح کر کے اس کے مکان پر ٹوٹ پڑے اور اس کے مال و جائیداد اور خانہ واسباب کو لوٹ کر اس کے محل اور اسکی دکان کو خاکستر کر کے چھوڑا۔

کہتے ہیں کہ اس جان گداز حالت میں مجلس رائے نیم جان ہو چکا تھا۔ اس نے لوگوں کے ساتھ لین دین کے سارے کاغذات اور قرض داروں کی تمام اسناد اور اقرار ناموں کو جن کی رقم چوبیس لاکھ روپے سے اُوپر تھی، خود اپنے ہاتھوں سے جلا ڈالا اور ہر کسی کو معاف کر کے مر گیا۔ فتنہ و فساد کے ان واقعات نے عوام کو آتش غرور کی حرارت سے اور زیادہ مشتعل کر دیا اور انہوں نے ہر جگہ ہندوؤں کے گھروں میں آگ لگا دی اور ان کے مال و جائیداد اور دولت واسباب کو لوٹ کر محشر برپا کر دیا۔

اس واقعہ سے میر احمد خان حواس باختہ ہو گیا اور اس نے حکومتی منتظمین سے مشورہ کرنے کے بعد شاہی فوج کو حملہ آوروں کی تنبیہ کرنے اور محتوی خان کو گرفتار کرنے پر مامور کیا۔ محتوی خان خانقاہ معلیٰ کے اندر ایک طاق میں چھپ چکا تھا اور شاہی فوج نائد کدل اور صراف کدل میں نمودار ہو کر لوگوں کو ڈرا دھمکا رہی تھی۔ لیکن عوام جوش غیرت میں آ کر قلاش پورہ کے بازار میں شاہی فوج کو ختم کرنے لگی۔ ایک طرف حملہ آور لوگ جنگ کرنے کے ارادے سے تنگ گلیوں کی گذر گاہوں سے بندوقوں کی مانند بے درنگ ظاہر ہو کر پتھر کے گولوں سے مار دیتے تھے اور دوسری طرف بازار کے لوگ جان کی بازی لگا کر ترازوؤں کے باٹ کے اوزان اور نمک کے پتھر سپاہیوں کے سروں پر بے دھڑک چلاتے تھے اور ایک طرف مکانوں کی چھتوں، ایوانوں اور دریچوں سے بچے اور عورتیں پتھروں کی بارش کر کے جنگی چیتوں اور شیروں کے سروں پر اوکھلیاں، شالی کوٹنے کے لٹھ اور خاک و راکھ سے بھرے ہوئے مٹی کے برتن پھینک پھینک کر ان کو موت کی نیند سلا دیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ دو عورتوں نے گھر کی سیڑھی کو کھینچتے ہوئے چھت پر لا کر نیچے سپاہیوں کے سر پر گرا دینے سے سات آدمیوں کو مار ڈالا۔ مار دھاڑ کی اس کیفیت میں قیامت برپا ہوئی اور شور و غوغا آسمان تک پہنچ گیا۔ شاہی فوج پر نائدکدل کے پل پر لوگوں کا اس قدر ہجوم ٹوٹ پڑا کہ سپاہیوں کی بھاری مقدار کے نالہ مار میں ڈوب جانے سے اس کے پانی کا بہاو رُک گیا اور ہر طرف ایک وسیع آگ پھیلی جس میں بہت سے محلے اور بے شمار مال و جائیداد آگ کے اژدہا کے منہ کا لقمہ بن گئے اور افواج شاہی کو سخت شکست ہوئی۔ میر احمد خان کا عمل کمزور پڑ گیا اور بادشاہ کے کانوں تک اس دنگے فساد کی خبر پہنچ گئی۔

عنایت اللہ خان نے، جو بادشاہ کی طرف سے صوبہ کا حاکم مقرر ہو چکا تھا، میر احمد خان کو نائب صوبہ کے عہدے سے ہٹا کر عبداللہ خان دہ بیدی کو خطہ کشمیر کی نظامت کا خلعت پہنا دیا۔ لیکن اس کے ہاتھوں بھی عوام کو تنبیہ نہ کی جا سکی اور نہ ہی حکومتی احکام رائج ہو پائے اور فتنہ و فساد بدستور جاری رہا اور تباہی و خرابی میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ خاص کر بعض منتظمین حکومت کے اشارے پر محتوی خان نے حکومت کے بعض خاص جگہوں پر اپنا ذاتی تصرف اور انتظام قائم کر لیا جس سے باغیوں اور سرپھروں کی سرکشی بڑھ گئی۔ تب عنایت اللہ خان نے مومن خان کو حاکم مقرر کیا۔ مومن خان ہیرہ پور پہنچا تو محتوی خان جلدی سے اس سے ملنے کیلئے مشاپور خان بخشی ایک شیعہ آدمی کے گھر میں پہنچ گیا۔ وہاں شاہی عمارات کے محافظ سید اظہر خان اور دوسرے منصب داروں نے باہمی مشورے کے بعد محتوی خان کو بدھوار ۲۱/ ذی قعد کے دن کے آخری اوقات میں سال ۱۱۳۲ھ (۱۰۷) کو لچوں اور بدمعاشوں کی ایک جماعت کے ہمراہ قتل کر دیا (۱۰۸)۔

دوسرے روز عوام نے شورش برپا کی اور وہ جڈی بل محلے پر ٹوٹ پڑے۔ شیعہ

لوگ وہاں فساد کے دنوں میں ہندوؤں کے ساتھ متفق ہو کر ایک عظیم مورچہ باندھنے سے محفوظ تھے۔ اب ان پر محتوی خان کو قتل کرنے کی سازش اور مشورے میں شریک ہونے کی تہمت لگ جانے کی وجہ سے حملہ آوروں نے حملہ کر کے ان کو ہر جگہ برباد و غارت کیا اور ان کے مال و جائیداد اور ان کے خانمان کو آتش ہلاکت میں ڈال کر ہر چھوٹے بڑے اور ہر زن و مرد کی ایک کثیر جماعت کو موت کی وادی میں پہنچا دیا اور نازیبا عمل سے ان کے ننگ و ناموس کے پردے پھاڑ کر اپنے نامہ اعمال سیاہ کر دیئے۔ جڈی بل محلے کے بچوں اور عورتوں نے میر شمس عراقی کی خانقاہ میں پناہ لے کر جان کے خوف سے دروازے بند کر لئے تھے۔ لیکن اہل فساد نے روز قیامت کی باز پرس کی پرواہ کئے بغیر مذکورہ خانقاہ کو دشمنی سے کام لیتے ہوئے آگ لگا دی اور چاندی جیسی بدن والی ماہروؤں کو ملیامیٹ کر کے بے گناہ بچوں تک کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔

اللہ اکبر! اس طرح کا تباہ کن حادثہ اور جانکاہ واقعہ کبھی بھی شیعہ لوگوں پر طاری نہیں ہوا تھا کہ دن کے صرف ایک پہر کی مدت کے اندر ان کا گھر بار، ان کا مال، ان کی جائیداد اور ان کی حیا اور ننگ و ناموس مٹ گئے۔

اس کے بعد ہجومیوں نے محتوی خان کے بیٹے ملا شرف الدین کو، جو باپ کے فساد کے واقعہ میں روپوش ہو گیا تھا، باہر نکال کر اسے باپ کی جگہ شیخ الاسلام اور عام لوگوں کا سرپرست بنا دیا۔ اسی روز مومن خان بھی شہر میں داخل ہوا اور فتنہ و فساد اور لڑائی جھگڑا پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گیا اور حکومتی نظم و نسق کی کوئی بھی چیز عمل میں نہیں آسکی۔ ایسی بے انتظامی وجود میں آگئی کہ عنایت اللہ خان صوبہ کی نیابت سے بے دخل اور حضور میں مستعفی ہوا۔ حضور سے عبدالصمد خان (۱۰۹) سیف الدولہ کی نظامت کشمیر کے عہدے پر تقرری ہو گئی۔ اس

نے اپنے آنے تک عبداللہ خان دہ بیدی کو نائب بنایا لیکن اس کے ہاتھ سے حکومتی امورات کا کوئی بندوبست کرنا ممکن نہیں ہو پایا۔ یہ فتنہ وفساد اور سرکشی وعناد کی آگ بدستور بھڑک ہی رہی تھی کہ محرم کے مہینے میں ۱۱۳۰ھ کو سیف الدولہ لاہور سے ایک زبردست فوج کے ہمراہ یلغار کرتے ہوئے کشمیر میں داخل ہوا۔ اسکے داخل ہونے کی تاریخ ہے ''خرِد جال آمد از لاہور (۱۱۰)'' (خرد جال لاہور سے آگیا)۔ ملا شرف الدین کو حسن تدبیر سے اس کے مدد گاروں کے سمیت گرفتار کر کے قتل کر دیا اور سرکشوں اور مفسدوں بلکہ اکثر شہر کے معروف بزرگ لوگوں کی قرار واقعی مالی اور جانی تنبیہ کر کے نایدکدل سے لے کر خواجہ یاربل تک پچاس آدمیوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا اور ہندوؤں کو پگڑی باندھنے، گھوڑے پر سوار ہونے اور اچھا لباس پہننے کی، جو ڈیڑھ سال سے ممنوع تھا، اجازت دے دی۔ عوام کی تنبیہ اور فساد کا تدارک کر کے اور خاطر خواہ طریقے پر حکومت کے امور کو جاری اور مضبوط و مستحکم بنا کر چھ مہینوں کے قیام کے بعد حضور کی خدمت میں چلا گیا۔

چھٹی لوٹ:

برکات خان (۱۱۱) کے ایام حکومت میں، ببر اللہ خان نے پہاڑی راجاؤں کے ساتھ مل کر بغاوت کا لباس پہن لینے کے بعد شہر اور دیہات میں جگہ جگہ تاخت و تاراج کر کے ملک کی روشنی چھین لی۔ چند دنوں تک جڈی بل کے شیعوں کے ساتھ مشورہ کر کے بغاوت کا جھنڈا لہرایا اور شاہی فوجوں کو متواتر پسپا کر کے اہل شہر کو لوٹ لیا۔ آخر ابوالبرکات خان نے شہر کے منصب داروں کی جماعت اور شاہی افواج کے ساتھ پائیداری کا مظاہرہ کر کے کافی جدال وخونریزی کے بعد اس سرکش باغی کو شہر بدر کر کے کامراج کی طرف ایسے بھگا دیا کہ اس کا تعاقب تک نہیں کیا اور سب عوام الناس کو اہل شیعہ کو لوٹنے کی اجازت دیدی۔

لوگوں نے ہر محلے میں گھس کر شیعوں کا مال و دولت لوٹ لیا اور ان کے ننگ و ناموس کو ملیا میٹ کر دینے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ اور کئی محلوں کو دن کے ایک پہر کے عرصے میں ویران کر ڈالا۔ اس کی تاریخ ہے: عام التشویش (۱۱۲)۔

ساتویں لوٹ:

بلند خان کی حکومت (۱۱۳) میں لوگ پانی مانگنے کی نماز پڑھنے کیلئے عیدگاہ گئے اور وہاں پر شیعوں نے حضرت خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ (۱۱۴) کی نسبت بے ادبانہ کلام کیا۔ عوام نے شورش کی اور جڈی بل کو نذر آتش کر کے شیعوں کو غارت کیا۔ بلند خان نے اس معاملے کی تحقیقات کرا کے بعض شیعوں کے کان اور ناک کاٹ دیئے اور جرمانہ کر کے سزا دی۔

آٹھویں لوٹ:

عبداللہ خان کے دوران حکومت میں سال ۱۲۱۶ھ (۱۱۵) میں اور عطا محمد خان کی نیابت میں یہ واقعہ ظہور میں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عاشورا کے دن ماتم سرا میں شیعوں نے اعلانیہ طور پر حضرات اصحاب کبارؓ کے نام سبّ و تبرا پڑھے اور مرثیہ خوانی و جنازہ رانی میں بھی گستاخی سے کام لیا۔ اس کے سبب ہر خاص و عام میں جھنجھلاہٹ پیدا ہوئی اور کابل کے خانوں کی غیرت جوش میں آ گئی اور انہوں نے شہر کے لچے لفنگوں اور غنڈوں کو اپنے ساتھ ملا کر لوٹ کی دست درازی کرتے ہوئے ہر جگہ پر شیعوں کے مال و متاع کو غارت کر دیا اور آنکھ جھپکنے میں قہر و غضب کی آگ میں ان کے خانمان کو راکھ کر ڈالا اور ان کے ننگ و ناموس پر ہاتھ ڈال کر بے حیائی اور بے شرمی میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی۔

نویں لوٹ:

بہما سنگھ (۱۱۶) کی حاکمیت میں ۱۲۴۶ھ (۱۱۷) میں یہ لوٹ مچی۔ مورخوں نے

یوں لکھا ہے کہ خوشحال سر جھیل کے ایک لوخ زار، جس کی گھاس معروف ہے، کے گھاس سے چٹائیاں بنوا کر ابراہیم خان کے عہد سے رسم کے مطابق ان کی نصف تعداد کو جامع مسجد کے فرش کیلئے دیتے تھے اور باقی نصف سے جڈی بل کی ماتم سرا کا فرش ہوتا تھا۔

اس سال سکھوں کی حکومت ہونے کی وجہ سے شیعوں کے دماغ میں ایک اور ہی خیال پختہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے اب کی بار جامع مسجد کا حصہ بھی اپنی ماتم سرا میں بچھا دیا۔ یہ حرکت سنیوں کو بری لگی اور ماہ عاشورا کے غرہ کے روز آپس میں بات چیت کے بعد انہوں نے حاکم کے سامنے دعویٰ پیش کیا۔ بھمان سنگھ نے حکم دیا کہ جامع مسجد کا معمول کا حصہ جامع مسجد کو لوٹا دیا جائے۔ چند دنوں تک شیعوں نے تغافل سے کام لیا اور پھر چٹائیوں سے دستبردار نہیں ہوئے۔ بلکہ اسی روز عاشورا پر سبّ وتبرا پڑھتے ہوئے شہدا کے تابوت کی تقلید کے دوران بے ادبی کی۔ سنیوں میں سے چند اشخاص نے بھمان سنگھ کے پاس مسجد جامع کی چٹائیوں کے نہ ملنے پر عرضی پیش کی۔ بھمان سنگھ نے ان کے ساتھ دو سپاہی کر دیئے اور حکم دیا کہ ماتم سرا سے چٹائیاں نکال کر جامع مسجد میں پہنچا دو۔ سنیوں نے سپاہیوں کی مدد سے ماتم سرا سے چٹائیاں نکالنا شروع کیں کہ شیعہ لوگوں نے فساد اور دنگا کر کے جنگ وجدل کی آگ بھڑکائی اور سنیوں سے بدکلامی اور دشنام طرازی کی۔ شہر کے لوگوں کو اسی وقت خبر ہو گئی۔ انہوں نے خشم وقہر کے گریبان سے سر کو اُونچا کرتے ہوئے شیعہ مکانوں میں آگ لگا دی۔ ان کے جمع کئے سرمائے، ان کی جائیداد اور مال ومتاع اور سارے اسباب کو لوٹ کر دو پہر تک نابودی کی خاک میں ملا کے رکھ دیا اور ان کے شرم وناموس کے پردوں کو چاک کر ڈالا۔ مباشرت کی بدکاری کے بعد بعض عورتوں کی شرمگاہوں میں خنجر ٹھونس کر انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔

دسویں لوٹ:

رنبیر سنگھ کی حکمرانی اور وزیر پنوں کے زمانہ انتظام میں سال ۱۲۸۹ھ (118) (سموت ۱۹۲۹ بکرمی) میں یہ لوٹ مچی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں اس سال میں دو تین مہینوں تک وبا کی آگ پھیل چکی تھی۔ جس سے بھاری خلقت موت کا شکار ہو گئی اور اس دوران میں لوگ اس مصیبت سے نجات پانے کیلئے مسجدوں اور خانقاہوں میں جا کر اللہ تعالیٰ سے التجائیں کرتے اور دعائیں مانگتے تھے۔ شیعہ لوگوں نے محلّہ مدین صاحب میں خانقاہ کے متصل مسجد کی زمین پر امامیوں کی مسجد کی بنیاد ڈال کر وہاں پر رکوع وسجود کیا کرتے تھے اور سنیوں پر یہ حرکت ناگوار گذری۔ رجب مہینے کی ۱۱ رتاریخ کو سید محمد مدنی (119) کے عرس کے دن خاص اور عام وہاں اکٹھے ہوئے اور انہوں نے شیعہ مسجد کی دیواریں بنیاد سے اکھیڑ ڈالیں۔ امامی لوگ ہجوم کر کے آگئے اور مار دھاڑ شروع کی اور اہل اسلام کو زخمی و مجروح کر کے دکانداروں کو لوٹ لیا۔ سنیوں نے کوتوالی اور عدالت اور دربار عالی میں استغاثہ کیا۔ رات کے وقت میں حکام اس بارے میں کوئی مداوا تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن استغاثہ کرنے والے جب لوٹ کے آرہے تھے تو انہوں نے شہر میں افواہ اڑا دی کہ وزیر پنوں نے ہمیں شیعوں کی غارت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی بدمعاشوں اور لچے لفنگوں نے فساد کی چنگاری بھڑکا دی اور صبح کے چار بجے شیعہ لوگوں کے گھروں میں آگ لگا کر انہیں لوٹنے لگے اور صبح کے نو بجے تک وزیر خواب نخوت سے نہیں جاگا اور شیعوں کا مال و متاع لٹ گیا۔

اس کے بعد وزیر چست و چالاک گھوڑے پر سوار ہو کر موقع پر چلا گیا اور دوپہر کے ایک بجے تک سیر و تفریح میں مشغول رہا۔ پھر فوج کو تجویز دی کہ فسادیوں کو پکڑ لیا جائے۔

اس پر قلعہ کے سپاہیوں نے ظلم و جور کے بازو بڑھا کر مسلمانوں کو غارت کیا۔ جس کسی کو راستے میں جاتا دیکھا اسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا اور قریب کوئی ایک ہزار قصور وار اور غیر قصور وار آدمی اسیر زندان ہو گئے۔ دوسرے روز ہندو قوم کے چند معروف بڑے لوگوں کو شیعوں کے مال و جائیداد کی تلاش و تفتیش کیلئے مقرر کر کے بھیج دیا گیا۔ انہوں نے حق و باطل تہمتیں لگائے جانے کی پاداش میں محمدیوں کے مال و متاع کو ان کے گھروں سے باہر نکال نکال کے ان کے انبار لگائیے اور اس مال و متاع کی گرانقدر اشیا کو اپنا حق زحمت جان کر اٹھانے کے بعد کچھ مال شیعوں کو دے دیا اور باقی حکومتی خزانے کے حق میں ضبط کر لیا۔ امامیوں کے کردار سے سنیوں کو دوگنا نقصان اور تکلیف اُٹھانا پڑی۔ قلعہ میں اسیر لوگوں کو جرمانہ ادا کرنے کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ لیکن تین سو مجرم اور غیر مجرم لوگوں کو جموں بھیج دیا گیا اور بعض معروف شخصیتوں اور علامہ بزرگواروں کو اوڑی (۱۲۰) کے قید خانے میں رکھا گیا۔ مظلوم قیدیوں کے حق میں سوپور کے لوگ آب و نان مہیا کر کے پیش آئے لیکن اسے بہانہ بنا کر ان سے ایک ہزار روپے جرمانہ وصول کیا گیا۔

خواجہ محی الدین گندرو کو دنگا فساد کرنے پر اکسانے کی تہمت لگا کر مجرموں کے ہمراہ حضور میں روانہ کر دیا گیا۔ شیعہ لوگوں نے جموں دربار میں کافی پیشہ خرچ کر کے حکومتی امراء کو اپنی طرف مائل کیا۔ لیکن محی الدین گندرو نے خود کو بے قصور، بے گناہ جان کر کسی کو ایک دھیلہ تک نہیں دیا۔ اس بنا پر درباری امراء اور گواہوں نے دباؤ ڈال کر خواجہ محی الدین گندرو کو قصور وار ٹھہرایا اور اس کو پچاس ہزار چلکی روپے جرمانہ ادا کرنے کے بعد رہا کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ بعض مسلمان بزرگوار حضرات سے بھی جرمانے وصول کر کے سزا دی گئی۔

تحقیقات کرنے کے بعد ایک سو اسی اشخاص کو رام نگر کے قید خانے میں ڈال دیا

گیا۔ جن میں سے بعض دو تین سال بعد رہا ہوئے اور بعض وہیں پر فوت ہوئے۔ انصاف اور دریا دلی سے کام لے کر مہاراجہ رنبیر سنگھ نے شیعوں کو دو لاکھ اسی ہزار روپے کی رقم انعام کے طور پر دے دی۔ اس واقع کی تاریخ ہے ؎

ازین حسرت جہانی را جگر سوخت خرد تاریخ آن گفتا جگر سوخت (۱۲۱)

یادداشتیں

(۱) ۹۰۶ھ۔ ۹۳۷ء۔

(۲) ۱۱۲۲ء۔

(۳) ۱۳۵۶ء۔

(۴) ۱۴۷۰ء۔

(۵) ۱۵۳۲ء۔

(۶) ۱۵۷۶ء۔

(۷) مسعود چک کا بھائی زیتی شاہ چک ایک مجذوب دیوانہ آدمی تھا۔ کہتے ہیں حضرت مخدوم حمزہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہو جانا اس کا معمول تھا۔ کامراج کی انتہا پر دروگمولہ گاؤں میں زیتی شاہ کا مقبرہ مشہور ہے (واقعات کشمیر ص ۱۱۳)۔

(۸) ۱۵۷۸ء۔

(۹) طبقات اکبری چھاپ نول کشور ص ۶۲۹۔ اور فرشتہ جلد ۲ ص ۳۶۵۔ لیکن موخر الذکر نے علی شاہ کی وفات کا سال ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) لکھا ہے۔

(۱۰) ۹۸۷ھ۔ ۹۸۸ھ (۱۵۷۹ء۔ ۱۵۸۰ء)۔

(۱۱) ۱۶۰۴ء۔

(۱۲) ۱۶۴۷ء۔

(۱۳) درست ہے نواب حفیظ اللہ خان (۱۶۸۶ء سے ۱۶۸۹ء تک)۔

(۱۴) ۱۱۳۱ھ۔ ۱۱۶۲ھ (۱۷۱۹ء۔ ۱۷۴۸ء)۔

(۱۵) ۱۷۲۳ء۔

(۱۶) ۱۷۳۱ء۔

(۱۷) ۱۷۴۶ء۔

(۱۸) ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۶ء)۔

(۱۹) ۱۷۵۵ء۔

(۲۰) ۱۸۳۴ء۔

(۲۱) ۱۷۶۵ء۔

(۲۲) ۱۸۱۳ء۔

(۲۳) ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء)۔

(۲۴) ۱۸۳۲ء۔

(۲۵) ۱۸۶۴ء۔

(۲۶) ۱۸۷۷ء۔

(۲۷) ۱۸۷۹ء۔

(۲۸) پنڈت آنند کول بامزئی کے بقول طاعون کی وبا کا ایک حادثہ راجہ ہرش (۱۰۸۹ء۔۱۱۰۱ء) کے زمانے میں بھی کشمیر میں پیش آیا تھا (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۱۱۰)۔

(۲۹) احمد بیگ، حضرت نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی کے عہد میں سال ۱۶۱۵ء سے ۱۶۱۸ء تک کشمیر کا صوبہ دار تھا۔

(۳۰) ۱۶۱۵ء۔

(۳۱) آزاد خان (۱۱۹۸ھ۔۱۲۰۰ھ = ۱۷۸۳ء۔۱۷۸۵ء تیمور شاہ درانی کے عہد میں (۱۷۷۲ء۔۱۷۹۳ء) کشمیر کا صوبہ دار تھا۔

(۳۲) دیوان موتی رام دیوان محکم چند کا بیٹا تھا۔ ۱۲۳۵ھ (۱۸۱۹ء) میں کشمیر کا صوبہ دار بنا۔ اس کے عہد میں پنڈت بیربل وزیر مال ہوا۔ بیربل مسلمانوں کے خلاف کمال کا تعصب رکھتا تھا۔ اور اسلامی شرعی کاموں کی ادائیگی میں وہ سخت رکاوٹیں ڈالتا تھا۔ اسی صوبہ دار کے حکم سے جامع مسجد میں، جو کشمیر کی بزرگ ترین مسجد ہے اور تاریخی اہمیت رکھتی ہے، تالا چڑھا دیا گیا۔ اس کے زمانے میں مسجدوں میں اذان دینے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی (نگارستان کشمیر ص ۲۳۹۔۲۴۰)۔

(۳۳) ۱۸۲۷ء۔

(۳۴) ۱۸۴۵ء۔

(۳۵) ۱۸۵۷ء۔۱۸۸۵ء۔

(۳۶) ۱۸۵۷ء۔

(۳۷) ۱۸۶۷ء۔

(۳۸) ۱۸۷۲ء۔

(۳۹) ۱۲۸۹ھ(۱۸۷۲ء)۔

(۴۰) ۱۸۷۶ء۔

(۴۱) ۱۸۷۸ء۔

(۴۲) ۲۰۸۲ق م۔۲۰۴۱ق م۔

(۴۳) ۸۵۵ء۔۸۸۳ء۔

(۴۴) ۱۵۰۱ء۔

(۴۵) ۱۵۵۲ء۔

(۴۶) ۱۶۶۹ء۔

(۴۷) ابراہیم خان، حضرت محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر پادشاہ غازی کے عہد میں کشمیر کا صوبہ دار تھا۔ مختلف وقتوں میں چار دفعہ (اول ۱۶۶۲ء میں، دوسری بار ۱۶۷۸ء سے ۱۶۸۶ء تک، تیسری اور چوتھی بار ۱۷۰۹ء میں محمد معظم شاہ بہادر کے زمانے میں) کشمیر کا حاکم بنا۔ مذکورہ سانحہ ۱۰۹۴ھ (۱۶۸۲ء) میں واقع ہوا جیسا کہ اس بھونچال کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔

(۴۸) مطابق روز جمعہ ۲۴/مارچ ۱۷۳۶ء۔

(۴۹) ۱۷۷۹ء۔

(۵۰) مطابق ۱۷۸۴ء۔ آزاد خان، تیمور شاہ درانی کی طرف سے ۱۷۸۳ء کے آغاز سے ۱۷۸۵ء تک کشمیر کا صوبہ دار تھا۔

(۵۱) مطابق ۲۷/اپریل بدھوار ۱۸۰۳ء۔

(۵۲) مطابق ۵/جولائی سنیچروار ۱۸۲۸ء۔

(۵۳) ۱۸۶۳ء۔

(۵۴) بہادروں یعنی بہادوں کا مہینہ ہندی تقویم کا، مطابق انگریزی ماہ ستمبر، اکتوبر۔

(۵۵) مطابق ۳۰ رمئی سنیچروار ۱۸۸۴ء۔

(۵۶) بانگل، کامراج (مغربی کشمیر) میں ایک پرگنہ ہے (این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۱)۔

(۵۷) کروہن، کامراج (مغربی کشمیر) میں ایک پرگنہ ہے (این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر ص ۲۲۱)۔

(۵۸) وُتر بنیول کشمیری ترکیب ہے جس کے معنی ہیں شمال کا زلزلہ۔ وتر یعنی شمال اور بنیول یعنی زلزلہ۔ اور یہاں مراد ہے شدید بھونچال۔

(۵۹) ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء) پنڈت آنندکول بامزئی (جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ ص ۱۱۰) نے ان دو بھونچالوں کے علاوہ ایک اور تیسرے بھونچال کا ذکر کیا ہے جو مانسبل کے قریب کوندہ بل گاؤں میں سال ۱۸۷۸ء میں آیا۔ اس کے بقول سولہ مکان اس زلزلے سے زمین پر آگرے اور ان کے باشندے اسی وقت زندہ دفن ہو گئے۔

(۶۰) یعنی راجہ سندرسین کے زمانے میں (۲۰۴۱ ق م ۔ ۲۰۸۲ ق م)۔

(۶۱) درلا بھوردھن (۶۲۷ء۔ ۶۶۳ء)۔

(۶۲) ۶۳۵ء۔

(۶۳) ۷۲۵ء۔ ۷۵۳ء۔

(۶۴) ۸۵۵ء۔ ۸۸۳ء۔

(۶۵) ۹۱۷ء ۔ ۹۱۸ء۔

(۶۶) ۱۳۷۹ء۔

(۶۷) ۱۵۷۴ء۔ ۱۵۷۵ء۔

(۶۸) ۱۶۶۸ء۔

(۶۹) ۱۷۳۰ء۔

(۷۰) ۱۷۳۵ء۔ ۱۷۳۶ء۔

(۷۱) ۱۷۴۷ء۔

(۷۲) ۱۷۷۰ء۔

(۷۳) ۱۷۸۷ء۔ ۱۸۸۸ء۔

(۷۴) ۱۷۹۹ء۔ ۱۸۰۰ء۔

(۷۵) ۱۸۳۶ء۔ ۱۸۳۷ء۔

(۷۶) راجہ پرورسین دوم (۵۵۰ء)۔

(۷۸) ۹۵۸ء-۹۷۲ء۔

(۷۹) ۱۳۲۲ء۔

(۸۰) ۱۴۹۴ء۔

(۸۱) ۱۴۸۰ء۔

(۸۲) ۱۶۲۰ء۔

(۸۳) ۱۶۷۵ء۔

(۸۴) ۱۷۱۱ء۔

(۸۵) ۱۷۳۷ء۔

(۸۶) ۱۷۳۹ء۔

(۸۷) ۱۷۴۵ء۔

(۸۸) یہ آگ سال ۱۷۴۴ء میں لگی۔

(۸۹) ۱۷۶۵ء-۱۷۶۶ء۔

(۹۰) ۱۸۰۰ء-۱۸۰۱ء۔

(۹۱) ۱۸۵۰ء-۱۸۵۱ء۔

(۹۲) ۱۸۷۵ء۔

(۹۳) ۱۸۷۸ء۔

(۹۴) ۱۵۴۸ء۔

(۹۵) موسیٰ رینہ کا بیٹا عیدی رینہ کوٹہ رانی کے باپ رام چندر اور شاہمیر کی بیوی کے خاندان سے تھا۔ کشمیر کی سیاسی تاریخ میں ایک اہم آدمی تھا۔ سلطان محمد شاہ (۱۵۱۶ء-۱۵۲۸ء) کے زمانے میں عیدی رینہ نے جہانگیر پڈر اور لوہر شاہ کی مدد سے فتح شاہ کے بیٹے سکندر شاہ کو تخت پر بٹھانا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ میرزا حیدر کاشغری کے عہد حکومت میں عیدی رینہ وزیر ہو گیا لیکن کچھ عرصہ بعد اسلام شاہ کی سازش سے اپنے ولی نعمت کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا۔ میرزا حیدر کی وفات کے بعد ملک کشمیر کا انتظام عیدی رینہ کے ہاتھوں میں آ گیا لیکن دولت چک کے ساتھ عناد پیدا ہو جانے کی وجہ سے عیدی رینہ کا غلبہ پائیدار نہیں رہا۔ عیدی رینہ نے ۱۵۵۱ء میں وفات پائی (کشمیر جلد ا ر ص ۱۹۵-۲۰۶-۳۰۹)۔

(۹۶) رشی سنسکرت میں عارف اور مرتاض کو کہتے ہیں۔ کشمیر کے مسلمان صوفی کشمیر میں قدیم وقتوں سے رشی نام سے مشہور تھے۔ محمد نورالدین جہانگیر نے اپنی توزک میں (ص ۳۰۶/ چھاپ مطبع نول کشور لکھنو) لکھا ہے کہ: ''اور فقریوں کی ایک جماعت ہے جنہیں ریشی کہتے ہیں۔ اگرچہ نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہی معرفت لیکن ظاہر کو آراستہ کئے بغیر کسی بناوٹ کے زندگی بسر کرتے ہیں۔ کسی کی بدگوئی نہیں کرتے۔ خواہش کا اظہار کرنے اور مانگنے کے لئے ان کی زبان چھوٹی ہے۔ گوشت نہیں کھاتے۔ شادی نہیں کرتے۔ ہمیشہ میدانوں میں ثمردار درخت لگاتے ہیں اس نیت سے کہ لوگ ان سے فائدہ پائیں لیکن خود ان سے فائدہ نہیں پاتے۔ یہ کوئی دو ہزار کے قریب لوگ ہوں گے اس جماعت کے''۔

(۹۷) ۹۵۷ھ (۱۵۴۹ء)۔

(۹۸) ۱۵۸۵ء۔

(۹۹) ۱۶۳۵ء۔

(۱۰۰) حضرت ایشان خواجہ خاوند محمودؒ بخارا کے اکابر سادات میں سے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار میر سید شریفؒ ہیں جو پانچ واسطوں سے حضرت قطب الابرار خواجہ علاءالدین عطارؒ تک پہنچ جاتے ہیں۔ آپ نے جوانی کے آغاز میں بخارا سے سفر کیا اور گجرات کی راہ سے اول کشمیر میں پہنچے۔ کچھ عرصے تک رشد و ہدات دینے کے بعد ہندوستان چلے گئے اور وہاں بھی لوگوں کو فیضیاب کرنے کے بعد واپس کشمیر چلے آئے اور اس محلے میں سکونت اختیار کی جہاں اس وقت آپ کی اولاد رہتی ہے۔ خانقاہ اور اصلی مکان جو کشمیر کے بادشاہ حسن شاہ کے تھے آپ کے خادموں کے لئے مشخص ہوئے۔ آپ نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی اور جب طریقت کے رواج پانے میں اضافہ ہوتا گیا آپ نے خانقاہ کو وسیع تر بنانے کا ارادہ فرمایا اور روحانی قوت سے اشم میں سے حضرت میر باباویسیؒ کی خانقاہ کو ایک ہی جنبش میں اٹھا کر موجودہ جگہ پر لاکر نصب کیا کہ ویران ہونے سے بچ کر پھر سے آباد ہوگئی اور وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنا ڈالی۔ اس کے بعد آپ نے بادشاہ کے حکم سے لاہور میں سکونت کی اور مرشد السالکین خواجہ معین الدینؒ کو بادشاہ کی اجازت سے خانقاہ کو رواج دینے کیلئے کشمیر بھیج دیا۔ آپ کی وفات لاہور میں سال ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں ہوئی جہاں آپ کا مقبرہ خاص و عام کا مرجع بنا ہوا ہے (واقعات کشمیر ص ۱۳۰-۱۳۹)۔

(۱۰۱) سرینگر میں ایک محلّہ ہے جو حضوری باغ کے پاس رام باغ سڑک پر واقع ہے۔

(۱۰۲) اس ''مفسدی'' سے مراد ہے صوبہ دار کشمیر ظفر خان کی مفسدی (واقعات کشمیر، ص ۱۳۸)۔

(۱۰۳) ۱۶۸۲ء۔

(۱۰۴) واقعات کشمیر ص ۱۷۵۔۱۷۶۔

(۱۰۵) ۱۷۱۹ء۔

(۱۰۶) ابوالنصر قطب الدین محمد معظم شاہ عالم بہادر جو حضرت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازیؒ کا دوسرا فرزند تھا (واقعات کشمیر ص ۲۱۱۔۲۱۲)۔

(۱۰۷) ۱۳/ستمبر ۱۷۱۹ء۔

(۱۰۸) بقول خواجہ محمد اعظم (واقعات کشمیر ص ۲۳۴) تعمیہ کے ساتھ ان کی تاریخ ہے: شہید سر گذشت شیخ الاسلام

(۱۰۹) ۱۱۳۴ھ سے ۱۱۳۶ھ تک (۱۷۲۱ء سے ۱۷۲۳ء تک)۔

(۱۱۰) ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۱ء)۔

(۱۱۱) صاحب نگارستان کشمیر (ص ۲۱۸) کے بقول یہ واقعہ نواب اسعد یار خان صوبہ دار کے زمانے میں (۱۱۵۴ھ۔۱۱۵۸ھ = ۱۷۴۱ء۔۱۷۴۵ء) رونما ہوا جب ابوالبرکات خان اس کا نائب تھا۔

(۱۱۲) ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵ء)۔

(۱۱۳) بلند خان بامزئی (۱۱۷۵ھ۔۱۱۷۷ھ = ۱۷۶۲ء۔۱۷۶۴ء)۔

(۱۱۴) حضرت خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ تاجر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ توفیق ربانی سے حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفیؒ کے مرید ہو کر امر حق پر قائم رہے اور حضرت ایشانؒ کی خلافت کا مرتبہ پایا۔ شعر گوئی میں کمال حاصل تھا ۔مرشد بزرگوارؒ کے حالات پر نظم ونثر میں آپ کی تصنیف معروف ہے۔ سال ۱۰۲۶ھ میں طاعون کی غلبگی کے ایام میں رحلت کی۔ آپ کا روضہ پاک نوشہرہ میں مرجع خاص وعام ہے (واقعات کشمیر ص ۱۲۸)۔

(۱۱۵) ۱۰۸۱ء۔

(۱۱۶) مہان سنگھ اردلی۔

(۱۱۷) ۱۸۳۰ء۔

(۱۱۸) ۱۸۷۲ء۔

(۱۱۹) حضرت سید محمد مدنیؒ حضرت میر سید محمد ہمدانی قدس سرہ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ امیر تیمور کے سفیر کے ساتھ سلطان سکندر کے زمانے میں کشمیر آئے۔ جب اس جگہ کو ایک اچھا اور دل نشین مقام پایا تو یہیں ٹھہر گئے۔ البتہ بعض اہم کام انجام دینے کیلئے واپس ماوراء النہر چلے گئے اور جلد ہی لوٹ کر اہل وعیال کے ساتھ رعناواری میں سکونت اختیار فرمائی۔ سلطان کو جب معلوم ہوا تو وہ ان سے ملنے گئے اور آپ کے کمالات سے واقف ہو کر آپ کو اپنے پاس لانے پر راضی کر لیا۔ بادشاہ نے آپ کیلئے خانقاہ بنوائی اور اسی اثناء میں آپ کی وفات ہوگئی۔ اور نوشہرہ میں آسودہ

ہوئے۔حضرت میرؒ کی زیارت مرجع خاص وعام تھی اور سلاطین وحکام بھی وہاں حاضر ہوتے تھے۔بعضوں کا کہنا ہے کہ سلطان زین العابدین کے زمانے میں پہلے بانگل پرگنہ کے مالہ سوگاؤں میں سکونت اختیار کی لیکن بعد میں سلطان کی التجا پر شہر آ گئے اور نوشہرہ جا کر بسے اور وہیں پر آسودہ ہوئے۔یہی آخری روایت سچائی کے قریب تر ہے۔علی مردان خان (۱۶۵۰ء۔۱۶۵۷ء) کے زمانے تک حضرت میر سید محمد مدنیؒ کی زیارت گاہ خاص وعام کی مرجع تھی بعد میں اس میں تھوڑی کمی آ گئی (واقعات کشمیر ص ۴۶)۔

(۱۲۰) اوڑی کا قلعہ (جواب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے) کشمیر کے صوبہ دار ہری سنگھ نلوہ (۱۸۲۰ء۔۱۸۲۱ء) نے رنجیت سنگھ کے زمانے میں بنایا تھا۔یہ قصبہ دریائے جہلم کے کنارے پر سرینگر سے ساٹھ میل کی دوری پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔

(۱۲۱) ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء)۔

متفرقہ حادثات

☆ راجہ مرہن دیوار کامن دیو کے زمانے میں سال ۵۵۶ھ کلجوگ میں بیج بہاڑہ کے متصل چکدر کی بلندی پر ایک عظیم بدن کا سانپ آسمان سے آ گرا جو دو دنوں تک حرکت میں تھا۔ ایک سال تک اس کی لاش خراب نہیں ہوئی۔

☆ نیز، راجہ اندید ہشٹر کے زمانے میں سال ۲۸۳۸ھ کلجوگ میں ہرموکٹھ پہاڑ کے مغربی دامن کے نیچے سخت برفباری اور بادلوں کی گرج اور بجلیوں کے چمکنے کی حالت کے دوران رات کو دو تین گھنٹے تک ایسی شدید بارش ہوئی جس میں کو یہامہ پرگنہ (۱) کے گیارہ گاؤں مع مال و مویشی بہہ کر اولر جھیل میں پہنچ گئے اور مذکورہ گاؤں کی تین چار گز زمین کو بھی اٹھا کر ولر کی خلیج میں بھگونے سے ایک سنگ زار کو نمایاں کر دیا۔

☆ نیز، سال ۷۲۴ھ (۲) میں ذوالقدر خان ترک نے جو چنگیز خان کی اولاد میں سے تھا، ۷۰/ ہزار سواروں کی فوج کے ہمراہ کشمیر پر حملہ کر کے ملک کے تمام لوگوں کا قتل عام کیا اور مال مویشی لوٹ کر ملک کو بے چراغ کر دیا اور چھ ماہ کے بعد واپس جانے کا ارادہ کر کے گھوڑی کے راستے سے اس ملک کے پچاس ہزار قیدیوں کو ساتھ لے کر مگھر اور پوہ (۳) کے مہینے میں روانہ ہوا اور پہاڑ کے اُوپر پہنچ کر ایسی برفباری ہوئی کہ پیغام لانے تک کیلئے بھی کوئی آدمی نہیں بچا۔

☆ نیز، سال ۹۲۳ھ (۴) میں ہندوؤں کی ایک جماعت مقررہ وقت پر اپنے مردوں کی ہڈیوں کو لے کر ہرموکٹھ گنگا کو روانہ ہوئی۔ مہالشہ مرگ پہاڑ کے اُوپر رات کو چھلاوے کی

آواز سے بیدار ہو کے بھاگنے لگے اور تاریکی میں راستہ بجھائی نہ دینے کی وجہ سے تقریباً نو ہزار آدمی، کیا عورت اور کیا مرد، ھپ رڈن پہاڑ کی بلندی سے، جو ایک گہری سنگلاخ جگہ ہے، ایک ایک کر کے نیچے گر گئے اور موت کی وادی میں پہنچ گئے۔

☆ نیز، سال ۱۰۲۴ھ (۵) میں شوپیان کے آس پاس شدت کی بارش برسنے کے سبب پیر پنچال پہاڑ کے قریب پہاڑ کا ایک ٹکڑا جس کی چوٹی پر سے آبشار کی مانند گویا پانی کا ایک دریا نیچے کی طرف روانہ تھا، بنیاد سے اکھڑ کر شاورہ پرگنہ میں منتشر ہو گیا۔

☆ نیز، شاہجہان بادشاہ کے عہد میں سال ۱۰۵۵ھ (۶) میں آدون پرگنہ (۷) کے بدرو گاؤں میں بجلیوں کی چمک اور بادلوں کی گرج اور اولے برسنے کے سخت ہجوم میں آسمان گرد آلود ہوا اور آسمان سے ایک ٹکڑا آ کے گرا جس کی لمبائی ستر گز اور چوڑائی تیس گز اور موٹائی ساڑھے سات گز تھی۔ دو تین دنوں میں پگھل گیا۔

☆ نیز، بادشاہ جہانگیر کے زمانے میں سال ۱۰۲۶ھ (۸) میں پانپور گاؤں (۹) میں ایک عورت سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں جنکے پشت باہم جڑے ہوئے تھے اور دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد مر گئیں۔

اسی طرح سے مخلوقات کو پیدا کرنے والے خدای خالق کی قدرت سے اس طرح کے واقعات و عجائبات اکثر وجود میں آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ گزیدہ (۱۰) میں آیا کہ:

قزوین میں ایک عورت نے ایک لڑکی کو جنم دیا جس کا نصف نچلا حصہ لڑکیوں کا سا تھا اور دوسرا اُوپر کا حصہ ناف سے دو حصوں میں بٹ چکا تھا جس کی وجہ سے اس کے چار بازو تھے اور دو ہلتے ہوئے سر۔ ایک سر کم و بیش مرا ہوا تھا۔ یہ بچہ قریب پانچ چھ مہینوں تک

زندہ تھا۔

☆ نیز سلطان ابوسعید (۱۱) کے زمانے میں ایران میں گائے کا ایک بچھڑا تھا جس کی چار آنکھیں تھیں اور دو ٹانگیں۔

☆ نیز، اسی زمانے میں ایک آدمی تھا جس کے سارے بدن پر ریچھ کی طرح بال تھے اور داڑھی کمر تک تھی۔ اس کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور بھیک مانگتا تھا۔

☆ نیزم، ایران میں ایک عورت تھی جس کے بازو اور چہرہ بالوں سے بھرے ہوئے تھے بالکل ریچھ کی مانند اور اس کے نچلے دانت نہیں تھے اور اس کی بات کسی کی فہم میں نہیں آتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ ریچھ نے اس کی ماں سے مباشرت کی ہے اور یہ عجیب تحفہ لے آیا ہے۔

☆ نیز جامع الحکایات میں آیا ہے کہ سلطان التمش (۱۲) کے زمانے میں بھی اس قسم کے آدمی کو دیکھا گیا ہے۔ اس کی ایک بیٹی بھی ہوئی تھی جو ایسی ہی شکل وصورت کی تھی اور سلطان نے اسے مستنصر عباسی (۱۳) کے پاس بھیج دیا۔

☆ نیز، سلطان الجایتو (۱۴) کے زمانے میں بلوغیت کے وقت ایک لڑکی کے شرمگاہ کے گرد جب بال نکل آئے تو چند دنوں کے بعد مرد کا آلہ تناسل مع دنوں خصیوں کے اس کی شرمگاہ سے پھوٹ نکلے اور وہ مرد بن گئی۔

☆ نیز، ایک آدمی کی چار سالہ بیٹی تھی۔ ایک دن اس کی لڑکی نے ایک شدید جنبش کی جس سے اس کے بدن میں سخت جھرجھری پیدا ہوئی اور اس کے اندام نہانی میں شگاف ہو گئی جہاں سے خصیے اور مرد کا آلہ تناسل نکل آئے۔

☆ نیز، کلیات قانون کی شرح میں علامہ قطب الدین (۱۵) نے لکھا ہے کہ نجم الدین

حفص، جوخوارزم کے علماء میں سے تھا، کی بیٹی نے ایک ایسے فرزند کو جنم دیا جس کا سر آدمی کا ساتھا لیکن بدن سانپ کا تھا اور خود ماں کے پاس آکر دودھ پیتا تھا اور پانی کے تالاب میں جس میں ایک جوان رہتا تھا جا کر تیر تار ہتا تھا اور پھر ماں کے پاس آکر دودھ پیتا تھا۔ آخر فقہاء کے فتویٰ سے اسے دو ماہ بعد قتل کر دیا گیا۔

☆ نیز، یافعی (۱۶) نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ ۴۸۵ھ میں بغداد میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا بدن ایک تھا لیکن اس میں سر دو تھے اور گردنیں بھی دو تھیں۔

☆ نیز، قاضی میر حسین یزدی نے شرح ابیات مرتضوی میں کہا ہے کہ یزد شہر میں ایک بچہ پیدا ہوا جو باتیں کرتا تھا اور قرآن پڑھتا تھا اور خفیہ حالات کی خبر دیتا تھا۔ اس کا سر بڑا تھا۔ دو سال بعد مر گیا۔

☆ نیز، ابوعلی نے (۱۷) بیان کیا ہے کہ جرجان کے (۱۸) کے آس پاس میں ہوا سے فولاد کا ایک ٹکڑا آگرا جس کا وزن ڈیڑھ سو من تھا اور وہاں کے لوگوں نے اس کے گرنے کی ایک عظیم آواز سنی۔ انہوں نے اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر جرجان کے حکمران کے پاس بھیج دیا اور سلطان محمود غزنوی (۱۹) نے بھی اس میں سے تھوڑا سا منگوایا۔ جب بھیج دیا گیا تو ہر چند اس نے اس سے تلوار بنانا چاہی ممکن نہ ہوا۔ انتہائی سختی کے ساتھ اس کے اجزا گاورس کی طرح جڑ چکے تھے۔

☆ نیز، ابونصر بن منصور ہرمز نے کہا ہے کہ اسی طرح کی ایک چیز طبرستان میں بھی آسمان سے آگری جو نہ پتھر تھا نہ فولاد۔

☆ نیز، ابن جوزی (۲۰) کا کہنا ہے کہ سال ۴۲۰ھ میں جب سلطان محمود عراق کو مسخر کرنے آیا تو بغداد میں بھاری ژالہ باری ہوئی جس کا ایک دانہ وزن میں ایک سو طل (رطل = آدھ سیر) سے بھی زیادہ تھا۔

☆ نیز م ٦ ۶۴۶ھ (۲۱) میں طاہر بن حکیم کے زمانے میں ایک رات ایک نورانی ستارہ ظاہر ہوا جس نے ایک عرصے تک شہر کو روشن کیا اور شہر دن کی طرح چمکتا تھا۔ ان ہی ایام میں عوام غلے کے قحط میں مبتلا ہو گئے۔

☆ نیز، مطیع (۲۲) کے عہد میں ذوالحجہ کی راتوں میں سے ایک رات کو ایک ستارہ ایسا چمکا کہ سارے روئے زمین کو سورج کی مانند تابناک کر دیا۔ پھر اس کے بعد لوگوں نے بادل کی کڑک جیسی آواز سنی۔

☆ نیز مصر کے شہر میں بھونچال آیا جس کی شدت سے سمندر کی مچھلیاں گہرائی سے نکل کر باہر آ گئیں۔

☆ نیز، سلطان اویس (۲۳) کے عہد میں سال ۷۷۱ھ میں تبریز میں اتنی زیادہ بارش آ گئی کہ قریب تین لاکھ لوگ مر گئے۔

☆ نیز، سال ۶۴ھ (۲۴) میں بصرہ میں طاعون پڑا جو چار دن تک رہا۔ پہلے دن میں ستر ہزار آدمی، دوسرے دن اکہتر ہزار آدمی، تیسرے دن ستر ہزار نوے آدمی اور چوتھے روز ایک آدمی مر گئے۔ اس کا ذکر ابن الجوزی نے کیا ہے۔

☆ حال کے زمانے میں سال ۱۲۸۸ھ (۲۵) میں آسمان پر ایک کالا دھبہ نمودار ہوا۔ اس کی لمبائی ایک لاکھ چودہ ہزار میل تھی، جو بیان کیا جاتا ہے کہ زمین سے چاند تک کا فاصلہ ہے۔

☆ نیز، روس کی عملداری کے شہر شاماجی میں پے در پے بھونچال آئے جن سے شہر کے تمام لوگ ہلاک ہو گئے اور چند مکانوں کے بغیر کچھ نہیں بچا۔

☆ نیز، سال ۱۲۸۹ء (۲۶) میں ارح نومند میں زمین میں گہری شگاف ہوئی جو پانچ

میل لمبی تھی۔

☆ نیز، اسی سال جیپان (۲۷) کے جزیرے میں ۲۲/مئی کو ایک بڑا زلزلہ آیا اور زمین پھٹ گئی جس سے بہت پانی پھوٹ نکلا کہ سارا احمد شہر ڈوب گیا اور چاندی کی کان الٹ پلٹ ہوگئی۔

☆ نیز، اسی سال منسیری شہر میں سورج ڈوبنے کے وقت بگولا اُٹھا جس سے دھواں باہر نکلا۔ اس میں سے ایک آواز بھی، گائے کے بچھڑوں کے دوڑنے کی سی، آرہی تھی۔ اس کی شدت سے سترہ درخت جڑ سے اکھڑ گئے، ۲۳/درختوں کو تتر بتر کر کے رکھ دیا، ایک سو سولہ سنگین مکانوں کو توڑ ڈالا، تالابوں کو سکھا کے رکھ دیا اور بھاری پتھروں کو ان کی جگہ سے اُٹھا کر چالیس گز دور پھینک دیا۔

☆ نیز، اسی سال ۱۲۸۹ھ میں (۷/مارچ) ضلع شاہ پور (۲۸) میں چکور کی طرح کے سے اس قدر چھوٹے چھوٹے پرندے جمع ہوگئے کہ دن رات کی طرح تاریخ ہوگیا اور پہر بھر ٹھہرنے کے بعد غائب ہوگئے۔

☆ نیز، گوجراں میں ۲۳/ستمبر کو سورج چڑھنے سے پہلے افق کے جنوب میں چاند سے بھی بڑا ایک شعلہ نکل آیا جو مشرق سے مغرب کی طرف بھاگ گیا اور اس کے ہمراہ تاروں کی ایک لمبی سی دم تھی۔

☆ نیز، ۲۹/اگست ۱۲۸۹ھ میں (۲۹) سین پیڈ میں، جو بولیویا صوبے میں ہے، ایک وحشت ناک آواز سنائی دی جس سے اس شہر کے پہاڑ زمین میں دھنس گئے۔ زمین کا ایک ٹکڑا، جو چار ہزار گز لمبا اور دو ہزار گز چوڑا تھا، مکانوں اور باغوں سمیت ایک لمحے میں زمین کے نیچے چلا گیا اور غائب ہوگیا۔

یادداشتیں

(۱) کو یہامہ پرگنہ مغربی کشمیر کے کامراج علاقے میں ایک پرگنہ ہے۔

(۲) ۱۳۲۳ء۔

(۳) مطابق انگریزی مہینے نومبر اور دسمبر۔

(۴) ۱۵۱۷ء۔

(۵) ۱۶۱۵ء۔

(۶) ۱۶۴۵/۴۶ء۔

(۷) جنوبی اور مشرقی کشمیر کے مراز علاقے میں یہ پرگنہ آڈون واقع ہے۔

(۸) ۱۶۱۶ء۔

(۹) پانپور ایک مشہور قصبہ ہے جو جموں و کشمیر کی شاہراہ پر سرینگر سے جنوب میں سات میل کی دوری پر دریائے جہلم کے کنارے پر واقع ہے۔ راجہ اجتا (۸۱۲ء سے ۸۴۹ء تک) کے وزیر پدم نے اسے آباد کیا تھا۔ دنیا بھر میں یہ قصبہ زعفران کی پیداوار کے لئے مشہور ہے۔

(۱۰) تاریخ گزیدہ کو حمد اللہ مستوفی نے سال ۷۳۰ھ (۱۳۲۹/۳۰ء) میں رشید الدین فضل اللہ کے فرزند خواجہ غیاث الدین محمد کیلئے لکھا۔ اس تاریخ کی بنیاد مذکورہ فضل اللہ کی تصنیف جامع التواریخ پر رکھی گئی ہے اور عنوانوں کے لحاظ سے چھ ابواب میں منقسم ہے: پہلا باب انبیاء اور اولیاء کے بیان میں۔ دوسرا باب اسلام سے پہلے کے ایرانی بادشاہوں کے بیان میں۔ تیسرا باب حضرت پیغمبر اسلام ﷺ کے آغاز سے بنی عباس عہد تک۔ چوتھا باب اسلامی خاندانوں کے بیان میں (بارہ فصلوں میں)۔ پانچواں باب ائمہ مجتہدین، حدیث و قرآن کے قاریوں اور وقت کے شعراء کے بیان میں۔ چھٹا باب خاتمہ یعنی قزوین شہر کے حالات کے بیان میں۔ انگریزی زبان میں اس کا ایک ترجمہ مختصر سا ڈاکٹر گے، براون نے کیا ہے، جو سال ۸۵۷ء (۱۴۵۳ء) میں لکھے گئے نسخے کی بنیاد پر ہے (خلاصہ از پرشن لٹریچر تصنیف سی اے سٹوری حصہ دوم ص ۸۲ تا ۸۴)۔

(۱۱) یعنی ابو سعید خان بہادر ابن الجایتو (۷۱۶ھ۔ ۷۳۶ھ = ۱۳۱۶ء۔ ۱۳۳۵ء)۔

(۱۲) سلطان شمس الدین التمش۔ وفات ۶۳۲ھ (۱۲۳۶ء)۔

(۱۳) المستنصر باللہ عباسی ثانی۔ وفات ۱۲۴۲ء۔

(۱۴) یعنی محمد خدابندہ الجایتو۔ وفات ۱۳۱۶ء۔

(۱۵) قطب الدین علامہ ایک مشہور شاعر تھا، جو سعدی شیرازیؒ کا ہمعصر تھا۔ اس کی وفات ۱۷ر رمضان المبارک ۷۱۰ھ (۷ر فروری ۱۳۱۱ء) کو ہوئی۔ شرح کلیات قانون اور تحفہ شاہی اور شرح مفتاح العلوم کتابوں کا مصنف ہے (قاموس المشاہیر اُردو جلد ۲ر ص ۱۴۴)۔

(۱۶) عبداللہ ابن اسد، جو امام یافعیؒ کے نام سے معروف ہیں، شام کے یافہ شہر کے رہنے والے تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ آپ کی اہم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ شاہ نعمت اللہ قادریؒ کے اُستاد تھے۔ اکثر مورخوں نے آپ کا سال وفات ۷۶۷ھ (۱۳۶۶ء) لکھا ہے۔ امام یافعی کی تصانیف میں النظم فی منافع القرآن، روضۃ الریاحین فی حکایات الصالحین خلاصۃ المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر اور مراۃ الجنان فی حوادث الزمان مشہور ترین کتابیں ہیں۔ آخری کتاب سال یکم ہجری سے ۶۲۲ھ تک کے تواریخی حالات پر مشتمل ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کتاب بہت ہی پر کشش اور دلچسپ ہے (ایضاً ص ۲۸۹) حسن کا اشارہ امام یافعی کی اسی کتاب مرأۃ الجنان فی حوادث الزمان سے ہے۔

(۱۷) مراد ہے ابوعلی سینا (۳۷۳ھ۔ ۴۲۷ھ = ۹۸۳ء۔ ۱۰۳۷ء)۔

(۱۸) جرجان جواب استر آباد ہے قدیم زمانے میں بحر خضر (کیسپین سی) کے جنوبی گوشے میں ایک صوبہ تھا۔ فارسی میں گورگان اور یونانی میں ہرکینیا کے نام سے معروف تھا۔

(۱۹) ۳۵۷ھ۔ ۴۳۱ھ (۹۶۷ء۔ ۱۰۳۰ء)۔

(۲۰) ابن جوزی کی وفات ۱۲ر رمضان ۵۹۷ھ (۱۶ر جون ۱۲۰۱ء) کو ہوئی۔

(۲۱) ۱۲۴۸ء۔

(۲۲) یعنی المطیع باللہ (وفات ۳۶۳ھ = ۹۷۴ء)۔

(۲۳) سلطان اویس جلائر ابن امیر حسن بزرگ سال ۷۵۷ھ کے رجب مہینے میں (سال ۱۳۵۶ء) بغداد میں تخت نشین ہوا اور ۱۹ر سال کی حکومت کے بعد سال ۷۷۶ھ میں (۱۳۷۴ء) منگلوار کے دن ۲ر جمادی الاول کو وفات پائی۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا سلطان حسین جلائر تخت پر بیٹھا (قاموس المشاہیر ص ۱۱۶)۔

(۲۴) ۶۸۳ء۔

(۲۵)　۱۸۷۱ء۔

(۲۶)　۱۸۷۲ء۔

(۲۷)　گویا جاپان۔

(۲۸)　مغربی پنجاب (پاکستان) میں شاہ پور ایک ضلع ہے جو سرگودھا کا صدر مقام ہے۔اس کا رقبہ ۴۴۷۶ مربع میل ہے۔

(۲۹)　مطابق ۲۴ / جمادی الاخر مذکور۔

اختتام

شمس التواریخ

ترجمہ اردو تاریخ حسن (جلد اول)

فہرست ماخذ ومنابع

(یادداشتوں سے مربوط)

۱) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ا رچھاپ نہم سال ۱۸۷۵ء۔

۲) این شنٹ جیوگرافی آف کشمیر تصنیف سر اورل سٹاین۔ چھاپ ۱۸۹۹ء۔

۳) اے ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر مصنف پروفیسر کینتھ۔ چھاپ ۱۹۲۸ء۔

۴) الہند (اُردو ترجمہ) جلد ۲ رمصنف ابوریحان البرونی۔ چھاپ ۱۹۴۱ء باہتمام انجمن ترقی اُردو۔

۵) اکبر نامہ جلد ۲ رمصنف علامی ابوالفضل بن مبارک ناگوری۔ چھاپ نول کشور پریس۔ لکھنؤ۔

۶) امرکوش (سنسکرت زبان میں ڈکشنری) چھاپ بمبئی ۱۹۲۹ء۔

۷) این شنٹ مانومنٹس آف کشمیر مصنف رام چند کاک۔

۸) ببلیوگرافی آف پرشن مینوسکرپٹس مؤلف پروفیسر سی اے سٹوری۔ چھاپ لیوزک اینڈ کمپنی۔ ۱۹۳۵ء۔

۹) باغ سلیمان مصنف ملا سعد اللہ شاہ آبادی کشمیر۔ قلمی نسخہ۔ سال تصنیف ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ء) نمبر کتاب ۷۴ رکتابخانہ محکمہ تحقیق واشاعت حکومت جموں وکشمیر۔

۱۰) پرشین لٹریچر مؤلف سی اے سٹوری حصہ دوم۔ چھاپ لند۔ ۱۹۳۵ء۔

۱۱) تاریخ کشمیر ملک حیدر چاڈورہ (قلمی نسخہ) نمبر کتاب ۳۴ رکتابخانہ محکمہ تحقیق واشاعت حکومت جموں وکشمیر۔

۱۲) تاریخ حسن جلد ۳ / (قلمی نسخہ) مملوکہ کتابخانہ خانقاہ معلیٰ سرینگر کشمیر۔

۱۳) تحایف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار معروف بہ تاریخ کبیر۔ مؤلف ابومحمد حاجی محی الدین المتخلص بہ مسکین۔ سرائے بل امیرا کدل سرینگر چھاپ ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء۔

۱۴) توزک جہانگیری۔ چھاپ مطبع نول کشور۔ لکھنؤ۔

۱۵) تاریخ اقوام کشمیر۔ مؤلف منشی محمد الدین فوق۔ چھاپ ۱۹۴۳ء۔

۱۶) تاریخ کشمیر مؤلف بیربل کاچرو (قلمی نسخہ) نمبر ۱۴ / کتابخانہ محکمہ تحقیق و اشاعت حکومت جموں و کشمیر۔

۱۷) تاریخ نارائن کول عاجز (قلمی نسخہ) مملوکہ سری پرتاپ لائبریری۔ سرینگر کشمیر۔

۱۸) تاریخ جموں و ریاستہای ملحقہ۔ مؤلف حشمت اللہ خان لکھنوی۔ چھاپ ۱۹۳۹ء۔

۱۹) ٹن ماسٹرز مصنف پورن سنگھ۔ چھاپ سکھ یونیورسٹی نسبت روڈ لاہور ۱۹۲۰ء۔

۲۰) جامع اللغات اُردو، مؤلف خواجہ عبدالمجید بی اے۔ چھاپ سنگی۔ مطبع جامع اللغات کمپنی لاہور۔

۲۱) جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ مصنف پنڈت آنند کول بامزئی۔ چھاپ ۱۹۲۵ء۔

۲۲) جیرٹس آئین اکبری۔ جلد ۲ / چھاپ ۱۸۹۱ء۔

۲۳) چمبرز انسائیکلوپیڈیا۔ جلد نہم۔ چھاپ ۱۹۲۳ء۔

۲۴) چہار گلزار کشمیر، مصنف دیوان کرپارام۔ چھاپ ۱۸۷۰ء۔

۲۵) دبستان مذاہب مصنف ملا محسن فانی کشمیر۔ چھاپ مطبع نول کشور لکھنؤ۔

۲۶) راج ترنگنی (اُردو ترجمہ) مترجم اچھر چند۔ سال چھاپ ۱۹۱۲ء۔

۲۷) راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) مترجم سراورل سٹائن۔ چھاپ ۱۹۰۱ء۔

۲۸) روٹس ان دی ویسٹرن ہمالہ، مصنف میجر کینتھ صاحب۔ چھاپ دہرادون۔ ۱۹۲۲ء۔

۲۹) سکرٹ ہسٹری آف دی لاہور دربار۔ مرتبہ میجر کارمیکائل سمتھ صاحب۔ چھاپ کلکتہ۔ ۱۸۴۷ء۔

۳۰) سفرنامہ مورکرافٹ۔ جلد اول اور جلد دوم۔ چھاپ ۱۸۴۱ء۔

۳۱) سفرنامہ بیرن ھیوجل۔ چھاپ ۱۸۴۵ء۔

۳۲) سیر المتاخرین مصنف سید غلام حسین چھاپ نول کشور پریس۔ لکھنؤ۔

۳۳) سفرنامہ وائین۔ چھاپ ۱۸۶۱ء۔

۳۴) سفرنامہ مارکوپولو ونیسی، مرتبہ مینوئیل، چھاپ نیویارک امریکہ۔ ۱۹۳۹ء۔

۳۵) شمس اللغات فارسی۔ چھاپ ۱۸۷۷ء۔

۳۶) طبقات اکبری۔ چھاپ مطبع نول کشور۔ لکھنؤ۔

۳۷) عرب و ہند کے تعلقات مصنف مولوی سید سلیمان ندوی۔ چھاپ ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد۔ ۱۹۲۸ء۔

۳۸) گلشن ابراہمی المعروف بہ تاریخ فرشتہ جلد ۲/ چھاپ نول کشور۔ لکھنؤ۔

۳۹) قرآن کریم۔

۴۰) قاموس المشاہیر (دونوں حصے) مرتبہ نظامی بدایونی۔ چھاپ ۱۹۲۹ء۔

۴۱) کشمیر ان سن لایٹ اینڈ شیڈ۔ مصنف سی ای ٹنڈیل بسکو۔ چھاپ سیل لی سروس اینڈ کمپنی۔ لندن۔

۴۲) کشیر (دونوں جلد) مصنف ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی۔ چھاپ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۴۹ء۔

۴۳) کنگس توزک بابری۔ چھپ ۱۹۲۱ء۔

۴۴) گلگت مینوسکرپٹس، جلد اول۔ تدوین از ڈاکٹر نالنا کشادت۔ چھاپ سرینگر۔ کشمیر

۱۹۳۹ء۔
۴۵) گلاب نامہ (فارسی) تصنیف دیوان کرپارام چھاپ ۱۹۲۳ بکرمی۔
۴۶) لالہ رخ (انگریزی زبان میں) تصنیف تھامس مور چھاپ ۱۹۰۱ء۔
۴۷) مخزن الادویہ ڈاکٹری۔ مصنف ڈاکٹر غلام جیلانی۔
۴۸) ماثر الامراء (تینوں جلد) مولف میر عبدالرزاق المروف بہ نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خان شہید خوافی اورنگ آباد مطبوعہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ کلکتہ ۱۸۸۸ء۔
۴۹) مخزن الادویہ (دونوں جلد) مطبوعہ نول کشور پریس۔ لکھنؤ۔
۵۰) نادرن بیریر آف انڈیا، مصنف موسیوڈریو صاحب۔ چھاپ۔ ۱۸۷۵ء۔
۵۱) نگارستان کشمیر (اُردو تاریخ) مصنف ناظم سیوہاروی۔ چھاپ ۱۹۳۴ء۔
۵۲) واقعات کشمیر (تاریخ) مصنف خواجہ محمد اعظم دیدہ مری۔ چھاپ سنگی باہتمام غلام محمد نور محمد تاجران کتب سرینگر کشمیر۔
۵۳) ویبسٹرس نیوانٹرنیشنل ڈکشنری۔ چھاپ ۱۹۱۸ء۔
۵۴) ہسٹری آف دی سکھس۔ مصنف کننگھم۔ چھاپ ۱۹۱۸ء۔
۵۵) ہسٹری آف جہانگیر، مصنف بنی پرشاد، چھاپ ۱۹۲۲ء۔
۵۶) ہسٹری آف انڈیا، مصنف ایلیٹ صاحب۔ چھاپ لندن ۱۸۶۷ء۔
۵۷) ہسٹری آف دی ویسٹرن تبت، مصنف اے ایچ فرانک۔ چھاپ لندن ۱۹۰۷ء۔

پایان

76155

حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز
مائسمہ بڈشاہ چوک، سرینگر کشمیر
ISBN 938401941-0
9 789384 019419
Email: hsgmbooks@gmail.com
Rs. 7995/- 7 Vols. Set I to IV